

درسِ مثنوی مولانا روم

محبت و معرفت

انرا فادات

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دہلی کاتھم

کُتُبُ خانۂ مظہری

بشارت عظمیٰ

مناظر دیوبند حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب
چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ کے پڑپوتے سید ثروت حسین صاحب
نے جو حضرت مرشدنا و مولانا عارف باللہ شاہ محمد اختر صاحب
مد ظہم العالی کے متنبین میں سے ہیں خواب دیکھا کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم حضرت مرشدی دامت برکاتہم کے حجرہ میں
تشریف فرما ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب
حضرت والا ہیں اور حضرت کی دائیں جانب خواب دیکھنے والے
صاحب ہیں اور سامنے درسِ مثنوی مولانا روم رکھی ہوئی ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھنے والے سے فرمایا کہ
درسِ مثنوی بہت اچھی کتاب ہے، تم یہی پڑھا کرو۔

بایں مرثدہ گر جاں فشانم رواست۔

الحمد للک والشکر لک یا ربنا۔

درس مثنوی مولانا روم

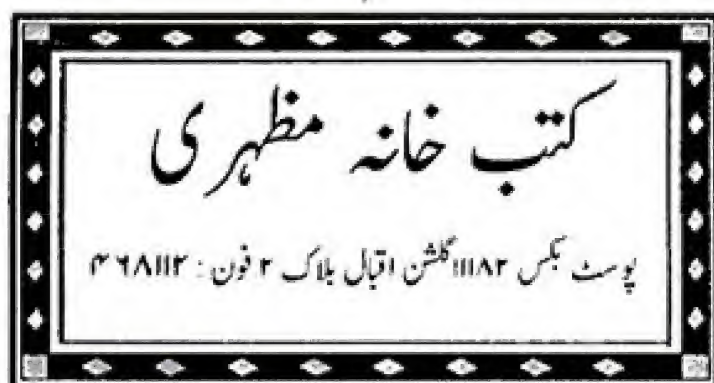
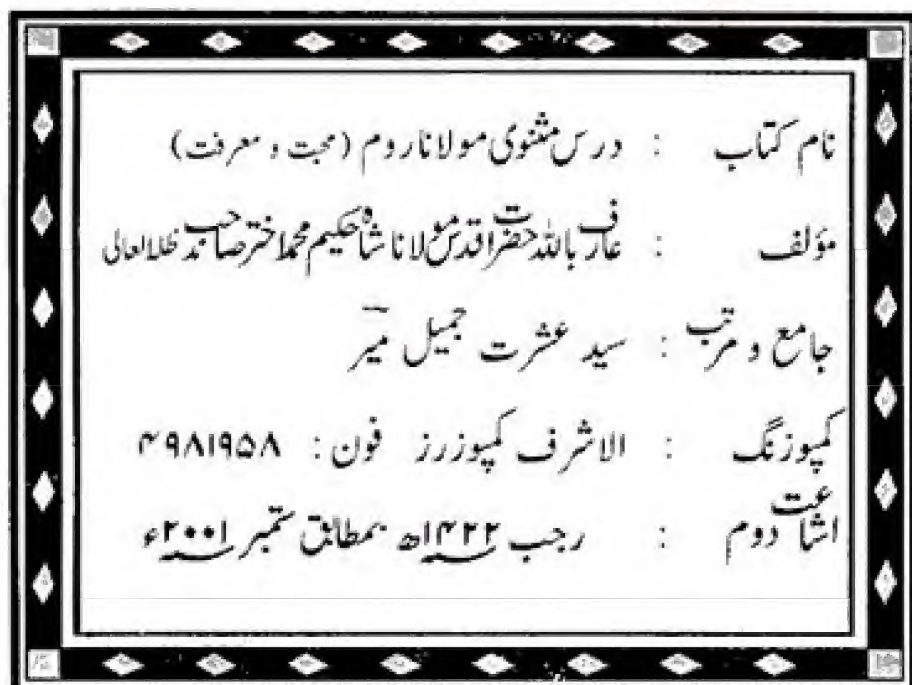
محبت و معرفت

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دہلوی مدظلہ العالی

ناشر

کتاب خانہ مظہری

گلشن اقبال بلاک نمبر ۲، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱۸۲، کراچی ۲۷، فون: ۴۶۸۱۱۲



فہرست

صفحہ

شمسی

ہجری

تاریخ

عنوان

۵	عرض مرتب		
۱۱	مجلس درس مثنوی ۱۵ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۲۰	مجلس درس مثنوی ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۳۳	مجلس درس مثنوی ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۴۹	مجلس درس مثنوی ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۶۱	مجلس درس مثنوی ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۷۰	مجلس درس مثنوی ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۷۵	مجلس درس مثنوی ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۸۲	مجلس درس مثنوی ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۱۰۰	مجلس درس مثنوی ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۱۰۵	مجلس درس مثنوی ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۹۷ء		
۱۱۳	مجلس درس مثنوی ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۹۸ء		
۱۳۲	مجلس درس مثنوی ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۹۸ء		

فہرست

صفحہ

مشق

ہجری

تاریخ

عنوان

- مجلس درس مثنوی ۷ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۹۸ء ۱۵۱
- مجلس درس مثنوی ۹ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۹۸ء ۱۸۰
- مجلس درس مثنوی ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۹۸ء ۲۰۳
- مجلس درس مثنوی ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۹۸ء ۲۱۶
- مجلس درس مثنوی ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۹۸ء ۲۵۲
- مجلس درس مثنوی ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۹۹۸ء ۲۷۰
- مجلس درس مثنوی ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۹۸ء ۲۸۸
- مجلس درس مثنوی ۱۶ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۹۸ء ۲۹۹
- مجلس درس مثنوی ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۹۸ء ۳۱۶
- مجلس درس مثنوی ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۹۸ء ۳۳۳
- مجلس درس مثنوی ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۹۸ء ۳۴۸
- مجلس درس مثنوی ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۹۸ء ۳۶۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض مرتب

رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ میں مرشدی و مولائی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب اطال اللہ ظلہ الرحمہ و ادام اللہ برکاتہم کے سفر عمرہ کا نظم بوجہ ملتوی ہوا۔ اس خبر کے عام ہوتے ہی حضرت والا کی خدمت میں رمضان المبارک گزارنے کے لئے مختلف ممالک سے حضرت والا کے متعلقین اجازت لے کر آنے لگے اور شعبان کے وسط تک ہندوستان، بنگلہ دیش، جنوبی افریقہ، کینیا، برطانیہ، اور امریکہ وغیرہ کے کئی علماء و دیگر حضرات تشریف لے آئے۔

یہ حضرات علماء حضرت والا کے درس مثنوی کے مشتاق تھے چنانچہ ان کی خواہش پر باوجود ضعف کے حضرت والا مدظلہم العالی نے وسط شعبان سے آخر عشرہ رمضان تک تقریباً روزانہ مثنوی شریف کا درس دیا جو الہامی علوم و معارف کے ساتھ عشق و محبت کی آگ لئے ہوئے آشوب و چرخ و زلزلہ کا مصداق تھا کیونکہ یہ درس محبت بزبان محبت تھا جس میں مولانا روم کے سینہ کی آتش عشق اور حضرت والا کی آتش عشق باہم مل کر شراب محبت الہیہ دو آتشہ ہو گئی جیسا کسی

شاعر نے کہا ہے ۔

نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں

چنانچہ ایک ایک لفظ عشق و محبت و کیف و مستی میں ڈوبا ہوا ہے جس سے علماء وجد میں آئے اور مست و سرشار ہو گئے ۔ حضرت والا کے تصوف کے ایک ہاتھ میں اگر اسرار عشق و مستی ہیں تو دوسرے ہاتھ میں قرآن و سنت کے دلائل علمی ہیں جو علماء محققین راہنہ فی العلم کے لئے باعث کیف و وجد اور منکرین کے لئے دعوت فکر و تدبر ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ حضرت والا اطال اللہ ظلالہم و ادام اللہ برکاتہم نے تصوف کو قرآن و حدیث کے علوم و معارف سے ایسا مدلل فرمادیا ہے کہ اب اس الزام کی گنجائش نہیں رہی کہ تصوف و طریقت قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ اسی لئے احقر راقم الحروف بہانگ دہل کہتا ہے ۔

دل میں ہر لحظہ ترے جلوۂ جاناں دیکھوں
ہاتھ میں گرچہ ترے سیمۂ صد دانہ نہیں
تری آنکھوں میں ہے وہ مستی صہبائے ازل
جس کے آگے کوئی شے مستی پیانہ نہیں
تری آنکھوں سے ملاتی نہیں نرگس آنکھیں
اس کی آنکھوں میں تری مستی خمخانہ نہیں
مفت بنتی ہے مئے ناب محبت یاں پر
ترے مے خانے سا دیکھا کوئی مے خانہ نہیں

اور احقر کی کیا حقیقت ہے جبکہ دنیا بھر میں بڑے بڑے علماء، محدثین و مفسرین حضرت والا کی شان میں رطب اللسان اور حضرت والا کے کمالات کے معترف اور حلقہ ارادت میں منسلک ہیں۔

میں ہی اس پر مر مٹا نا صح تو کیا بے جا کیا
میں تو دیوانہ تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

مثنوی کا یہ درس جس میں عشق و محبت کی آگ بھری ہوئی ہے، جس کے ایک ایک لفظ میں آتشِ عشق کی برقی رو دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ایسی تند و تیز شرابِ عشق جامِ سنت و شریعت میں محصور ہے، کیا مجال کہ عشق و مستی حدودِ شریعت سے باہر قدم رکھ دے۔ حضرت والا مدظلہم العالی فرماتے ہیں کہ تصوف تمام تر سنت و شریعت ہے اور وہ تصوف تصوف ہی نہیں جو قرآن و سنت کے خلاف ہے اور جو عشق حدودِ شریعت کو توڑ دے اس قابل ہے کہ اس عشق ہی کو توڑ دیا جائے۔ چنانچہ یہ درسِ مثنوی مولانا روم اپنی نوع کا انوکھا درس ہے جس میں مثنوی کے اشعار کی تشریح عشق و مستی کی تیز دلی شرابِ دو آتشہ کے ساتھ قرآن و حدیث کے علوم و معارف سے مویذ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ مثنوی مولانا روم قرآن پاک و احادیث پاک کی بے مثل عاشقانہ توضیح و تشریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کی زبانِ مبارک سے اس درس میں مثنوی کی جو تشریح

کرائی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور شاید ہی اس نوع کی کوئی شرح موجود ہو۔ یہ صرف مثنوی کے اشعار کی لفظی تشریح نہیں ہے بلکہ اس میں تصوف و سلوک کے مسائل کا قرآن پاک و حدیث پاک سے استنباط بھی ہے، سالکین کی باطنی پریشانیوں اور روح کے امراض کا علاج بھی ہے اور اشعار مثنوی کی الہامی اور نادر تشریحات بھی ہیں۔ غرض کہ ہر درس ایک مکمل وعظ اور علوم و معارف کا گنجینہ، راہ سلوک میں آنے والے بیچ و خم کا بہترین راہ پر اور مشعل راہ ہے جس سے مثنوی کی ہمہ گیری اور عمق و جامعیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اس درس کا کچھ حصہ درسِ مثنوی مولانا روم (درسِ محبت و معرفت) حصہ اول کے نام سے جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۸ء کو شائع ہوا جس کے یکے بعد دیگرے دو ایڈیشن تقریباً چار ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر ختم ہو چکے ہیں۔ اب یہ مکمل درسِ مثنوی جس میں سابق حصہ اول بھی شامل ہے نام میں معمولی تغیر کے ساتھ طبع کیا جا رہا ہے۔ اب اس کا نام درسِ مثنوی مولانا روم (محبت و معرفت) تجویز کیا گیا ہے۔

قارئین کرام سے دعاؤں کی گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شرف قبول عطا فرمائیں اور قیامت تک حضرت والا دامت برکاتہم کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں اور جملہ خدام و معاونین کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے شامل فرمائیں اور قیامت تک اس درس کو اُمتِ مسلمہ کے

لئے اللہ تعالیٰ کی محبت سے مست و سرشار ہونے کا اور اللہ تعالیٰ کی محبتِ اشد کے حصول کا ذریعہ بنادیں بلکہ اُمتِ دعوت کو بھی اس سے مستفید فرما کر ان کے حصولِ ایمان کا ذریعہ بنادیں اور اپنی رحمت سے مختلف عالمی زبانوں میں اللہ تعالیٰ اس کے ترجمہ کا انتظام فرما کر قیامت تک اس کو ذریعہ ہدایت بنادیں اور حضرت والا کی ہر تصنیف اور ہر تقریر و تحریر تمام عالمی زبانوں میں شائع ہو کر قیامت تک اُمت کے استفادہ کا ذریعہ ہو کیونکہ یہ محبت کی وہ آگ ہے جس کے متعلق احقر کا گمان اقرب الی الیقین ہے کہ اگر ملکوں ملکوں ڈھونڈو گے تو یہ آگ نہیں ملے گی، یہ وہ آگ ہے جو اُمت کے اولیاءِ اخص الخواص میں خال خال کو عطا ہوئی اور اس کے شاہد اور ثبوت اولاً حضرت والا دامت برکاتہم کے حالاتِ رفیعہ اور آپ کا دردِ عشق اور نسبتِ خاصہ مع اللہ کے آثار ہیں جو اظہر من الشمس ہیں اور ثانیاً حضرت والا کی تقریر و تحریر حضرت والا کے منفرد اور بے مثل دردِ عشق اور آتشِ محبت کی غماز ہے ۔

در خن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل

ہر کہ دیدن میل دارد در خن بیند مرا

ترجمہ : میں اپنے کلام میں اس طرح پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کی پنکھڑیوں میں مخفی ہے ۔ پس جو شخص دیکھنا چاہے مجھے میرے

کلام میں دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قدر کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت اقدس کے سایہ عاطفت کو ہمارے سروں پر طویل ترین مدت تک قائم رکھے اور راقم الحروف کو خصوصاً اور جملہ احباب کو عموماً حضرت والا کی قدردانی اور استفادہ کی توفیق ارزانی فرما کر حضرت والا کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمادے آمین یا رَبَّ الْعَالَمِينَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔

راقم الحروف

احقر سید عشرت جمیل میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

کے از خدام

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال ۲ کراچی

۱۹ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۶ مئی ۱۹۹۹ء یوم النہیس



اس طرح درد دل بھی تھا میرے بیل کے ساتھ

جیسے کہ میرا دل بھی تھا میری زہں کے ساتھ

(عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلسِ درسِ مثنوی

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز سہ شنبہ (منگل)
بعد فجر بوقت ۷ بجے بمقام خانقاہ لدویہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

قافیہ اندیشم و دلدار من
گویدم مندیش جز دیدار من

ارشاد فرمایا کہ مثنوی شریف الہامی کتاب ہے۔
حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ
تین کتابیں انوکھی قرآن شریف بخاری شریف اور مثنوی شریف۔
قرآن شریف تو اللہ کا کلام ہے لہذا اس کی مثل اور نظیر کون پیش
کر سکتا ہے کیونکہ کَلَامُ الْمُلُوكِ مُلُوكُ الْکَلَامِ ہوتا ہے یعنی بادشاہوں کا
کلام کلاموں کا بادشاہ ہوا کرتا ہے تو جو اللہ بادشاہوں کو بادشاہت اور
سلطنت اور تخت و تاج کی بھیک عطا کرتا ہے اس احکم الحاکمین کے کلام
کی کیا شان ہوگی اور کون اس کے مقابلہ میں اپنا کلام لا سکتا ہے۔

میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قرآن پاک کے جملے اگرچہ بظاہر انہیں الف باء تاء سے بنے ہوئے ہیں، لیکن دراصل یہ الف باء تاء دوسرے عالم کے ہیں اور اپنے اندر انوار الہیہ کو لئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے حروف سے مرتب آیات نے سارے عالم کو اپنا مثل لانے سے عاجز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اُمّی کی زبان سے ایسا فصیح و بلیغ کلام صادر فرمایا جس نے تمام فصحاء عرب کو حیرت زدہ کر دیا اور جو عرب اپنی فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں غیر عرب کو عجم یعنی گونگا کہا کرتے تھے کلام اللہ کی عظمت شان کے سامنے خود گونگے ہو گئے اور فَاَتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ .. الخ کی قرآنی لکڑ پر ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود قرآن پاک کے مثل ایک جملہ بنا کر نہ لاسکے اور اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور کیسے عاجز نہ ہوتے کیونکہ یہ اللہ کا کلام تھا۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر جو قرآن پاک نازل ہوا وہ اگرچہ آپ کی زبان مبارک سے صادر ہوا لیکن وہ اللہ کا کلام تھا، زبان عبداللہ سے کلام اللہ جاری ہو رہا تھا جس نے اہل عرب کی

فصاحت و زباں دانی کا ناز خاک میں ملا دیا۔ اسی کو مولانا رومی نے فرمایا ۔

صد ہزاراں دفتر اشعار بود

پیش حرف امیش آں عار بود

ترجمہ: اہل عرب کے پاس فصیح و بلیغ اشعار کے دفتر کے دفتر موجود تھے لیکن اس رسولِ اُمی کے ایک حرفِ آسمانی کے سامنے وہ سارے کے سارے دفتر حیرت و شرمندگی میں غرق ہو گئے۔

اور بخاری شریف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر آپ کی شان ہے لہذا کلام اللہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی بھی کوئی مثل نہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ اُوْتِیْتُ جَمِیعَ الْکَلِمِ۔

قرآن و حدیث کے بعد جس کتاب کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ مثنوی مولانا روم ہے۔ مولانا رومی امت کے بہت بڑے شخص ہیں۔ امت کے بڑے بڑے علماء اور اولیاء اللہ ہر زمانہ میں مثنوی سے استفادہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ مثنوی دل میں اللہ کی محبت کی آگ لگا دیتی ہے۔ ہمارے اکابر کو دیکھ لیجئے۔ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی کے عاشق تھے۔ مجددِ زمانہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے کلیدِ مثنوی۔ مختلف ملکوں

مختلف زبانوں کے بڑے بڑے اولیاء اس کو پڑھ کر مست ہوتے ہیں
مثنوی الہامی کتاب ہے مولانا رومی خود فرماتے ہیں ۔

قافیہ اندیشم و دیدار من
گویدم مندیش جز دیدار من

جب میں قافیہ سوچنے لگتا ہوں تو آسمان سے آواز آتی ہے کہ اے
جلال الدین مت سوچ، مثنوی تو ہم لکھوا رہے ہیں بس میری طرف
متوجہ رہو، قافیہ میں عطا کروں گا۔ دیدار من سے مراد یہی ہے کہ
میری طرف متوجہ رہو ورنہ بندہ اللہ کا دیدار اس دنیا میں کیسے کر سکتا
ہے۔ دیدار کے معنی یہ ہیں کہ اللہ موجود ہے اور وہ دیکھ رہا ہے تو گویا
تم بھی اللہ کو دیکھ رہے ہو جیسے اندھا کسی بینا سے ملاقات کر کے کہتا
ہے کہ آج ہم ان کو دیکھ آئے اگرچہ اس نے نہیں دیکھا آنکھوں
والے نے اس کو دیکھا لیکن اس کے دیکھنے کو اور اس کے سامنے
حضور کی کو اندھا اپنے دیکھنے سے تعبیر کرتا ہے۔ دنیا میں حق تعالیٰ کی
معیت خاصہ، مشاہدہ حق اور توجہ الی اللہ کو حدیث احسان میں سرور
عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ سَخَانُكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ
تَكُنْ تَرَاهُ فَانَّهُ يَرَاكَ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو
دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو اللہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے
۔ پس جب اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے تو گویا تم بھی اللہ کو دیکھ رہے ہو اس

حدیث کی شرح علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ فرمائی ہے کہ اَنْ يُّغْلِبَ عَلَيْهِ مُشَاهَدَةُ الْحَقِّ بِقَلْبِهِ حَتَّى كَأَنَّهُ يَرَى اللَّهَ تَعَالَى شَأْنَهُ اللَّهُ تَعَالَى کی حضور ی قلب پر ایسی غالب ہو جائے کہ گو یا بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اس شعر میں دیدار سے مراد یہی توجہ الی اللہ ہے کہ حضور قلب اور توجہ کاملہ کے ساتھ میری طرف متوجہ رہو مثنوی کو میں تمہارے قلب پر القاء کروں گا۔ اس شعر میں مثنوی کے الہامی ہونے کا اشارہ ہے۔

اور اس سے زیادہ واضح اشارہ مولانا کے دوسرے شعر میں ہے۔
فرماتے ہیں ۔

چوں فتا داز روزن دل آفتاب
ختم شد واللہ اعلم بالصواب

قلب میں جس در پیچہ باطنی سے آفتاب علم کے فیضان سے علوم و معارف غیبیہ وارد ہو رہے تھے وہ آفتاب فیض قلب کے محاذات سے حکمت خداوندی غروب ہو گیا لہذا مثنوی ختم ہو گئی اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب اور حکمت کس وقت کس چیز میں ہے ان کا ہر فعل حکمت کے موافق ہے لہذا اس وقت جب انہوں نے ایسا کیا تو یقیناً اس میں کوئی حکمت ہے اس لئے اب میں بہ تکلف کلام نہیں کروں گا اور مثنوی کو ختم کرتا ہوں لہذا مولانا نے مثنوی لکھنا بند

کردی اور قصہ بھی ادھورا چھوڑ دیا۔ یہی دلیل ہے کہ یہ الہامی کلام تھا۔ اگر الہامی نہ ہوتا تو جو شخص ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار لکھ سکتا ہے کیا وہ چند اشعار لکھ کر مثنوی کو پورا نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے بچپن سے مولانا رومی سے عشق ہے۔ میں بہت چھوٹا تھا جب سے مولانا کے اشعار پڑھ پڑھ کے رویا کرتا تھا خصوصاً یہ شعر۔

آہ را جز آسماں ہدم نبود

راز را غیر خدا محرم نبود

ترجمہ : میں جنگل کی تنہائی میں ایسی جگہ اللہ کا نام لیتا ہوں جہاں سوائے اللہ کے میری آہ کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا اور میری محبت کے راز کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

الحمد للہ میں نے وہ جنگل دیکھا ہے جہاں مولانا نے یہ شعر کہا تھا اور جہاں اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے ساڑھے اٹھائیس ہزار درد بھرے الہامی اشعار مولانا کی زبان سے جاری ہوئے۔ پورا جنگل آج بھی نور سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بچپن ہی سے مجھے مولانا کے شہر قونیہ دیکھنے کی آرزو تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو بھی پوری کر دی اور اسی سال لندن جاتے ہوئے ترکی کے دار الخلافہ استنبول میں قیام کیا جہاں لندن کے میزبان اور بہت سے علماء آگئے تھے اور جنوبی افریقہ سے بھی بہت سے علماء تشریف لے آئے۔ استنبول سے ایر کنڈیشن

بس میں ہم سب قونیہ گئے۔ قونیہ میں مولانا رومی کی خانقاہ میں میں نے مولانا کی مثنوی کا درس بھی دیا اور وہیں خانقاہ میں بعض لوگ میرے ہاتھ پر داخل سلسلہ ہوئے اور بہت سے علماء جو ساتھ تھے انہوں نے تجدید بیعت کی۔ میرا ترکی کا یہ سفر نامہ شائع ہو چکا ہے جس کا نام الطاف ربانی ہے جس کو میر صاحب نے ترتیب دیا ہے۔

اے کہ صبرت نیست از فرزند و زن
صبر چوں داری زرب ذوالمنن

ارشادِ فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تمہیں اپنے بیوی بچوں پر صبر نہیں آتا۔ اگر بیوی میکے چلی جائے تو تم بے چین ہو جاتے ہو، اگر ناراض ہو جائے تو ساری کائنات کی نبض تمہیں ڈوبتی ہوئی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فانی اپنی بیوی کی ناراضگی پر کہتا ہے۔

ہم نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

بیوی بچوں پر تمہیں صبر نہیں حالانکہ وہ تمہارے محسن نہیں ہیں تو پھر اس احسان کرنے والے مولیٰ پر کیونکر صبر کر لیتے ہو اور اس مالک کو ناراض کرتے رہتے ہو اور تمہیں خیال بھی نہیں آتا کہ میں کیسے

محسن کی نافرمانی کر رہا ہوں جس کی روٹیوں سے میں زندہ ہوں اور جس کے مجھ پر ہر لمحہ اتنے احسانات ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے احسان کرنے والے مولیٰ کو تو ایک لمحہ کو نہیں بھولنا چاہئے تھا۔ دیکھو مچھلیوں کو پانی پر صبر نہیں ہے حالانکہ پانی مچھلیوں کا خالق نہیں ہے صرف مستقر ہے لیکن مچھلیوں کو پانی سے کیسا تعلق ہے؟ کہ اگر ایک سانس کی جدائی ہو جائے تو بزبان حال کہنے لگتی ہیں ۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

اور تم انسان ہو کر اپنے محسن حقیقی پر صبر کرتے ہو جس نے تمہیں ایک قطرہ منیٰ سے چھ فٹ کا انسان بنادیا اور اسی قطرہ میں بینائی کا خزانہ رکھ دیا کہ وہ ناپاک قطرہ آج دیکھ رہا ہے ، شنوائی کا خزانہ رکھ دیا کہ وہ ناپاک قطرہ آج سن رہا ہے گویائی کا خزانہ رکھ دیا کہ وہی قطرہ آج بول رہا ہے وغیرہ۔ دنیا میں کون ایسا مصور ہے جو پانی پر نقش و نگار بنا سکے ، یہ صرف حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ ہے جو قطرہ منیٰ پر صورت گری کرتی ہے ۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردہ است بر آب صورت گری

اے اللہ نطفہ ناپاک کو آپ خوبصورت انسانی شکل عطا فرماتے ہیں اور

آپ کی قدرتِ قاہرہ پانی پر صورتِ گرمی کرتی ہے یعنی قطرہٴ منیٰ پر آنکھ، کان، ناک آپ نے بنائے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

شکر از نے میوہ از چوبِ آوری

از منیٰ مردہ بتِ خوبِ آوری

اے اللہ آپ گنے کے ڈنڈوں میں رسِ ڈال کر شکر پیدا فرماتے ہیں اور مُردہ اور بے جان منیٰ سے انسانِ احسنِ تقویم میں پیدا فرماتے ہیں یہ سب آپ کی قدرتِ قاہرہ کا کمال ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے احسان کرنے والے رب پر تو جان دینا چاہئے تھا ان سے تو ہماری جانوں کو ایسا تعلق ہونا چاہئے تھا کہ ۔
ترا ذکر ہے مری زندگی ترا بھولنا مری موت ہے

ان کی یاد ہماری زندگی اور ایک لمحہ ان کو بھولنا ہماری موت ہے لیکن آہ ایسے احسان کرنے والے مولیٰ پر ہم صبر کئے ہوئے ہیں جو ہمارا خالق ہے مالک ہے رازق ہے، پالنے والا ہے۔ ان پر جان فدا کر کے بھی ان کے احسانات کا حق ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ جان انہیں کی دی ہوئی ہے اگر ان پر قربان کر دی تو کیا کمال کیا ۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مجلس درس مثنوی

۱۶ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز چہار شنبہ
بعد فجر برہم خانقاہ المدنیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

چیت دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ارشادِ خدا پاک کہ مولانا رومی نے اس شعر میں دنیا کی حقیقت بیان فرمادی کہ دنیا کس چیز کا نام ہے۔ بعض نادان لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کو لات مارو، دنیا کو لات مارو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر پیسہ نہ ہو، روٹی نہ ملے تو دنیا کو لات مارنے کے لئے لات بھی نہیں اٹھے گی۔ معلوم ہوا کہ مال و دولت کا نام دنیا نہیں ہے پھر دنیا کس چیز کا نام ہے۔ مولانا رومی ایک ہی مصرع میں سوال قائم فرماتے ہیں اور اسی مصرع میں جواب بھی دیتے ہیں۔

چیت دنیا؟ از خدا غافل بدن

فرماتے ہیں دنیا کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جانا۔ خدا سے غافل

ہو جانے کا نام دنیا ہے۔

نے قماش و نفقہ فرزند و زن

قماش معنی کپڑا۔ کپڑے، چاندی سونا، مال و دولت اور بیوی بچے دنیا نہیں ہیں۔ اگر یہ چیزیں کسی کو اللہ سے غافل نہیں کرتیں اور اللہ کی مرضی کے مطابق دنیا رکھتا ہے، اپنی دنیا کو اللہ کی نافرمانی میں نہیں لگاتا تو یہ شخص اللہ والا ہے، ہرگز دنیا دار نہیں۔ اور ایک شخص مفلس ہے، تنگی ترشی اور فاقوں میں زندگی گذارتا ہے لیکن اللہ سے غافل ہے، نافرمانی میں مبتلا ہے یہ شخص پکا دنیا دار ہے۔ معلوم ہوا کہ عین امارت اور بادشاہت میں آدمی دیندار اور ولی اللہ ہو سکتا ہے اور عین مفلسی اور فاقہ کشی میں اللہ سے دور اور پکا دنیا دار ہو سکتا ہے۔ اسی لئے مولانا نے غفلت من اللہ کو فرمایا کہ یہ دنیا ہے نہ کہ مال و دولت اور امارت و بادشاہت۔

مولانا کے اس قول کی دلیل تفسیر روح المعانی میں ہے

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

کی تفسیر کے ذیل میں۔ دنیا متاع الغرور یعنی دھوکہ کی پونجی ہے۔ اور متاع کیا چیز ہے؟ علامہ آلوسی نے ایک عجیب عالم علامہ اصمعی کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ لفظ متاع اور رقیم کی تحقیق کے لئے عرب کے دیہات میں گئے کیونکہ دیہات میں اس زمانہ میں نکسالی زبان بولی جاتی

تھی شہروں میں تو دوسری زبانوں کی آمیزش ہو جاتی ہے ۔ علامہ اصمعی نے دیکھا کہ ایک گاؤں میں ایک چھوٹا سا بچہ بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک چستکبر اکتا آیا اور چولہے کے پاس برتن صاف کرنے کا ایک میلا سا کپڑا تھا کتے نے اس کو منہ میں لیا اور ایک پہاڑ پر جا کر بیٹھ گیا ۔ جب ماں آئی تو بچے نے کہا یا امی جاء الرقیم و اخذ المتاع و تبارک الحیل ۔ علامہ اصمعی فرماتے ہیں کہ ایک جملہ میں تین لغات حل ہو گئیں ۔ معلوم ہوا کہ رقیم چستکبر ہے کتے کو کہتے ہیں اور متاع اس حقیر اور میلے کپڑے کو کہتے ہیں جس سے باورچی خانہ میں برتن صاف کئے جاتے ہیں جس کو اردو میں صافی کہتے ہیں ۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ دنیا متاع ، حقیر ذلیل اور بُری کب ہے ؟ ان الهتك عن الآخرة اگر آخرت سے غافل کر دے إِنَّ الدُّنْيَا جِيفَةٌ وَ طَالِبُهَا كِلَابٌ دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں لیکن یہ دنیا جیفہ اور متاع یعنی حقیر و ذلیل بشرط شئی ہے اور بشرط شئی کیا ہے الهاء عن الآخرة یعنی آخرت سے غفلت ۔ اور اگر آخرت سے دنیا غافل نہ کرے تو علامہ آلوسی فرماتے ہیں و ان جعلت الدنيا وسيلة للآخرة و ذريعة لها فهي نعم المتاع اگر تم دنیا کو آخرت کا وسیلہ اور اس کا ذریعہ بناؤ تو یہ بہترین پونجی ہے ۔ ایک شخص اپنے مال سے علماء دین کی خدمت کر رہا ہے ، مسجد اور مدرسے بنا رہا ہے ، دین کی کتابیں چھاپ رہا ہے ، طلباء و صلحاء کو کھانا کھلا رہا ہے تو کیا اس

کی یہ دنیا متاع غرور اور ذلیل و حقیر ہے؟ یہ تو اس کی بہترین پونجی ہے جو اللہ پر فدا ہو رہی ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ لَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ متقی تیرا کھانا کھائے کیونکہ متقی کھانا کھا کر جو نیک کام کرے گا وہ کھانے والے کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا پس اس کی یہ دنیا ہر گز حقیر نہیں کیونکہ آخرت کی تعمیر کا وسیلہ اور ذریعہ بن رہی ہے۔

لیکن یہ دولت ہر ایک کو نہیں ملتی۔ ہر ایک کا یہ نصیب کہاں کہ دنیا اس کو اللہ سے غافل نہ کرے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا راز ہر سینہ کو عطا نہیں فرماتے اور بڑے لطف سے کسی بزرگ کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

نہ ہر سینہ را راز دانی دہند

نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند

ہر سینہ کو اللہ اپنی محبت کا راز نہیں دیتا اور نہ ہر آنکھ کو اپنے راستہ کی رہنمائی کا مقام عطا فرماتا ہے۔

نہ ہر گوہرے درۃ التاج شد

نہ ہر مرسلے اہل معراج شد

ہر موتی کو اللہ تعالیٰ یہ عزت نہیں دیتا کہ وہ بادشاہوں کے تاج میں لگے اور ہر رسول کو اللہ تعالیٰ نے معراج نہیں عطا فرمائی۔

برائے سر انجام کار صواب
یکے از ہزاراں شود انتخاب

اللہ تعالیٰ اپنے دین کے سرکاری کام کے لئے، اپنی ولایت و محبت و دوستی کے لئے ہزاروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتا ہے، ہر شخص کو یہ سعادت و عزت و شرف نہیں ملتا۔ اور سرکاری کام کے لئے اللہ کی طرف سے جس کا انتخاب ہوتا ہے اس کو جو ساتھی دیئے جاتے ہیں وہ بھی منتخب ہوتے ہیں۔ صحابہ کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ہوا تھا۔ دنیا ہی میں دیکھ لیجئے۔ جب کوئی باپ اپنے بیٹے کو سفر پر بھیجتا ہے تو اس کو اچھے سے اچھے باوفا اور جاں نثار ساتھی دیتا ہے۔ جب ایک باپ کی رحمت کا یہ تقاضا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جب اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا تو اپنے پیارے پیغمبر کی نصرت کے لئے آپ کو صحابہ بھی انتہائی باوفا جاں نثار اور نہایت پیارے منتخب کر کے دئے۔ اس لئے صحابہ پر اعتراض کرنے والے انتہائی احمق ہیں۔ صحابہ پر اعتراض کرنا اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ نعوذ باللہ اپنے پیغمبر کو اللہ نے صحیح ساتھی نہیں دئے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی انکار ہے کہ ایک باپ تو اپنے بیٹے کو باوفا ساتھی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ نبی کے ساتھ یہ رحمت نہیں کی العیاذ باللہ نقل کفر کفر نباشد۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَقَدْ سَبَّنِي الْعَجَسَ جس نے میرے صحابی کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا اور جس نے

مجھے بُرا کہا اس نے اللہ کو بُرا کہا۔ صحابہ کی عظمت شان کے لئے یہی ایک حدیث کافی ہے۔

بتائیے اے علماء کرام میری تقریر میں جو لطف آپ پاتے ہیں یہ میرا کمال نہیں میرے بزرگوں کا صدقہ ہے جن کی اختر نے جوتیاں اٹھائی ہیں۔ میرے دو شعر ہیں۔

مزدہ پاتے ہو کیوں اس کے بیاں میں

کوئی تو بات ہے دردِ نہاں میں



مرے احباب مجلس سے کوئی پوچھے مزدہ اس کا

بہ شرحِ دردِ دل اختر کا محوِ گفتگو رہنا

الحمد للہ بزرگوں کی مجھے اللہ تعالیٰ نے اتنی صحبت عطا فرمائی کہ روئے زمین پر شاید آپ نہیں پائیں گے، شاید کا لفظ دعویٰ توڑنے کے لئے کہتا ہوں۔ میں تو بالغ ہی اہل اللہ کی آغوشِ تربیت میں ہوا۔ پندرہ سے اٹھارہ سال کی عمر تک مسلسل تین سال حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا جن سے ملاقات کے لئے میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ان کے گھر تشریف لے گئے تو زمین کو دیکھا اور پھر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ مولانا محمد احمد صاحب کا نور مجھے زمین سے آسمان تک نظر آرہا ہے اور یہ اس کی آنکھوں کا فیصلہ ہے جس کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے

خواب میں بارہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عطا کی۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تین سال تک اپنی رحمت سے مجھ کو رکھا۔ روزانہ طبیبہ کالج سے فارغ ہوتے ہی شام کو عصر سے رات کے گیارہ بجے تک حضرت کی مجلس میں رہتا تھا۔ بڑے بڑے علماء آرہے ہیں، اشعار ہو رہے ہیں۔ کیا کہوں کیا مجلس تھی۔ تین سال تک حضرت کی زبان سے میں نے کبھی کوئی غیر اللہ کی بات نہیں سنی سوائے اللہ تعالیٰ کی محبت کے۔ وہ عالم غیب کے ریڈیو تھے، مادر زاد ولی تھے۔ ایک عالم نے بتایا کہ بچپن میں جب ہم لوگ گلی ڈنڈا کھیلتے تھے حضرت اسی بچپن میں لکڑی اور اینٹوں سے مسجد بنا کر اذان دیتے تھے۔

اس کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گیا۔ قصبہ پھولپور میں شہر سے دور حضرت کا مکان تھا جہاں سے قصبہ نظر تو آتا تھا لیکن وہاں کی آواز نہ آتی تھی، دس منٹ کا راستہ تھا۔ جنگل کا سا سناٹا، حضرت کی اپنی مسجد، اپنی خانقاہ چھوٹا سا مدرسہ جہاں ہر گھنٹہ دو گھنٹہ پر حضرت کی آہ کا نعرہ سنائی دیتا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت کا بھی عجیب انداز تھا ایسی عمدہ آواز تھی، معلوم ہوتا تھا کہ ساز بج رہا ہے اور دس بیس آیات کے بعد ایسا لگتا تھا کہ سینہ درد سے بھر گیا پھر پڑھتے پڑھتے اس زور سے اللہ کہتے تھے کہ پوری مسجد بل جاتی تھی جیسے انجن میں جب اسٹیم زیادہ ہو جاتی ہے تو اس کا ڈھکن کھول دیا جاتا ہے اور بھاپ شور کے ساتھ نکل جاتی ہے

ورنہ انجن پھٹ جائے۔ جب حضرت اللہ کا نعرہ لگاتے تھے تو ایسا ہی لگتا تھا کہ اگر حضرت یہ نعرہ نہ لگائیں تو جسم کے پرچے اڑ جائیں گے۔ حضرت کی عبادت عاشقانہ عبادت تھی ایسا لگتا تھا جیسے کوئی شدید بھوک میں پلاؤ قورمہ کھا رہا ہے، روئے زمین پر میں نے کسی کو ایسی عاشقانہ عبادت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تہجد میں بھی بہت روتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا اختر پر فضلِ عظیم ہے کہ اتنے بڑے شیخ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سترہ برس تک رکھا، دس سال تو خاص پھوپھور میں اور سات برس مختلف مقامات پر جس کا میں آج شکر ادا کر رہا ہوں کہ مالک آپ کا احسان و کرم ہے کہ آپ نے مجھے حضرت والا کے ساتھ چپکائے رکھا ورنہ جوانی میں بوڑھے آدمی کے ساتھ کون رہتا ہے۔ جوان آدمی تو ہم عمر جوانوں کو تلاش کرتا ہے گپ لگانے کے لئے۔ میں بیس بائیس سال کا اور شیخ ستر کے قریب لیکن کیا بتاؤں شیخ کے بغیر میرا کہیں دل ہی نہیں لگتا تھا۔ سارا عالم مجھے حضرت میں نظر آتا تھا۔ اسی پر میرا شعر ہے ۔

وہ اپنی ذات میں خود انجمن ہے

اگر صحرا میں ہے پھر بھی چمن ہے

مثنوی بھی میں نے حضرت سے پڑھی اور حضرت نے پڑھی حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور حکیم الامت نے پڑھی شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمۃ اللہ

علیہ سے اور حاجی صاحب نے پڑھی حافظ عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو حافظ مثنوی تھے اور حافظ عبدالرزاق صاحب خاص شاگرد ہیں مفتی الہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ خاتم مثنوی کے ۔ یہ میری مثنوی کی سند ہے ، اتنی قریبی سند بھی کم لوگوں کو حاصل ہوگی ۔ غرض جو کچھ ملا شیخ کی صحبت سے ملا ۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

پیر باشد نردبان آسمان
تیر پراں از کہ گردد از کماں

اگر نشانِ نردبانِ کدکِ نردبان کے معنی ہیں سیڑھی ۔ پیر آسمان کی سیڑھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ، ذریعہ اور وسیلہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ تک جانا چاہتے ہو تو کوئی پیر حقانی تلاش کرو ۔ آسمان سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ۔ یہ تو ایک دعویٰ ہے کہ پیر اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے لیکن اس دعویٰ کی کیا عمدہ دلیل اگلے مصرع میں مولانا دیتے ہیں ۔ مولانا رومی کے انہیں علوم کی وجہ سے ہر زمانہ میں سارے علماء مولانا کے غلام بن گئے ۔ فرماتے ہیں ۔

تیر پراں از کہ گردد از کماں

تیر کس کے ذریعہ سے اڑتا ہے ؟ کمان سے ۔ تیر اگر ایک کروڑ روپے کا سونے کا بنا ہوا ہو مگر زمین ہی پر دھرا رہے گا اگر کمان میں نہیں

آئے گا۔ شیخ مثل کمان ہے ، مرید جب اس کی صحبت میں آتا ہے تو عرش تک وہ اللہ والا اڑا دیتا ہے ، فرشی عرشی بن جاتا ہے ، غافل اللہ والا بن جاتا ہے ۔

مولانا روم یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں ۔ مثنوی تو قرآن و حدیث کی تفسیر ہے ۔ لوگوں کو سمجھانے کے لئے مولانا نے قرآن و حدیث کے علوم کو مثالوں سے عاشقانہ انداز میں پیش کیا ہے ۔ اس شعر کی دلیل ہے

﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

قرآن پاک کو کوئی کیسے جھٹلا سکتا ہے ۔ حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تم تقویٰ چاہتے ہو ، ہمارا دوست بننا چاہتے ہو تو تقویٰ والوں کے ساتھ رہو۔ اگر ان کے ساتھ رہو گے تو ان کے دل کا تقویٰ تمہارے دل میں منتقل ہو جائے گا مگر دل سے محبت کرو۔ ان کے دل سے اپنا دل ملا دو۔ چراغ سے چراغ جلتے ہیں ۔

قریب جلتے ہوئے دل کے اپنا دل کر دے
یہ آگ لگتی نہیں ہے لگائی جاتی ہے

اگر ایک چراغ کا برتن ایک کروڑ روپے کا ہے سونے جواہرات ، قیمتی پتھروں سے بنا ہے اور اس کی بتی بھی مان لیجئے لاکھوں روپے کی بنائی گئی ہے اور اس کا تیل بھی کوئی خاص تیل ہے لاکھوں روپے کا لیکن

روشن نہیں ہو سکتا جب تک کسی جلتے ہوئے چراغ کی لو سے مس یعنی Touch نہیں ہو گا نہ خود روشن ہو گا نہ کسی دوسرے چراغ کو روشن کر سکے گا۔ اسی طرح کتنا ہی بڑا عالم ہو، علم کا سمندر ہو، چلتا پھرتا کتب خانہ ہو لیکن اس کا دل اللہ کی محبت سے روشن نہیں ہو سکتا، اس کا علم مقرون بالعمل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کی محبت میں جلتے ہوئے کسی صاحب نسبت دل سے اپنا دل نہیں ملائے گا، کسی اللہ والے کی صحبت اور غلامی اختیار نہیں کرے گا نہ اس کے دل میں اللہ کی محبت کی آگ لگے گی نہ یہ دوسروں کو لگا سکے گا اور دوسری مثال یہ ہے کہ دو تالاب ہیں۔ ایک تالاب مچھلیوں سے محروم ہے اور دوسرے تالاب میں مچھلیاں ہیں تو خالی تالاب اگر اپنی سرحد مچھلیوں والے تالاب سے ملا دے تو اس کی ساری مچھلیاں اس خالی تالاب میں آجائیں گی۔ اسی طرح اللہ والوں سے تعلق کرنے سے ان کے دل کا تقویٰ دوسرے دلوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔

اختر اللہ والوں کا ایک ادنیٰ غلام ہے۔ میں اللہ والا ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا لیکن میں نے ساری عمر اللہ والوں کی غلامی کی ہے۔ میری اللہ والوں کی غلامی کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ جنوبی افریقہ کے علماء موجود ہیں ان سے پوچھ لیجئے کہ کیا حالات ہیں۔ علماء کی زندگیوں میں کیسا انقلاب آیا ہے مولانا..... بہت بڑے دارالعلوم کے مہتمم ہیں میرے ہاتھ پر بیعت ہو گئے، اللہ اللہ کیا، نفس کی اصلاح

ہوئی، تقویٰ نصیب ہوا، میری طرف سے ان کو اجازت بھی ہے اب خود کہتے ہیں کہ میری تقریر میں وہ اثر نہ تھا جو اب اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ اب جو بات کہتا ہوں درد دل سے کہتا ہوں، اشکبار آنکھوں سے کہتا ہوں روتے ہوئے دل سے کہتا ہوں۔ اب تبلیغ بھی جاری ہے، اصلاح نفس بھی جاری ہے۔ لوگ بہت کثرت سے بیعت بھی ہو رہے ہیں۔ دین کا نفع کئی گنا بڑھ گیا اور شیخ الحدیث بہت بڑے دارالعلوم کے جو اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت ہوئے بخاری شریف پڑھاتے ہیں ماشاء اللہ ساری زندگی تبلیغ میں لگے رہے، اب بھی سارے عالم میں تبلیغ کے لئے جارہے ہیں مگر یہی کہتے ہیں کہ ہماری تبلیغ میں تاثیر بڑھ گئی لوگ ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں اور جنوبی افریقہ کے ایک بہت بڑے شہر کے تبلیغی جماعت کے امیر جن کو جنوبی افریقہ کے علماء جو یہاں موجود ہیں جانتے ہیں کعبہ شریف میں میرے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ ایک سال بعد ملے تو کہا کہ تقویٰ کا اتنا بڑا نفع ملا ہے جو زندگی بھر نہیں ملا تھا اگرچہ ساری زندگی دین ہی کی محنت میں گزری، بیعت ہونے کے بعد نظر کی حفاظت کا انعام ملا۔ اب ایک نظر بھی خراب نہیں ہوتی چاہے ہوائی جہاز میں ہوں، لندن میں ہوں یا کہیں بھی اور اس نعمت پر وہ اتنا مست ہوئے کہ کہتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ سارے تبلیغی دوستوں کو آپ سے (یعنی اس فقیر سے) بیعت کرادوں کیونکہ بغیر تقویٰ کے ولایت خاصہ حاصل نہیں ہو سکتی اور اس

میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ایک ہزار سال سے اپنے بزرگوں کا یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ بغیر پیر کے کوئی اللہ والا نہیں بنا۔ کتنے لوگ جنہوں نے بغیر پیر کے چلنا چاہا اللہ اللہ کر کے پاگل ہو گئے کیونکہ کوئی مرشد نہیں تھا، ذکر میں مزہ آیا ایک ہزار کے بجائے دس ہزار کرنے لگے، نخل سے زیادہ محنت کی دماغ میں خشکی ہو گئی یہاں تک کہ پاگل ہو گئے۔ لوگوں نے سمجھا کہ مجذوب ہو گئے حالانکہ حقیقت میں پاگل ہو گئے۔ میرے شیخ شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جس طرح کار کے لئے ڈرائیور ضروری ہے اسی طرح اللہ کا راستہ طے کرنے کے لئے شیخ ضروری ہے۔ جس کار پر کوئی ڈرائیور نہ ہو تو جہاں تک موٹر نہیں آئے گا کار سیدھی چلی جائے گی لیکن جہاں کوئی موٹر آیا وہیں تصادم ہو جائے گا اسی طرح جن کا کوئی شیخ نہیں تھا وہ کچھ دور تو صحیح چلے لیکن کہیں جاہ کے موٹر پر ٹکرا کر تباہ ہو گئے کہیں باہ کے موٹر پر تباہ ہو گئے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ اگر کار کا بریک ڈرائیور سے کہے کہ گدھے کی لیدھ لگا ہوا بوٹ میری گردن پر رکھ کر میری شان میں گستاخی کرتے ہو تو ڈرائیور کہے گا کہ میرے بوٹ سے مت گھبرا۔ اگر تیری گردن پر میرا بوٹ نہیں ہو گا تو ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔ نہ تو رہے گا، نہ موٹر رہے گی نہ موٹر والا۔ اس لئے بزرگوں کا سایہ بہت بڑی نعمت ہے۔ مرشد کے سائے میں جیو اس کی روک ٹوک ڈانٹ ڈپٹ سے نہ گھبراؤ۔ یہی تمہیں عجب و کبر کے ایکسیڈنٹ سے بچائے

گی۔ جن کے پاس علم تھا لیکن کسی اللہ والے بزرگ سے تعلق نہیں تھا وہی گمراہ ہو گئے۔ پرویزی قادیانی وغیرہ جتنے فرقے باطل ہیں ان کے بانی علم کسی درجہ میں رکھتے تھے لیکن کوئی ان کا مربی نہیں تھا جس سے یہ مربہ نہ بن سکے۔ اگر آپ کسی دوکان پر جائیں اور کہیں کہ سیب کا مربہ چاہئے مگر ایسا ہو جس کا کوئی مربی نہ ہو، خود کتاب پڑھ کر مربہ بن گیا ہو تو دوکاندار کہے گا کہ آپ کسی دماغ کے ڈاکٹر سے علاج کرائیے۔ دنیا میں کوئی مربہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کا کوئی مربی نہ ہو۔ اپنے بزرگوں کو دیکھ لیجئے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے اور ان کے شیخ ہیں قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے خلیل کو اللہ تعالیٰ نے نسبت صحابہ عطا فرمائی ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت پائی، ان سے مربہ ہوئے پھر مربی ہوئے اور آج سارے عالم میں ان کا خلوص پھیل رہا ہے۔ کوئی دیسی آم لنگڑا آم نہیں بنا جب تک کسی لنگڑے آم کی قلم سے پیوند نہیں کھایا۔ دیسی آم کو لنگڑے آم کی قلم سے کس کے پٹی باندھتے ہیں اگر کس کے نہ باندھیں، رابطہ ڈھیلا رہے تو لنگڑے آم کی خاصیت دیسی آم میں نہیں آئے گی اور دوسرا کام یہ کرتے ہیں کہ دیسی آم کو آگے نہیں بڑھنے دیتے،

کائے رہتے ہیں اس طرح لنگڑے آم کی تمام خاصیت دیسی آم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کوئی مولوی بھی مولیٰ والا نہیں ہو سکتا جب تک کسی مولیٰ والے سے پیوند نہیں لگائے گا یعنی اس کی صحبت اختیار نہیں کرے گا اور تعلق اس اللہ والے سے ڈھیلا ڈھالا نہ ہو خوب مضبوط ہو تب اس اللہ والے کی خصوصیات اس کے اندر منتقل ہوں گی اور جس طرح دیسی آم کو آگے نہیں بڑھنے دیتے، کائے رہتے ہیں اسی طرح شیخ کی رائے میں اپنی رائے کو فنا کر دو، آگے نہ بڑھو ورنہ دیسی کے دیسی ہی رہو گے لہذا شیخ سے خوب قوی تعلق ہو اور اس کی رائے میں اپنی رائے کو فنا کر دو تو دیسی آم تو لنگڑا آم بنتا ہے لیکن دیسی دل لنگڑا دل نہیں بنے گا لنگڑا دل بنے گا اور ایسا لنگڑا دل بنے گا کہ لاکھوں انسان اس سے فیض یاب ہوں گے۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

نفس خود را کش جہانے زندہ کن

خواجہ را کشتہ ست اورا بندہ کن

فرمایا کہ اپنے نفس کو مار لو، نفس کی بُری بُری خواہشوں کو قتل کر دو یعنی جب نفس میں بری خواہش کا تقاضا پیدا ہو تو اس تقاضے پر عمل نہ کرو تو گویا تم نے اپنے نفس کو قتل کر دیا۔ اور دُرود مت کہ اگر ہم نے خواہشوں کو مار دیا تو ہمارے پاس کیا رہے گا۔ بظاہر تو خواہشوں کی

موت نظر آرہی ہے لیکن اگر تم نے ذرا سی ہمت کر لی تو ان خواہشوں کی موت سے تمہیں ایسی حیات عطا ہوگی کہ تم اپنی جان میں سینکڑوں جان محسوس کرو گے اور ایک عالم تم سے زندہ ہوگا۔ نفس تو غلام تھا، روح آقا تھی لیکن تمہارے نفس نے روح کو مار دیا ہے، غلام نے آقا کو قتل کر دیا ہے لہذا تم اس سے قصاص لو، مولانا رومی نے دلیل قرآن پاک کی پیش کی کہ

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا اُولٰٓئِي الْاَلْبَابِ﴾

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے عقل والو قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ اگر تم قصاص لے لو یعنی اگر قاتل کو قتل کر دیا جائے تو لاکھوں انسانوں کو زندگی مل جائے گی کیونکہ ملک سے قتل ختم ہو جائے گا۔ پس اگر تم بھی اپنے نفس کی مملکت میں بُری خواہشوں کو قتل کر دو تو تم کو ایک حیاتِ ایمانی، حیاتِ احسانی، حیاتِ دوستان، حیاتِ عاشقان، حیاتِ باصفا و حیاتِ با وفا اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ بہت دن نفس کے غلام رہ چکے اور اس غلامی کی ذلتوں، تکلیفوں اور بے چینیوں کو دیکھ چکے کہ یہ جہاں چاہتا ہے تمہاری روح کو لے جاتا ہے، جہاں چاہتا ہے عورتوں کو دیکھتا ہے، جو گناہ چاہتا ہے کرتا ہے اور روح بیچاری مغلوب و مظلوم ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے لومڑی شیر پر بیٹھی ہوئی ہنس رہی ہو تو یا تو یہ شیر نہیں ہے یا پھر شیر اس کے عشق

میں مبتلا ہے ورنہ بھلا لومڑی کی مجال تھی کہ شیر پر سوار ہوتی۔ یہ جسم (نفس) تو گھوڑا اور سواری ہے روح سوار ہے اور سواری کو سوار کے تابع ہونا چاہئے۔ سوار جدھر چاہے اس کا لگام پھیر دے لیکن اگر کسی شخص کو دیکھو کہ بے بس گھوڑے پر بیٹھا ہوا ہے، گھوڑا جدھر چاہتا ہے اس کو لے جاتا ہے تو یہ سوار نہیں ہے، گھوڑا اس پر سوار ہے۔ اسی طرح جس کا نفس اس سے جو گناہ چاہتا ہے کراتا ہے تو معلوم ہوا کہ روح سوار نہیں ہے نفس خود اس پر سوار ہو گیا ہے، روح سواری بن گئی ہے اور نفس دشمن کے قبضہ میں آگئی ہے لہذا مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس نفس دشمن کو مغلوب و محکوم کر کے روح کا غلام بناؤ، سواری کو سوار کے تابع کرو کہ یہ تمہارے اشاروں پر چلے، جہاں کہو کہ نظر جھکا لے تو یہ نظر جھکا لے، جو حکم اس کو دے دو یہ خلاف ورزی نہ کر سکے۔ جب روحانیت غالب ہو جائے گی تو نفس مغلوب ہو جائے گا، جب کہو گے کہ مسجد کی طرف چل تو مسجد کی طرف جائے گا اور اگر کبھی شرارت کرے کہ گناہ کرو، سینما کی طرف چلو تو لگام کھینچ کر اس کو روک لو۔ لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب روح میں طاقت ہو اور نفس کمزور ہو لہذا اس کو گناہوں کی حرام غذا نہ دو تو یہ کمزور ہو جائے گا ورنہ پوری زندگی گناہ کراتا رہے گا۔ بتائیے کہ مرنے کے بعد کیا نفس کوئی گناہ کر سکتا ہے؟ تو یہ شرافت نہیں ہے کہ جب تک گناہ کر سکتے تھے گناہ کرتے رہے اور جب مر گئے

تو متقی بن گئے۔ مرنے کے بعد کوئی متقی نہیں بن سکتا کیونکہ اب تو اختیار ہی ختم ہو گیا اور تقویٰ اس کا نام ہے کہ نفس میں گناہ کرنے کی طاقت ہو پھر گناہ نہ کر دے تو اب تم متقی ہو۔ بس جس دن اپنے نفس کو مار دیا تو اس دن تم خود جی اٹھو گے اور ایک عالم تم سے جی اٹھے گا لہذا اللہ کی محبت میں مرنے جینے کا ارادہ کر لو کہ گناہوں سے بچنے کی تکلیف سے اللہ پر مرتا رہوں گا اور عبادت کی لذتوں سے اللہ پر جیتا رہوں گا۔ یہ ہے اللہ پر مرنا اور جینا۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ جس وقت تم گناہوں سے بچنے کی تکلیف اٹھانے لگو گے، حرام خواہشوں پر عمل نہ کرو گے، جب آنکھوں کی مٹھاس مجھ پر فدا کرو گے تو میں تمہیں دل کی مٹھاس دوں گا اور میری مٹھاس غیر فانی، غیر محدود اور بے مثل ہوگی۔ اس کے برعکس دنیوی مٹھاس فانی بھی ہے اور محدود بھی، مشوش بھی ہے اور مکلف بھی، ایسی فانی مٹھاس پر کہاں حیات ضائع کرتے ہو۔

اس کے برعکس نفس میں طاقت آتی ہے اس کو گناہوں کی حرام غذا دینے سے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جس طرح بعض شکاری ہرن کا شکار کرنے نکلے ان کی نیت ہرن کے شکار کی تھی لیکن اتنے میں اچانک جھاڑی سے جنگلی سور نکلا اور شکاری کو منہ میں دبوچ کر مار ڈالا اسی طرح بعض لوگ اللہ کے راستے میں چلے ولی اللہ بننے کے لئے لیکن نفس و شیطان نے انہیں غیر اللہ میں مبتلا کر دیا، کسی حسین اور

نمکین شکلوں کے رنگ و روغن کے عشق میں مبتلا ہو گئے اور اللہ تک نہ پہنچ سکے۔ اس لئے سالک کو چاہئے کہ ہر وقت ہشیار رہے، حسینوں کو دیکھ کر کبھی خوش نہ ہو بلکہ دور سے پناہ مانگے کہ یا اللہ بچا۔ جہاں غیر اللہ آیا وہ دل اللہ کے قابل نہیں رہتا۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آجائے

حریم دل کا احمد اپنے ہر دم پاسباں رہنا

بعض بے وقوف لوگ جو اپنے زعم میں اللہ کے طالب ہیں لیکن حسین شکلوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں اور دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں یہ حرام خوشی محسوس کرنے والا انتہائی گدھا نمک حرام اور خبیث الطبع ہے اور کبھی اللہ تک نہیں پہنچ سکتا ۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ایں خیال است و محل است و جنوں

مولانا رومی فرماتے ہیں اللہ کو بھی چاہتے ہو اور دنیائے مردار کی حرام لذت بھی اڑانا چاہتے ہو۔ لہذا اللہ کو پانے کا تمہارا خیال محض جنوں اور پاگل پن ہے۔

جس کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق نصیب ہو جائے وہ تو حسین شکلوں کو دور سے دیکھ کر ہی کانپنے لگے گا اور راستہ بدل دے گا اور

کہے گا

﴿ اِنِّیْ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیِّدِیْنَ ﴾

میں تو اپنے رب کی طرف جاتا ہوں جو مجھے بہت جلد مل جائے گا۔ لیکن محروم القسمت، نفس کے تابع اور خبیث الطبع اسی راستہ کی طرف چلتے ہیں اور نفس ان کو دھوکہ دیتا ہے کہ دیکھیں گے نہیں۔ نفس کی چالیں بہت باریک ہوتی ہیں، یہ ایسا گراتا ہے کہ سالک کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے شیخ وہ ہونا چاہئے جو ماہر نفسیات بھی ہو، بالکل بھولا بھالا نہ ہو کہ اس کو پتہ ہی نہ ہو کہ کیا ہوتا ہے خصوصاً حسن و عشق کے تمام حالات کو خوب جانتا ہو لیکن متقی ہو سب کچھ جانتا ہو مگر بچتا ہو وہی ایسے مریضوں کا علاج کر سکتا ہے۔ یہ میں جو کچھ بتا رہا ہوں فرضی قصے نہیں ہیں مثلاً بہت سے لوگ جہاز میں کنارے والی سیٹ پر بیٹھتے ہیں تاکہ آتے جاتے ایر ہو سنس کے جسم سے کہنی لگ جائے (Touch) ہو جائے۔ نفس کی سازشیں بہت باریک ہوتی ہیں ان کو وہی سمجھ سکتا ہے جس پر اللہ کا فضل ہو۔ اس نفس کے اتنے مکر اور کید ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کی حفاظت فرمائیں وہی اپنے نفس کی مکاریوں کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی حسین کو دیکھ کر اپنی ٹوپی کو صحیح نہ کرو، داڑھی میں کنگھی نہ کرو، چشمہ ٹھیک کر کے نہ لگاؤ، بالوں کو نہ سلجھاؤ، چہرہ کا پسینہ نہ صاف کرو کہ یہ

سب نفس کے مکر ہیں اس طرح وہ آپ کو اس حسین کی نظروں میں منتخب یعنی (Selected) کرانا چاہتا ہے۔

اسی لئے اس شعر میں مولانا رومی نے فرمایا کہ نفس کو مغلوب کر دو اس کی بری خواہشات کو مار دو تو تمہاری روح غالب ہو جائے گی اور تم کو ایسی حیات ایمانی عطا ہوگی کہ ایک جہان تم سے زندہ ہوگا۔ لیکن نفس کے شر سے کون بچ سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا مَا رَجَمَ رَبِّي﴾

نفس سرکش اور امارہ بالسوء سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہو اور اللہ کی رحمت ملتی ہے اللہ والوں سے جن کے تذکرہ ہی سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں ان الرحمة تنزل عند ذکر الصالحین فضلاً عند وجودهم صالحین کے تذکروں سے رحمت نازل ہوتی ہے تو جہاں وہ خود ہوں گے وہاں کس قدر رحمت کا نزول ہوگا۔ اس لئے جو اللہ والوں کے سائے میں آجائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ نفس کے شر سے محفوظ رہے گا۔

نفس نتواں کشت الا ظل پیر

دامن آں نفس کش را سخت گیر

فرماتے ہیں کہ پیر کے سائے کے بغیر نفس نہیں مر سکتا لہذا اس نفس

کش یعنی اللہ والے کا دامن بہت مضبوطی سے پکڑ لو۔

آپ لوگوں کے آنے کی برکت محسوس ہو رہی ہے ورنہ میں بوجہ ضعف مثنوی نہیں پڑھاتا لیکن سوچا کہ اتنے بڑے بڑے علماء چھ سات ملکوں سے آئے ہوئے ہیں اور ان کی فرمائش بھی ہے درس مثنوی کی۔ اس سے یہاں رہنے والوں کا بھی بھلا ہو جائے گا۔ باہر سے آنے والے مہمانوں کی وجہ سے کھانا اچھا پکتا ہے تو گھر والے بھی اچھا کھا لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے مثنوی شروع کی۔ اس کا پورا مزہ جب آئے گا جب اس کو یاد کر کے سینوں میں رکھ لیں۔ علم در سینہ نہ کہ در سفینہ۔ علم اپنا وہی ہے جو سینہ میں ہو ورنہ کشتی میں کتابیں رکھی ہوں پڑھی بھی ہوں لیکن سینہ میں نہیں تو کس کام کی۔ جب سینہ میں نہیں ہے تو کس کو سناؤ گے۔ یہ بزرگوں کے اقوال ہیں۔ علم پر ایک اور بزرگ کا قول یاد آگیا جو میں نے اپنے شیخ سے بارہا سنا، آپ لوگ بھی یاد کر لیجئے کام آئے گا۔ شیخ فرماتے تھے یک من علم را ده من عقل باید یعنی ایک من علم کے لئے دس من عقل چاہئے اس علم کے استعمال کے لئے اور یہ عقل بدون صحبت و تربیت اہل اللہ نصیب نہیں ہوتی۔ دین کی سمجھ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس پر ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب کے ہاتھ پر حضرت کے بچپن کا ایک ساتھی جو حضرت کے ساتھ لائٹھی سیکھتا تھا بیعت ہو گیا۔ بیعت ہوتے ہی اس نے سوال کیا کہ حضرت میں درود لکھی، درود تاج،

دعائے تلخ العرش پڑھتا ہوں اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ۔
 احقر بھی موجود تھا اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب بھی موجود تھے ۔
 ہمارے دل میں خیال آیا کہ دیکھو حضرت کیا جواب دیتے ہیں ۔ اگر اس کو
 منع کرتے ہیں تو یہ ان پڑھ ہے فوراً الزام لگائے گا کہ آپ لوگ وہابی
 ہیں اور بھاگ جائے گا اور دین سے محروم ہو جائے گا اور اگر منع نہیں
 کرتے تو یہ بھی صحیح نہیں ۔ حضرت والا نے فرمایا کہ دعویٰ خاں یہ بتاؤ
 کہ ایک درود تو اُمت کے علماء کا بنایا ہوا ہو اور دوسرا درود خود آقا صلی اللہ
 علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہو تو ان میں کون سا بہتر ہوگا ۔ اس نے کہا آقا صلی
 اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کا درود ہو سکتا ہے ۔ حضرت نے فرمایا کہ
 نماز میں جو درود شریف پڑھتے ہو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو
 عطا فرمایا ہے لہذا جتنی دیر تم اُمت کے لوگوں کے بنائے ہوئے درود
 شریف پڑھتے ہو ان کے بجائے اتنی دیر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا
 عطا فرمودہ درود شریف پڑھ لیا کرو ۔ ہم لوگ حضرت کے اس جواب پر
 حیران رہ گئے کہ سانپ بھی مر گیا اور لائچی بھی نہیں ٹوٹی ۔

مجلس درس مثنوی

۲۱ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز دوشنبہ
بعد فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

عشق من پیدا و دلبر ناپدید
در دو عالم ایں چنینی دلبر کہ دید

ارشاد فرمایا کہ جب یہ شعر پڑھتا ہوں تو مجھے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آ جاتی ہے ۔ حضرت جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو اس شعر سے ان کا آغاز بندگی ہوتا تھا۔ استغی کے لئے لونا لئے جارہے ہیں اور یہ شعر پڑھتے جارہے ہیں ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہر وقت وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں ۔ آہ وہ پر کیف دن یاد آتے ہیں جب پھولپور کے جنگل میں جہاں کسی انسان کی آواز نہیں آتی تھی سوائے شیخ کے نعرہ ہائے عشق کے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ پھولپور میں دس برس تک مجھے اللہ نے شیخ کی خدمت کی توفیق دی ۔ جون کی گرمی میں جب قریب کے

تالاب کا پانی ختم ہو جاتا تھا تو سخت لو میں ایک میل دور ندی سے حضرت کے لئے پانی لاتا تھا اور حضرت کے کپڑے اختر ہی دھوتا تھا اور رات کو تین بجے اٹھ کر وضو کرانا بھی میرے ہی ذمہ تھا۔ کیا کہوں کیا لطف آتا تھا۔ رات کو اٹھنے کے بعد حضرت کی زبان پر یہی شعر ہوتا تھا ۔

عشق من پیدا و دلبر ناپدید

میرا عشق تو ظاہر ہے کہ میں رات کو اٹھ رہا ہوں، وضو کر رہا ہوں، نماز میں ہاتھ باندھے کھڑا ہوں یعنی بندوں کے اعمال عشق تو نظر آرہے ہیں، وضو، نماز، روزہ یہاں تک کہ عشاق اپنی گردنیں بھی جہاد میں کٹا رہے ہیں لیکن جن کے لئے یہ اعمال محبت کئے جا رہے ہیں وہ محبوب نظر نہیں آتا، وہ نگاہوں سے پوشیدہ ہے، اس پر ہم ایمان بالغیب رکھتے ہیں، بغیر دیکھے ان پر نیندیں قربان کرتے ہیں اور اپنی جانیں فدا کرتے ہیں ۔

در دو عالم ایں چینیں دلبر کہ دید

دونوں عالم میں ایسا محبوب کوئی دکھائے کہ وہ نظر نہ آئے اور بغیر دیکھے جس پر عشاق اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں، بغیر دیکھے جس کے لئے آدمی رات کو اٹھ کر سخت سردی میں وضو کر رہے ہیں اور بغیر دیکھے

جس کے سامنے سجدہ میں سر رکھ رہے ہیں۔ دونوں عالم میں ذرا کوئی ایسا محبوب دکھائے تو سوائے اللہ کے۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میں ان کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے
لا مجھ کو دکھا ان کی طرح کوئی اگر ہے

اس کا کوئی ہمسر، کوئی برابری کرنے والا نہیں، اس کی ذات وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ اور وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ ہے۔ دونوں عالم میں کون ایسا دلبر ہے کہ بغیر دیکھے جس پر ستر صحابہ نے اپنی جانیں قربان کر دیں اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا جنازہ پڑھایا تو ہر جنازہ بزبان حال اس شعر کا مصداق تھا۔

ان کے کوچہ سے لے چل جنازہ مرا
جان دی میں نے جن کی خوشی کے لئے
بے خودی چاہئے بندگی کے لئے

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کی جدائی کا کتنا غم ہوا ہوگا۔ اسلام ہم تک آسانی سے نہیں پہنچا، صحابہ نے اپنی گردنیں دی ہیں، اپنا خون شہادت بہایا اور ہم تک اسلام پہنچایا۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اسلام نام ہے اللہ سے عشق کا کہ عاشقانہ عبادت کرو۔ عشق کا صحیح استعمال اللہ پر فدا ہونا ہے۔ صحابہ خدا پر فدا ہو گئے اور

ہمارے ایمان کا آج یہ حال ہے کہ غض بصر کا حکم ہم کو بھاری معلوم ہوتا ہے۔ آہ انہوں نے جانیں دیں اور ہم اللہ کے لئے ایک نظر نہیں بچا سکتے، جانوروں کی طرح حسینوں کو دیکھتے رہتے ہیں اور ہم کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ مُردوں پر، مرنے والی لاشوں پر ہم اپنے ایمان کو ضائع کر رہے ہیں۔ جو لاشوں پر مرتا ہے وہ خود لاشی ہوتا ہے اگر یہ شئی ہوتا تو لاشی پر نہ مرتا۔ اس وقت بندہ نہایت حقیر و ذلیل ہوتا ہے جب وہ اپنے لمحاتِ حیات کو خالقِ حیات کی نافرمانی میں استعمال کرتا ہے، مرنے والی لاشوں کی خاطر اپنے مالک اور خالق کو ناراض کرتا ہے۔ غیر اللہ پر فدا ہونا بندے کا بندہ بننا ہے، فقیروں کا فقیر بننا ہے کتنا بڑا جرم ہے کہ بندے کا بندہ بن گئے جس کا حسن خود اس کے اختیار میں نہیں۔ اگر لقوہ ہو گیا، فالج گر گیا، پائیریا ہو گیا یا مر گیا تو پھر کہاں جاؤ گے دل کو بہلانے۔ احقر کے دو شعر ہیں جس میں میں نے میر کو مخاطب کیا ہے، عجیب بات ہے کہ میر ہی کا نام میرے شعروں میں فٹ ہوتا ہے۔

حسینوں کا جغرافیہ میر بدلا

کہاں جاؤ گے اپنی تاریخ لے کر

یہ عالم نہ ہوگا تو پھر کیا کرو گے

زحل مشتری اور مریخ لے کر

مومن کی شان کے خلاف ہے کہ اللہ کو بھول جائے حضرت

حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں ایک بچہ تھا اس کو لڈو سے عشق تھا۔ کسی نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے کہا عبدالرحمن لڈو اور ابا کا نام؟ محمود خان لڈو۔ کہاں جا رہے ہو دادا ابا کے لڈو۔ ہر بات میں لڈو کہنا اس کے لئے لازم تھا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مسلمان کی بھی یہی شان ہے کہ ہر وقت مولیٰ کو یاد کرے۔ کوئی نعمت ملی تو کہا الحمد للہ، کوئی تعجب کی بات دیکھی تو کہا سبحان اللہ، کوئی بُری چیز نظر آئی تو اللہ اکبر، کوئی غم آیا تو انا للہ۔

ان سے ملنے کو بہانہ چاہئے

شریعت تو ہمیں سراپا عشق بناتی ہے اللہ پر فدا ہونا سکھاتی ہے کہ ہر وقت اپنے مالک کو یاد رکھو۔

لہذا مولانا رومی فرماتے ہیں کہ دونوں عالم میں جب اللہ تعالیٰ کی ذات لا مثل لہ ہے، کوئی اس کا ہمسر نہیں، اس جیسا کوئی محبوب نہیں تو ان کو چھوڑ کر فانی حسینوں پر جان دینا انتہائی ظلم اور گدھا پن ہے جس پر اگر خون کے آنسو بہا کر تلافی کرو گے تو حق ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ جن پر زندگی ضائع کی یہ ایسے عاجز اور بے خبر ہیں کہ ان کو اپنے عشاق کے آنسوؤں کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ کوئی ان کے لئے رو رہا ہے۔ میرا شعر ہے۔

صلہ عشق مجازی کا یہ کیسا ہے ارے تو بہ

کہ عاشق روتے رہتے ہیں صنم خود سوتا رہتا ہے

اور ایک ہمارا اللہ ہے کہ اگر رات کی تنہائی میں ایک قطرہ آنسو ان کی یاد میں گر گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہوتے ہیں۔ اس لئے محبت کے قابل صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کی عقلی دلیل یہی ہے کہ محبوب ایسا ہونا چاہئے جس کا کوئی مثل اور برابری کرنے والا نہ ہو اور جو ہر وقت ہمارے پاس ہو۔ دنیا کا کوئی محبوب ایسا نہیں ہو سکتا جو ہر وقت ہمارے پاس رہے کیونکہ کبھی اس کو نیند آئے گی یا آپ کو نیند آئے گی تو وہ آپ سے بے خبر ہو گیا اور آپ اس سے بے خبر ہو گئے اور اس طرح سے فراق ہو گیا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ فرماتے ہیں :

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾

تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے ، تم نیند میں اس سے بے خبر ہو سکتے ہو لیکن اللہ تم سے بے خبر نہیں ہوتا وہ اس وقت بھی تمہیں دیکھتا ہے ، تمہاری نگہبانی کرتا ہے ، تمہارے پاس ہوتا ہے اور وہ ایسا محبوب ہے جس کے حسن و جمال میں کبھی زوال نہ ہو اور دنیا کے حسینوں کے جغرافیے بدل جاتے ہیں کُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ اللہ تعالیٰ کی ہر وقت ایک نئی شان ہے اور محبت کے قابل وہی ہو سکتا ہے جو اپنے عاشق کو سنبھال سکے اور محبوبان مجذبی تو خود اپنے کو نہیں سنبھال سکتے ، اپنے کالے بالوں کو سفید ہونے سے نہیں روک سکتے وہ اپنے عشاق کو کیا سنبھالیں گے۔ اس لئے عقلاً و نقلاً محبت کے قابل صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے ۔

مجلس درس مثنوی

۲۳ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز

بدھ بعد فجر خانقاہ المدنیہ اشرفیہ گلشن اقبال ۲ کراچی

ارشاد فرمایا کہ نفس کا مزاج اپنی فطرت کے
 حساب سے فرعونیت ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

نفس فرعون است ہیں سیرش مکن
 تانہ یادش آید آں کفر کہن

نفس اپنے امارہ بالسوء ہونے کی وجہ سے فرعون خصلت ہے لہذا اس
 کو زیادہ سیر مت کرو۔ یہ دو خوراک سے موٹا ہو جاتا ہے۔ ایک تو اس
 کو غذا بہت زیادہ مت دو۔ اتنا زیادہ گھوڑے کو کھانا کہ جس سے سوار
 کو گرا دے نادانی ہے۔ بس اتنا کھاؤ کہ وہ قابو میں رہے۔ نفس کو اتنا
 زیادہ مت کھاؤ پلاؤ کہ جس سے تم اس پر کنٹرول اور قابو نہ کر سکو اور
 دوسری خوراک اس کو گناہ سے ملتی ہے۔ جسمانی غذا سے اس کو اتنا مزہ
 نہیں آتا جتنا کہ گناہ سے آتا ہے اور ہر گناہ کے بعد اس کی طاقت گناہ
 کے مزاج میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ شیطان تو یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ

جی بھر کے خوب گناہ کر لو پھر ہمیشہ کے لئے متقی بن جاؤ۔ گناہوں سے پیٹ بھر جائے گا مگر نفس کا پیٹ گناہوں سے نہیں بھرتا، گناہ کے تقاضوں میں اور شدت آجاتی ہے کیونکہ گناہ نفس کی غذا ہے۔ اپنی غذا پا کر یہ اور ٹکڑا ہو جاتا ہے اس لئے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ نفس کو سیر مت کرو ورنہ اس کو اپنا پرانا پاپ یاد آنے لگے گا جس طرح فرعون کو اپنا پرانا کفر یاد آگیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت اسلام دی تو اس کا قفل کفر ٹوٹنے لگا اور وہ کچھ اسلام کی طرف مائل ہوا لیکن کبخت نے اپنے وزیر ہامان بے ایمان سے مشورہ کیا تو ہامان نے اپنا سر پیٹ لیا اور مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس بے ایمان نے فرعون سے کہا کہ اگر تم اسلام لاتے ہو تو پہلے مجھے قتل کر دو کیونکہ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ آسمان زمین ہو جائے اور خدا بندہ ہو جائے۔ ہامان نے فرعون کے نفس کو حب جاہ کی غذا دی جس سے فرعون کا نفس پھول کر کپا ہو گیا اور وہ پہلے ہی طغیان و سرکشی و تکبر میں مبتلا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اسلام سے اس کے نفس کی گرفت کچھ ڈھیلی ہوئی تھی کہ حب جاہ کی غذا ملتے ہی اس کا نفس پھر شیر ہو گیا اور پھر اس کو اپنا پرانا کفر یاد آگیا جس نے اس کو برباد کر دیا۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں کہ نفس فرعون ہے اس کو گناہوں کی غذا سے سیر مت کرو۔ فرعون کو جاہ نے مار دیا اگر تم نے حسینوں کو دیکھا تو نفس کو جاہ کی غذا مل جائے گی اور گناہوں میں مبتلا ہو کر ہلاک

ہو جاؤ گے کیونکہ نفس گناہوں سے سیر نہیں ہوتا۔ اس لئے جب اللہ
 سبحانہ و تعالیٰ قیامت کے دن جہنم سے فرمائیں گے کہ کیا تیرا پیٹ بھر
 گیا ہَلِ امْتَلَبْتَ تو جہنم کہے گی کہ هَلْ مِنْ مَزِيدِ اللہ میاں ابھی تو پیٹ
 نہیں بھرا مجھے اور مال چاہئے تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 کہ جو مزاج جہنم کا ہے وہی نفس کا ہے۔ گناہ سبب ہے جہنم کا اور
 سبب اور مسبب کا مزاج ایک ہوتا ہے۔ لہذا جیسے جہنم کا پیٹ گنہگاروں
 سے نہیں بھرا تو نفس کا پیٹ بھی گناہوں سے نہیں بھرتا۔ نفس ایک
 لاکھ گناہ کر کے بھی کہے گا هَلْ مِنْ مَزِيدِ اور لاؤ یہاں تک کہ ساری
 دنیا کے حسینوں کو اگر کوئی دکھا دے اور صرف ایک حسین باقی رہ جائے
 تو حکیم الامت کا ارشاد ہے کہ بد نظری کرنے والے کے کان میں اتنا
 کہہ دو کہ ساری دنیا کے حسین میں نے تم کو دکھا دیئے، بس ایک باقی
 ہے تو نفس کہے گا وہ بھی دکھا دو۔ یہ ہے نفس کا مزاج۔ اس کا علاج
 وہی ہوگا جو جہنم کا ہوگا، جو ہیڈ آفس کا علاج ہوتا ہے وہی برانچ کا
 ہوتا ہے، مرکز کا علاج اور شاخوں کا علاج ایک ہوتا ہے۔ تو جب جہنم
 کہے گی هَلْ مِنْ مَزِيدِ کہ اے اللہ میرا پیٹ نہیں بھرا اور گنہگار سب ختم
 ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کسی بے گناہ مخلوق کو جہنم میں تھوڑی ڈالیں گے بلکہ
 اپنا قدم رکھ دیں گے فَبَصَّعُ قَدَمَهُ۔ جب اللہ اپنا قدم رکھے گا تو جہنم
 کہے گی قط قط وفی رواية قط قط بس بس اللہ پیٹ بھر گیا۔
 علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ اللہ تو جسم سے

پاک ہے وہ قدم کیسے رکھیں گے تو فرماتے ہیں کہ قدم سے مراد اللہ کی خاص تجلی ہے، خاص نور ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں گناہوں کے تقاضوں کی آگ کا علاج گناہوں کا ارتکاب نہیں ہے، نارِ شہوت کا علاج شہوت کو پورا کرنا نہیں ہے، گناہ کرنے کے خبیث ذوق کا علاج گناہ کرتے رہنا نہیں ہے۔ یاد رکھو کتنے لوگ گناہ کرتے کرتے مر گئے لیکن گناہ کا تقاضا ختم نہیں ہوا اور اسی نافرمانی کی حالت میں بُری موت مرے۔ لہذا گناہوں سے بچنے کا علاج صرف اللہ سے تعلق ہے کہ اللہ کے نور اور تجلی کو دل میں لاؤ لہذا اللہ کا ذکر کرو، اللہ والوں کے پاس رہو، جب قلب میں نور آئے گا تو نفس کا پیٹ بھر جائے گا پھر گناہ کرنے کو دل ہی نہ چاہے گا اور اگر چاہے گا بھی تو لگام کی بہت معمولی اور ہلکی سی جنبش سے نفس کا مہذب گھوڑا رک جائے گا۔ بس دل میں جب اللہ کا نور آئے گا تب شہوت کی آگ بجھے گی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

نارِ شہوت چہ کشد نورِ خدا

مثنوی کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ہے تو مولانا رومی کی کرامت دیکھئے۔ اتنی چھوٹی سی بحر میں سوال بھی ہے اور جواب بھی۔ سوال کیا ہے؟ نارِ شہوت چہ کشد؟ یہ سوال ہے فاعلاتن فاعلاتن میں کہ نارِ شہوت کو کیا چیز بجھا سکتی ہے؟ ابھی مصرعہ پورا نہیں ہوا فاعلن کی

جگہ باقی ہے۔ اب مولانا رومی کی کرامت دیکھئے کہ فاعلن کی جو جگہ تھی اسی میں جواب دے دیا نور خدا۔ یعنی اللہ کا نور جب دل میں آئے گا تو تمہارے گناہوں کے تقاضے ایک دم بجھ جائیں گے کیونکہ نور کا مزاج ٹھنڈا ہوتا ہے اور نار میں تکبر اور اکڑ ہوتی ہے۔ نار کا الف ہمیشہ کھڑا رہتا ہے اور نور میں واؤ لگنے سے وہ جھکا رہتا ہے۔ جس کے قلب میں نور آئے گا وہ واؤ بن جائے گا، اس میں تواضع کی شان پیدا ہو جائے گی جیسے کہ پھل دار شاخ جھک جاتی ہے۔

نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

اور جس شاخ میں پھل نہیں ہوتا اکڑی رہتی ہے تو جس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہوتی ایسے محروم دل تکبر میں مبتلا رہتے ہیں اور جن کے قلب کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا پھل عطا کرتا ہے ان میں تواضع آ جاتی ہے۔ اور جب دل میں اللہ کا نور آئے گا تو ایک دم جنت محسوس کر دو گے، جب خالق جنت کو پا جاؤ گے تو جنت کیا چیز ہے اس کے سامنے۔ میرا شعر ہے۔

مانا کہ میر گلشن جنت تو دور ہے

عارف ہے دل میں خالق جنت لئے ہوئے

اگر چہ ابھی جنت ادھار ہے لیکن اللہ والے خالق جنت کو نقد

پا جاتے ہیں جس کو ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٌ﴾

جو اپنے اللہ سے ڈرے ان کو دو جنت اللہ دے گا۔ اس آیت کی تفسیر بعض صوفیاء نے یہ کی ہے کہ جنة فی الدنيا بالحضور مع المولیٰ دنیا کی جنت یہ ہے کہ ان کے قلب کو اللہ تعالیٰ کا قرب ہر وقت مست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کج صفت اپنی تجلیات خاصہ سے ان کے قلب میں متجلی رہتا ہے۔ وہ معیت خاصہ سے مشرف رہتے ہیں، خواجہ صاحب کا شعر ہے ۔

پھرتا ہوں دل میں یاد کو مہماں کئے ہوئے

روئے زمیں کو کو چہ جاناں کئے ہوئے

اور دوسری جنت کیا ہے جنة فی العقبیٰ بلقاء المولیٰ اور دوسری جنت آخرت میں ملے گی جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص حضوری اللہ والوں کو دنیا ہی میں نصیب رہتی ہے جس کی وجہ سے دونوں جہان سے زیادہ مزے میں رہتے ہیں سوائے دیدار الہی کے جو آخرت میں نصیب ہوگا جس کا دونوں جہان میں کوئی مثل نہیں لیکن اس نعمت دیدار الہی کے علاوہ دونوں جہان کی نعمتوں سے زیادہ لذت اللہ والے دنیا ہی میں پا جاتے ہیں۔ اختر کا شعر ہے جو آپ سے خطاب کر رہا ہے ۔

وہ شاہ دو جہاں جس دل میں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

اور دلیل کیا ہے؟ دونوں جہان کی لذت کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے تو خالق لذات دو جہان جس دل میں اپنی تجلیات خاصہ سے متجلی ہوگا اس کے دل کے عالم کا کیا عالم ہوگا سارا عالم اس کو نہیں سمجھ سکتا، مدرسوں میں دین کی مٹھائیوں کی فہرست پڑھنے والے بھی نہیں سمجھ سکتے اگرچہ وہ اول نمبر پاس بھی ہو جائیں فہرست کا امتحان دینے میں۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ آپ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کیوں گئے مرید ہونے جب کہ آپ بخاری شریف پڑھا رہے ہیں، سرفقہ، بخارا اور تاشقند سے طلبا پڑھنے آرہے ہیں، سارے عالم میں آپ کا ڈنکا پٹا ہوا ہے اور حاجی صاحب تو عالم بھی نہیں ہیں تو فرمایا کہ دین کی مٹھائیوں کی جو فہرست میں نے مدرسے میں پڑھی تھی وہ مٹھائیاں مجھے حاجی صاحب کے ہاں کھانے کو مل گئیں۔ فرمایا کہ حاجی صاحب سب مٹھائیاں کھاتے تھے اگرچہ نام معلوم نہیں تھا اور ہم لوگوں کو نام معلوم ہے مسمی ہمارے پاس نہیں ہے۔ ایک گلاب جامن گلاب جامن رٹ رہا ہے اور اول نمبر پاس ہو گیا اس کے اجزا بتا کر مگر منہ میں گلاب جامن نہیں ہے تو اسم کے رٹنے سے مسمی کا ملنا لازم نہیں ہے۔ مسمی ان سے ملتا ہے جو مسمی والے ہیں، جو صاحب نسبت ہیں جو اللہ والے

ہیں۔ میرے شیخ فرماتے تھے مٹھائی ملتی ہے مٹھائی والے سے کپڑا ملتا ہے کپڑے والے سے امرود ملتا ہے امرود والوں سے آم ملتا ہے آم والوں سے اور کباب ملتا ہے کباب والوں سے تو اللہ ملتا ہے اللہ والوں سے۔ ابھی تو مولانا کے ایک ہی مصرع کی شرح ہوئی۔ پورا شعر یہ

ہے۔

نار شہوت چہ کشد نور خدا

نور ابراہیم را ساز اوستا

سینما، وی سی آر، اور ٹیڈیوں کو دیکھنے سے تمہارے قلب کو سکون نہیں ملے گا، گناہ کرنے سے شہوت کی آگ نہیں بجھے گی۔ گناہ سے بچنے سے، اللہ کے ذکر سے، اللہ والوں کی صحبت سے جب دل میں نور آئے گا تو وہ تمہاری نار شہوت کو ٹھنڈا کر دے گا اور آگے کے مصرع میں اس دعویٰ کی دلیل بھی ہے۔

نور ابراہیم را ساز اوستا

فرماتے ہیں اے میرے استاد دیکھئے یہاں مولانا نے ہم سب کو استاذ کہا اور تعلیم دے دی کہ استاد میں ایسی شفقت ہونی چاہئے کہ کبھی دلجوئی کے لئے شاگردوں کو بھی استاذ کہدے۔ اگر باپ بیٹے سے کہدے کہ بابا میری بات مان لے تو بیٹے کو مارے شرم کے ڈوب جانا

چاہئے اور ایسے باپ پر فدا ہو جانا چاہئے۔ تو آہ مولانا رومی فرما رہے ہیں کہ اے استادو! دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام والا نور حاصل کرو کہ ان کے نور کی وجہ سے نمرود کی آگ بجھ گئی تھی۔ تمہارا نفس بھی نمرود سے کم نہیں ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا نور دل میں لاؤ پھر ان شاء اللہ تمہارے نفس کی آگ بھی بجھ جائے گی اور تمہیں اتنی ٹھنڈک ملے گی کہ جو تمہارے پاس بیٹھے گا وہ بھی ٹھنڈک پا جائے گا۔ بُری بُری خواہشات سے جو گرم رہتے ہیں وہ بھی آکر اللہ والوں کے پاس ٹھنڈک پا جاتے ہیں۔

لحن مرغاں را اگر واقف شوی بر ضمیر مرغ کے عارف شوی

اِنْ شَاءَ اللّٰہ فرمایا کہ اس شعر میں مولانا الفاظ کے چوروں کو فرما رہے ہیں جو اللہ والوں کے الفاظ پُرا کر اپنی پیری چکاتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ دیکھو میں کتنا بڑا عارف ہوں اور مجھے کتنے ملفوظات یاد ہیں اور اس کے ذریعہ سے دنیا اینٹھ رہا ہے اور اس کو کوئی حق نہیں برتری کا کیونکہ خالی نام رُئے سے اللہ نہیں ملتا، اس کے پاس اسم ہے لیکن مسمیٰ سے دور ہے۔ ایسے ہی اس جامع الملفوظات کا حال ہے، جو شیخ کے پاس ہر وقت رہتا ہے، ملفوظ نوٹ کرتا ہے وہ گویا مٹھائیوں کے نام نوٹ کر رہا ہے جب عمل اور تقویٰ

اختیار کرے گا، اللہ کے راستے میں غم اٹھائے گا تب اللہ کو پائے گا۔ یاد رکھو کسی کا ساتھ رہنا دلیل نہیں ہے کہ یہ شخص ولی اللہ بھی ہو گیا اور اپنے شیخ کے الفاظ نقل کرنے سے بھی ولایت ثابت نہیں ہوتی۔ ولایت کا مدار تقویٰ پر ہے۔ جو شخص تقویٰ اختیار نہیں کرتا، حرام لذت جس قلب میں درآمد ہوگی وہ قلب تجلیات الہیہ سے متجلی نہیں ہو سکتا۔ فسق اور ولایت جمع نہیں ہو سکتیں۔ جو متقی نہیں ہوتا اسے ولی نہیں کہتے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں دیکھو شیخ کے الفاظ نوٹ کرنے سے یا پڑھنے سے یا نقل کرنے سے ثابت نہیں ہوتا کہ تم صاحب نسبت بھی ہو۔ اب دلیل کیسی پیش کرتے ہیں۔

لحن مرغاں را اگر واقف شوی

اگر تم نے مرغان چمن اور پرندوں کی آواز کی نقل بھی کر لی۔

بر ضمیر مرغ کے عارف شوی

لیکن اس مرغ کے دل میں جو مضمون ہے اس کی معرفت تم کو کہاں سے حاصل ہوگی؟ مرغ کے ضمیر اور اس کے قلب میں جو مفہوم ہے اس کو تم نہیں سمجھ سکتے۔

گر بیا موزی صغیر بلبلے

تو چہ دانی کو چہ گوید با گلے

اگر بلبل کی سیٹی اور آواز تم نے مشق بھی کر لی اور ویسی ہی سیٹی مارنے لگے جیسے بلبل کی ہوتی ہے لیکن تمہیں کیا پتہ کہ بلبل پھول سے کیا گفتگو کر رہا ہے؟ پس جو لوگ اہل اللہ کے ظاہری الفاظ نقل کر کے لوگوں پر اپنی بزرگی کا رعب جہاتے ہیں لیکن کسی اللہ والے سے تعلق کر کے راہ سلوک طے نہیں کرتے ان کو کیا معلوم کہ اہل اللہ کے باطن کو کیا نعمت حاصل ہوتی ہے۔ محض نقل الفاظ سے ان کے ضمیر اور قلبی احوال و مقامات کی ان کو خبر نہیں ہو سکتی۔ اللہ والوں کی جانوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ربطِ خفی اور اتصالِ خاص ہے اس کو غیر عارف کیا جان سکتا ہے۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

پس الفاظِ اہل اللہ کی زبان پر ہوتے ہیں لیکن معانیِ دل میں ہوتے ہیں لہذا جو جعلی پیر اور نقلی درویش اولیاء اللہ کے اقوال و ملفوظات نقل کر کے دنیا بٹورنے کے لئے اپنی مجالس گرم کرتے ہیں وہ ان معانی کو کہاں سے لائیں گے جو اللہ والوں کے دلوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی اپنے محبوب دوست سے بات کر رہا ہو تو الفاظ اس محبت کے ترجمان ہیں لیکن جو محبت اس کے دل میں ہے اس کا ادراک وہ شخص نہیں کر سکتا جس کے دل میں محبت نہ اور ان الفاظ

کو رٹ لے اس کی زبان پر تو الفاظ ہوں گے لیکن دل میں محبت کی وہ کیفیت نہ ہوگی جو ایک محب اپنے دوست کے لئے رکھتا ہے۔ لہذا دنیا دار، کمینے اور نقلی فقیروں کی طرح اہل اللہ کے حروف و الفاظ چرا کر مخلوق کو اپنا گرویدہ نہ بناؤ بلکہ اولیاء اللہ کی صحبت میں جا کر دل میں وہ محبت حاصل کرو جو ان اولیاء کے دلوں میں ہے پھر الفاظ زبان پر ہوں گے اور معافی دل میں ہوں گے جس کی دوسروں کو خبر بھی نہ ہوگی لیکن ان الفاظ میں ایسا نور ہوگا کہ دوسرے بھی اللہ والے ہو جائیں گے۔ مولانا رومی اللہ والوں کی شان میں فرماتے ہیں ۔

شیخ نورانی زرہ آگہ کند
نور را با لفظہا ہمرہ کند

اللہ والے صاحب نور ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقش قدم کی اتباع کی برکت سے ان کا دل نورانی ہو جاتا ہے لہذا وہ اپنے ارشاد سے راہ سنت سے باخبر بھی کرتے ہیں اور اپنے نور باطن کو اپنے الفاظ کے ہمراہ کر دیتے ہیں جس کی برکت سے دوسروں کو بھی ہدایت ہوتی ہے اور اللہ کا راستہ نہ صرف آسان بلکہ لذیذ ہو جاتا ہے۔



مجلس درس مثنوی

۲۳ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز جمعرات بعد فجر
بر مقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد

انچہ در و ہمت نیاید آل دہد

ارشد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے میرے پیارے سالکین اللہ کے راستہ میں گناہ چھوڑنے میں، تقویٰ سے رہنے میں، حسینوں سے نظر بچانے میں، خون تمنا کرنے میں، ہر وقت جائز ناجائز کا غم اٹھانے میں بے شک آدمی جان جاتی ہے، اس مجاہدہ میں اللہ تمہاری زیادہ سے زیادہ آدمی جان لے گا اور اس سے جو غم حسرت پیدا ہوگا تو نفس کہے گا کہ میں تو نظر بچاتے بچاتے مر گیا لیکن یاد رکھو اللہ اس آدمی جان کے بدلہ میں سو جان عطا فرمائے گا۔ ایک گل کے بدلہ میں وہ خالق گلستان کائنات اپنے قرب کا گلستان دیتا ہے آدمی جان لے کر سو جان دیتا ہے اور اپنے قرب کی ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا جس کو تم اپنے دائرۂ وہم و گمان میں بھی نہیں لا سکتے۔

ان نعمتوں اور ان لذتوں اور اس عیش و عشرت کو تم سوچ بھی نہیں سکتے جو ایک زخم حسرت کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو عطا فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے اور آدمی وہی سوچ سکتا ہے جس کا کوئی مثل ہو۔ جب اس کا کوئی مثل نہیں تو کوئی اس لذت قرب اور حلاوت ایمانی کو اپنے دائرہ وہم و گمان اور دائرہ عقل و فکر میں نہیں لاسکتا جب تک اللہ تعالیٰ عطا نہ فرمائیں اللہم ارزقنا منہ اور اللہ رحمن و رحیم ہے۔ اگر آپ کے راستہ میں کوئی غم اٹھائے تو کیا آپ اس پر مہربانی نہیں کریں گے؟ اللہ کے راستہ میں جو بندے غم اٹھائیں اور اپنی بُری خواہش نہ پوری کریں تو کیا اللہ تعالیٰ ان کے قلب کا پیار نہیں لے گا؟ یقیناً اللہ کا پیار اس کو نصیب ہوگا مگر اللہ دل کا پیار لیتا ہے جسم پر اس کے آثار نظر نہیں آتے اگر یہ جسم پر نظر آجاتے تو پرچہ آوٹ ہو جاتا اور پھر دنیا میں کوئی کافر نہ رہتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کے قلب کو اپنا پیار عطا کرتے ہیں جس کو ان کا دل محسوس کرتا ہے کہ اس وقت کتنی حلاوت ایمانی عطا ہوئی۔

مولانا رومی نے اس شعر میں سلوک کا بہت بڑا مسئلہ اور ایک بہت بڑا انعام بیان فرمایا ہے کہ اللہ کے راستہ میں تقویٰ اختیار کرنے میں یعنی گناہ چھوڑنے کا غم اٹھانے میں اپنی حرام آرزوؤں کا خون کرنے میں اگرچہ مجاہدہ شدید ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ولایت اور حلاوت ایمانی اسی پر موقوف ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی رات بھر

تہجد پڑھے اور دن بھر روزہ رکھے اور ہر سال حج و عمرہ کرے لیکن اگر عورتوں سے اور لڑکوں سے نظر نہیں بچاتا، گناہوں سے نہیں بچتا تو باوجود عبادت کے یہ شخص فاسق ہی رہے گا، فاسقین کے رجسٹر سے اس کا خروج نہیں ہوگا۔ اور ایک شخص صرف فرض، واجب اور سنت موکدہ ادا کرتا ہے مگر ایک لمحہ اللہ کو ناراض نہیں کرتا، ایک سانس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے کو مشغول نہیں ہونے دیتا، جان کی بازی لگائے رہتا ہے، نفس دشمن کو لاکارتا رہتا ہے کہ اگر گناہ چھوڑنے سے میری جان بھی چلی جائے گی تو میں موت کو قبول کر لوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کروں گا، یہ شخص ولی اللہ ہے اور جو شخص جیتے جی گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں لیکن ایک دن مرنے کے بعد یہی خبیث سب گناہ چھوڑے گا لیکن اب اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا کیونکہ اب یہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ بتاؤ مرنے کے بعد کوئی جنازہ کسی عورت کو یا لڑکے کو دیکھ سکتا ہے؟ اگر کوئی وصیت بھی کر دے کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے مسجد میں یا کعبہ شریف میں رکھ دینا اب میں تا قیامت اللہ پر فدا رہوں گا تو بتائیے اس وصیت سے اس کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟ زندگی بھر تو نافرمانی نہ چھوڑی، بد نظری اور گندے کام کرتے رہے جب لاشی ہو گئے تو اب کیا فدا کرو گے۔ لاش کے معنی ہیں لاشی، اب تم ہو ہی نہیں، عدم ہو۔ وجود فدا ہوتا ہے عدم نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ زندگی ان پر فدا کر دو، مردہ جسم ان پر فدا نہیں ہو سکتا

اور کوئی وصیت بھی کر دے تو مرے ہوئے جسم کو اللہ قبول نہیں کریں گے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ جیتے جی اللہ پر فدا ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ زندگی ان پر فدا کر دو لہذا جتنی اچھی طاقت ہو اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب ملے گا اور خاص طور پر جوانی کو فدا کرنے پر اللہ زیادہ خوش ہو جائے گا کہ یہ جوانی اور طاقت کے باوجود ہم پر فدا ہوا ہے۔ ایک کمزور بڈھا بکرا ہو جس کے پیر کانپ رہے ہوں تو بتاؤ اس کی قربانی کیسی ہوگی پوچھ لو علماء سے۔ جس کی جتنی طاقت ہے اللہ پر فدا ہو جائے ورنہ زیادہ کمزور ہو جاؤ گے تو تمہاری قربانی بھی کمزور ہو جائے گی اور روز بروز ہم لوگ کمزوری کی طرف جارہے ہیں، روز بروز ہم بڈھے ہوتے جارہے ہیں لہذا کمزور جان فدا کرنے کا انتظار مت کرو نگڑی جان اللہ پر دے دو جس حالت میں ہو دیر نہ کرو اور اس میں خواہ کتنا ہی غم ہو اس کو برداشت کرو۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ اس مجاہدہ میں اللہ آدمی جان لیتا ہے لیکن اس کے بدلہ میں وہ کریم مالک سینکڑوں جان عطا کرتا ہے اپنے قرب کی ایسی لذت عطا کرتا ہے جس کو ابھی تم سوچ بھی نہیں سکتے۔

اس کے برعکس جو شخص مجاہدہ سے جان چراتا ہے اللہ کی نافرمانی پر جبری ہوتا ہے جتنا فتنہ کر دیا جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں ۔

از شراب قہر چوں مستی دہد
نیست ہارا صورت ہستی دہد

اللہ تعالیٰ جس پر اس کے طغیان اور سرکشی کے سبب عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے قبر کی شراب پلا دیتا ہے۔ جس کو خدا قبر و عذاب کے شراب کی مستی دیتا ہے تو وہ فانی معشوقوں پر مرتا ہے۔ کہتا ہے ہائے کیسا نمک ہے، کیسا چمک دار چہرہ ہے، ناک اٹھی ہوئی ہے، پتلے پتلے ہونٹ مثل گلاب کی پگھڑی کے ہیں، آنکھیں تو ایسی ہیں کہ ان کو دیکھ کر ہرن کی آنکھیں بھی شرما جائیں، یہ بدمستیاں دلیل ہیں کہ یہ شخص خدائے تعالیٰ کے قبر میں مبتلا ہے۔ میرا شعر ہے ۔

حسن فانی سے ترا آہ یہ شاداں ہونا

یہی دلیل ہے ظالم ترا ناداں ہونا

یہ دلیل قبر ہے۔ آہ یہ مولانا روم ہیں، بہت بڑی شخصیت تھے، یہ شخص سلطان الاولیاء ہے اپنے زمانہ کا۔ فرماتے ہیں کہ جس کو خدا اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتا ہے اسے فانی شکلوں کے عشق میں مبتلا کر دیا جاتا ہے ۔

نہیت ہا را صورت ہستی دہد

پھر وہ فانی شکلوں پر مرتا ہے کہ آہا کیسی شکل ہے۔ فانی صورتیں اسے عظیم الشان اور پابندہ حقیقت نظر آنے لگتی ہیں، باطل حق نظر آنے لگتا ہے۔ اس تغلیب البصار سے حدیث پاک میں پناہ مانگی گئی ہے اور یہ دعا سکھائی گئی اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرْزُقْنَا تَبَاعَهُ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا

وَأَرْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ اے اللہ ہمیں حق کا حق ہونا دکھا دیجئے اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرمائیے اور باطل کا باطل ہونا دکھا دیجئے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

بس اللہ والے اس قبر سے محفوظ کئے جاتے ہیں لہذا حسینوں کے فرسٹ فلور پر نظر پڑتے ہی نظریں نیچی کر لیتے ہیں کیونکہ حسین جسموں کے گراؤنڈ فلور کی گندگی ان کو مستحضر رہتی ہے کہ اندر سب پیشاب پاخانہ بھرا ہے اور اوپر چاندی کا ورق ہے۔ اللہ کی نافرمانی پیشاب پاخانہ سے بھی بدتر چیز ہے۔ تو جب کسی فانی حسین شکل پر نظر پڑتے ہی دل میں مستی آئے تو فوراً نظر ہٹالو اور اس مستی سے پناہ مانگو کہ یہ عذاب کی مستی ہے۔ یہ وہی مستی ہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾

اور وہ (قوم لوط والے) اپنے نش میں مست ہو رہے تھے

مولانا کا یہ کیا پیارا شعر ہے جس کی شرح بھی کیسی پیاری مولانا کی برکت سے عطا ہو رہی ہے۔ فانی صورتوں کا عشق عذاب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شکل پر مر رہے تھے، پاگل ہو رہے تھے اس کے بعد جب وہی شکل بگڑ گئی دازھی آگئی اور مونچھیں بھی ایسی بڑی بڑی آگئیں کہ ہونٹ ہی چھپ گئے تو اس وقت کیوں اس شکل سے گدھے کی طرح بھاگتے ہو

﴿حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾

اس خاکہ کو میں نے اپنی رباعی میں پیش کیا ہے ۔

مونچھوں کے زیر سایہ لب یار چھپ گئے
 داڑھی کے زیر سایہ وہ رخسار چھپ گئے
 بالوں کی سفیدی میں زلفِ یار چھپ گئے
 جتنے تھے یارِ حسن وہ سب یار چھپ گئے

اس رباعی کو میں نے جامعہ اشرفیہ لاہور کے تحت پر پڑھا تھا۔ بڑے بڑے علماء تھے الحمد للہ سارے علماء مست ہو گئے اور کہنے لگے کہ عجیب اصلاحی شعر ہے۔ تو معشوق کی اس حالت کو دیکھ کر عاشق کی ساری مستی نکل گئی۔ اس لئے شکلوں پر مرنے والے بین الاقوامی گدھے ہیں۔ واللہ کہتا ہوں اس سے بڑھ کر کوئی خبیث نہیں جو چند دن کے حسن فانی پر اپنے کریم مولیٰ اور اپنے خالق اور پالنے والے کو ناراض کرتا ہے۔ یہ شخص طبیعت کا خسیس اور کمینہ اور نہایت غیر شریف ہے۔ اگر اس میں حیا اور شرم ہوتی تو اپنے اللہ کو ناراض نہ کرتا۔ ملا علی قاری محدث عظیم لکھتے ہیں کہ حیا کی تعریف ہے فَإِنَّ حَقِيقَةَ الْحَيَاءِ أَنَّ مَوْلَاكَ لَا يَرَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ يَعْنِي حَيَاةَ حَقِيقَتِ يَہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تم کو نافرمانی کی حالت میں نہ دیکھے تب سمجھ لو کہ یہ بندہ حیا اور شرم والا ہے۔ آج آپ کسی بد نظری کرنے والے کو بے غیرت اور بے حیا

کہہ دیں تو وہ مرنے مارنے کو تیار ہو جائے گا لیکن اللہ کے نزدیک یہ بے حیا ہے کیونکہ اللہ تو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ جو اللہ سے نہیں شرماتا اس میں حیا کہاں ہے اس لئے ہر وقت اس کا خیال رکھو کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے، میری نظر پر ان کی نظر ہے۔ میرا شعر ہے۔

میری نظر پہ ان کی نظر پاسباں رہی
افسوس اس احساس سے کیوں بے خبر تھے ہم

جس کو یہ استحضار ہو گا وہ شراب قہر اور عذاب کی مستی میں ان شاء اللہ تعالیٰ مبتلا نہیں ہو سکتا۔ بس آج کا سبق ختم ہو گیا۔ اب مولانا رومی کی ایک دعا ہے۔ فرماتے ہیں۔

غالبی بر جاذباں اے مشتری
شاید در ماندگاں را و آخری

اے اللہ آپ کے راستہ میں نفس سے مقابلہ میں میں مغلوب ہو رہا ہوں، نفس مجھ پر غالب ہو رہا ہے، بار بار توبہ کرتا ہوں پھر توبہ ٹوٹ جاتی ہے اے اللہ میں کمزور ہوں لیکن آپ تو کمزور نہیں ہیں۔ بچہ اگر کمزور ہے تو ابا تو طاقتور ہے اگر بندہ کمزور پڑ رہا ہے تو اے رب آپ تو طاقتور ہیں، اپنی طاقت بھیجئے۔ آپ غالب ہیں ہم کو بھی ہمارے نفس پر غالب کر دیجئے۔ اے ہماری جانوں کے خریدار آپ نے تو قرآن پاک میں اپنے مشتری ہونے کا اعلان فرمادیا

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ﴾

کہ آپ ہمارے خریدار ہیں اور اے اللہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تمہارے قلوب کو اور تمہاری ارواح کو خرید لیا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے تمہارے نفوس کو خرید لیا ہے کیونکہ جو سودا سب سے گھٹیا ہوتا ہے اور جس کا کوئی خریدار نہیں ہوتا، اس کا مالک بھی مایوس ہوتا ہے کہ میرے اس سودے کو کون خریدے گا تو جو کریم ہوتا ہے اسی کو خریدتا ہے۔ اے اللہ! ہمارے قلوب و ارواح کی نسبت نفس سب سے گھٹیا سودا تھا لہذا اے اللہ آپ تو کریموں کے کریم ہیں آپ نے غایت کرم سے ہمارے نفس کو خرید لیا اور جس کو آپ خرید لیں کون ہے جو اس کو خرید سکے۔ آپ تمام جاذبوں پر غالب ہیں دنیا میں جتنے حسین لڑکے لڑکیاں ہمیں اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اگر آپ ہمیں اپنی طرف کھینچ لیں تو ان کی کیا مجال ہے کہ یہ ہمیں کھینچ سکیں بلکہ اگر ہم خود بھی ان کی طرف کھینچنا چاہیں تو نہیں کھینچ سکتے کیونکہ آپ کی قوت جاذبہ کے سامنے نفس و شیطان اور دنیا بھر کی گمراہ کن ایجنسیوں کی طاقت کوئی حقیقت نہیں رکھتی بس آپ ہماری ہدایت کا ارادہ فرمالیں تو آپ کے ارادہ پر مراد کا ترتب یقینی اور تحلف محال ہے۔ لہذا آپ کی رحمت سے امید ہے کہ ہم عاجزوں کو آپ خرید لیں۔ ہم جیسے درماندوں کو، بار بار توبہ توڑنے والوں کو آپ خرید کر غالب کر دیں تو پھر نفس کی کتنی کی کیا مجال ہے کہ ہم کو مغلوب کر سکے۔

مجلس درس مثنوی

۲۵ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز جمعہ بوقت
پونے سات بجے صبح بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

اتصالے بے تکلیف بے قیاس

ہست رب الناس را باجان ناس

ارشاد فرمایا کہ اللہ والوں کی ارواح کو اللہ تعالیٰ
کے ساتھ جو اتصال و قرب حاصل ہے وہ بے تکلیف اور بے قیاس ہے
لہذا جس کو وہ قرب نصیب ہے اسی کی جان اس لذت قرب کو سمجھ
سکتی ہے دوسری جان اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہے جس کو خواجہ
صاحب نے یوں تعبیر کیا ہے ۔

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربط خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

یہاں تک کہ ایک ولی بھی دوسرے ولی کے قرب کی تفصیلات کیف
سے بے خبر ہوتا ہے ، اجمالاً علم ہوتا ہے کہ یہ صاحب نسبت ہے لیکن

اس کی روح کو جو مقام قرب، جو کیفیت قرب جو لذت قرب حاصل ہے اس کا تفصیلی علم ایک دوسرے کو نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے، اس کا کوئی کفو اور ہمسر نہیں پس جس دل میں اللہ اپنی تجلیات خاصہ سے متجلی ہوتا ہے وہ دل گویا حامل ذات بے مثل ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایک بے مثل شان عطا فرماتے ہیں جس میں وہ منفرد ہوتا ہے، ہر بندہ میں ایک شان تفرد اللہ تعالیٰ کی توحید کی علامت ہے۔ اس لئے ہر ولی کو ایک بے مثل لذت قرب عطا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾

یہ آیت اگرچہ جنت کے لئے ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا جو آنکھوں کی ٹھنڈک اہل جنت کو پوشیدہ طور پر دیں گے لیکن جو شخص جنت کے راستہ پر چلتا ہے جنت کی ٹھنڈک کا اثر دنیا ہی میں محسوس ہونے لگتا ہے۔

ترے تصور میں جانِ عالم مجھے یہ راحت پہنچ رہی ہے
کہ جیسے مجھ تک نزول کر کے بہارِ جنت پہنچ رہی ہے

جیسے کوئی دریا کی طرف جارہا ہے تو ہر قدم پر اس کو پانی کی ٹھنڈک
ہواؤں میں محسوس ہونے لگتی ہے لہذا یہ تفسیر نہیں لطائف قرآن

میں سے ہے کہ یہاں نکرہ تحت الٰہی واقع ہے جو فائدہ عموم کو دیتا ہے یعنی کوئی ایک نفس بھی نہیں جانتا کہ اللہ کے راستہ میں جو آنکھوں کی ٹھنڈک، جو اطمینان اور جو لذت قرب اس کو عطا ہوتی ہے، ایک دلی بھی دوسرے دلی کے قرب و اتصال مع الحق کی ماہیت اور حقیقت اور تفصیلی کیفیت سے واقف نہیں ہوتا کیونکہ ہر ایک قلب کو ایک بے مثل اور منفرد لذت عطا ہوتی ہے۔ نکرہ تحت الٰہی سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی لذت جس دل کو عطا ہوتی ہے اس کی حلاوت کو وہ صرف محسوس کرتا ہے لیکن اگر وہ چاہے کہ اس لذت کو بیان کردوں تو بیان نہیں کر سکتا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

بوئے آں دلبر چو سراں می شود

ایں زباں ہا جملہ حیراں می شود

اس محبوب حقیقی کی خوشبو جب عرش اعظم سے نزول کر کے میرے پاس آتی ہے تو دنیا بھر کی زبانیں اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے، ان کے قرب کی لذت بھی غیر محدود ہے اور ہماری لغت محدود ہے تو غیر محدود لذت محدود لغت میں کیسے آسکتی ہے۔

اور یہ تو ارواح کا معاملہ ہے جس کی لذت کو کوئی کیا بیان کرے گا جبکہ اجسام بھی ایسی لذت چکھتے ہیں جس کو الفاظ و لغت کے دائرہ میں نہیں لایا جاسکتا ہے، اس کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے، زبان اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہے مثلاً ایک شخص شامی کباب کھا رہا ہے اور جھوم رہا ہے کہ آہا بہت لذیذ کباب ہے اب اگر کوئی اس سے کہے کہ بھائی ذرا بتاؤ تو کہ اس کا کیا مزہ ہے؟ تو وہ کہے گا کہ بیان نہیں کر سکتا ذرا کچھ کے دیکھ لو، جب چکھو گے تب ہی سمجھو گے۔

اسی طرح بیاہ کی لذت ہے اور اس پر ایک لطیفہ یاد آگیا کہ بیاہ کے معنی میرے دل میں یہ آئے کہ بیاہ کے معنی ہیں بے آہ۔ بیاہ سے پہلے وہ بیوی کے لئے آہ آہ کر رہا تھا جب بیوی مل گئی تو اب بے آہ ہو گیا۔ یہ ہے تشریح اللغات۔

تو بیاہ کی لذت کو کوئی الفاظ میں نہیں بیان کر سکتا ہے جیسے قصہ مشہور ہے کہ ایک دیہاتی لڑکی نے اپنی شادی شدہ سہیلی سے دیہاتی زبان میں پوچھا کہ سکھی ری سکھی بیاہ میں کیا مزہ آوے ہے تو اس نے کہا کہ جب تیرا بیاہ ہو جاوے گا تب تجھے پتہ چل جاوے گا کہ بیاہ میں کیا مزہ ہے۔

تو جب مدرکات اجسامیہ کا یہ عالم ہے کہ ان کو الفاظ میں تعبیر نہیں کیا جاسکتا تو پھر مدرکات روحانیہ کا کیا عالم ہوگا ان کا بدرجہ اولیٰ الفاظ و لغت کے احاطہ میں لانا محال ہے یعنی جب جسمانی لذتوں کو

بیان نہیں کیا جاسکتا اور الفاظ و لغت سے ان کو تعبیر نہیں کیا جاسکتا تو روحانی لذتوں کو کیسے بیان کیا جاسکتا ہے۔

پس اللہ والوں کو جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے اس کو حضرت خواجہ صاحب نے یوں فرمایا ہے کہ ۔

تم سا کوئی ہدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

اور یہ قرب گناہوں سے بچنے کا غم اٹھانے سے، اپنی حرام آرزوں کا خون کرنے سے نصیب ہوتا ہے اور اتنا عظیم قرب نصیب ہوتا ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی ارواح کو اللہ تعالیٰ سے جو قرب حاصل ہے اس کو وہم و قیاس میں نہیں لایا جاسکتا۔ فرماتے ہیں ۔

خاصان خدا خدا نباشند

لیکن زخدا جدا نباشند

اللہ کے خاص بندے خدا نہیں ہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔
اللہ والوں کو خدا سمجھنا کفر ہے لیکن ان کو خدا سے دور سمجھنا بھی غلو اور بے عقلی ہے۔ اہل اللہ کو ہرگز خدا نہ سمجھو ورنہ کافر ہو جاؤ گے
لیکن ان کو خدا سے دور بھی نہ سمجھو۔ مولانا رومی نے اس کو عجیب مثال سے سمجھایا ہے کہ دیکھو آفتاب آسمان پر ہے اور اس کی شعلہ اور دھوپ زمین پر ہے۔ دھوپ سورج نہیں ہے لیکن سورج سے الگ بھی نہیں ہے۔

مجلس درس مثنوی

۲۶ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز ہفتہ بعد نماز
 فجر پورے سات بجے برقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

در تگ دریا گہر با سنگ ہاست
فخر ہا اندر میان ننگ ہاست

ارشاد فرمایا کہ دریا کی گہرائی میں موتی کنکریوں
میں چھپا ہوتا ہے اس لئے کنکریوں کو اگر حقیر سمجھو گے تو موتی بھی
نہیں پاؤ گے۔ انہیں کنکریوں میں موتی تلاش کرو تو موتی پا جاؤ گے۔
اسی طرح اگر اللہ والوں کے لباس میں جعلی پیر نظر آتے ہیں تو یہ
بدگمانی نہ کرو کہ سب ایسے ہی ہوتے ہیں، انہیں میں تم اللہ والوں کو
تلاش کرو تو ان شاء اللہ اللہ والے مل جائیں گے جیسے کنکریوں میں
موتی چھپے ہوئے ہیں ایسے ہی ان ذلیل و خوار دنیا دار جعلی فقیروں میں
وہ صاحب نسبت بھی چھپے ہوئے ہیں جو پوری انسانیت میں قابلِ فخر
ہیں۔

گر گدایاں طامع اندو زشت خو
در شکم خواراں تو صاحب دل بجو

اگر بھک منگے فقیر اور پیسہ کے لالچی تمہیں اللہ والوں کے حلیہ اور لباس میں نظر آتے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ یہ اللہ والے ہیں بلکہ پیٹ کے لئے خوار ہونے والوں کے لباس میں صاحب دل اور سچے اللہ والے بھی چھپے ہوئے ہیں جن کی شان ہی کچھ اور ہے، تلاش کرو گے تو پا جاؤ گے۔ تم نے اللہ والوں کو دیکھا ہی نہیں اس لئے بدگمان ہو۔

شاہ صاحب جو سمجھتا ہے تو بھک منگوں کو
تو نے دیکھی ابھی وہ صورت شاہانہ نہیں



باچناں رحمت کہ دارد شاہ ہش
بے ضرورت از چہ گوید نفس کش

ارشاد فرمایا کہ ہش ہوش کا مخفف ہے۔ حکیم الامت نے اس کا ترجمہ سلطان العقول فرمایا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت نہ ہوتی تو وہ سلطان العقول جو بے پایاں رحمت کا مالک ہے بے ضرورت نہ کہتا کہ نفس کشی کرو، بُری خواہش کو مارو یعنی بے ضرورت مجاہدہ فرض نہ کرتا۔ مجاہدہ کا فرض کرنا دلیل ہے

کہ اس میں بڑے اسرار اور حکمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں یعنی ہمیں راضی کرنے کے لئے مشقت برداشت کرتے ہیں اور ہمارے دین کی نصرت میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور ہمارے احکام کو بجالانے میں مشقت برداشت کرتے ہیں اور جن باتوں سے ہم نے منع کیا ہے ان سے بچنے میں ہر تکلیف اٹھا لیتے ہیں ، اپنے دل کا خون کر لیتے ہیں لیکن مجھے ناراض نہیں کرتے ان کو کیا انعام ملتا ہے ؟ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ان کے لئے ہم ہدایت کے بے شمار راستے کھول دیتے ہیں جس کی تفسیر علامہ آلوسی نے یہ کی ہے اِی سَبِل السَّیْرِ الْبَیْنَا وَ سَبِل الْوَصُولِ اِلَیْ جَنَّاتِنَا ان کو سیر الی اللہ بھی نصیب ہوتی ہے اور وصول الی اللہ بھی نصیب ہو جاتا ہے یعنی وہ اللہ تک بھی پہنچ جاتے ہیں اور پھر اس سے بڑھ کر درباری بھی ہو جاتے ہیں یعنی قرب خاص سے مشرف ہو جاتے ہیں۔ اس کیفیتِ قرب اور تجلیاتِ مقربات کو جو خاصانِ بارگاہِ حق کو عطا ہوتی ہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اپنے کرم سے نصیب فرمادے آمین۔ جس کو یہ قرب خاص نصیب ہوتا ہے وہی جانتا ہے ، زبان و لغت و الفاظ اس کے بیان سے انگشت بدنداں و حیران و قاصر ہوتے ہیں۔ احقر نے اس کو یوں تعبیر کیا ہے ۔

گویا زباں تھی بے زباں ہوش بیاں نہ تھا
 آتش تھی شعلہ زن مگر اس میں دھواں نہ تھا
 خوشبو تو ہر طرف تھی مگر گلستاں نہ تھا
 مفہوم قرب خاص تھا لفظ و بیاں نہ تھا
 اک پھول جاوداں کے سوا گلستاں نہ تھا
 ان کے سوا کوئی بھی وہاں رازداں نہ تھا
 خورشید و ماہ و کہکشاں کچھ بھی وہاں نہ تھا
 دنیائے دوں نہ تھی کوئی دیگر جہاں نہ تھا
 آنکھوں کے دائرے میں جمال جہاں نہ تھا
 کون و مکاں کا سامنے کوئی نشان نہ تھا
 اس بزم کا اک عالم ہو نام ہے آخر
 گویا سوا خدا کے کوئی بھی وہاں نہ تھا

لہذا اللہ کے راستہ میں مجاہدہ سے گھبراتا نہیں چاہئے جو مجاہدہ سے
 گھبراتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا وفادار بندہ نہیں۔ آپ بھی اس کو دوست
 نہیں بناتے جو حلوہ خور ہے، حلوہ کھانے میں سب سے آگے لیکن
 جب فداکاری و وفاداری اور قربانی کا موقع آتا ہے تو بھاگ جاتا
 ہے۔ ایسے مطلبی اور بے وفا کو آپ اپنا دوست نہیں بناتے جو آپ کے
 لئے کوئی تکلیف نہیں اٹھاتا۔ جو آپ کا جاں نثار اور وفادار ہوتا ہے
 اسی کو آپ بھی اپنا دوست بناتے ہیں پس جو شخص نافرمانی کر کے اللہ

تعالیٰ سے بے وفائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی ایسوں کو دوست بنانا پسند نہیں کرتے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دس برس تک ایک اشکال تھا کہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں اور رحمت کا تقاضا تھا کہ اپنے بندوں کو بغیر نفس کشی اور بغیر مجاہدہ و مشقت اپنا بنا سکتے تھے پھر مجاہدہ کیوں فرض کیا، اس کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی تھی اور حضرت نے دس برس تک کسی پر یہ اشکال ظاہر نہیں کیا تاکہ میرے اشکال سے دوسرا کیوں مشکل میں پڑے۔ پھر مثنوی ہی کے ایک شعر سے حضرت کا یہ اشکال حل ہوا۔ وہ شعر یہ ہے۔

لیک شیرینی و لذات مقرر
ہست براندازہ رنج سفر

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ منزل کا لطف و آرام سفر کی تکالیف اور مشقتوں پر موقوف ہے۔ سفر میں جتنی زیادہ تکلیف ہوتی ہے منزل کا لطف اسی قدر زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدہ فرض کر کے اپنی راہ کو تھوڑا سا مشکل کر دیا تاکہ ان تکلیفوں سے گذر کر جب بندے جنت پہنچیں تو ان کو جنت کا خوب مزہ آئے اور دنیا کے غموں

سے نجات ملنے پر خوشی ہو اور جنت اور نعماء جنت کی خوب قدر ہو۔ اگر مجاہدہ فرض نہ ہوتا اور کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی تو جنت کا وہ مزہ نہ آتا جو ان شاء اللہ اب آئے گا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے درس بخاری شریف میں فرمایا کہ قیامت کے دن جب جنت کہے گی کہ یا اللہ ابھی میرا پیٹ نہیں بھرا کچھ جنتی اور عطا فرمائیے تو اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کر کے اسے جنت میں داخل کر دیں گے تو ایک طالب علم نے کہا کہ کاش میں وہی مخلوق ہوتا کہ بغیر نماز روزہ جنت میں پہنچ جاتا تو حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ ارے بدھو بھلا ان کو جنت کا کیا مزہ آئے گا جنہوں نے نہ روزہ رکھا، نہ نماز پڑھی نہ جہاد کیا، نہ گناہوں سے بچنے کا غم اٹھایا، نہ خونِ قلب بہایا نہ خونِ قالب بہایا، مزہ تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو آئے گا جو تکلیفیں اٹھا کر جنت میں پہنچیں گے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْحَنَّةَ وَ مَا قَرَّبَ اِلَيْهَا وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَ مَا قَرَّبَ اِلَيْهَا۔

اے ز تو کس گشتہ جان ناکساں
دست فضل تست در جاں ہارساں

آہ یہ مولانا روم ہیں کس پیارے عنوان سے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ بہت سے بندے نالائق تھے آپ کے کرم سے لائق ہو گئے۔ آپ کی مہربانی کا ہاتھ جانوں کے اندر پوشیدہ ہے بس آپ نے ارادہ

کیا اور نالائق لائق ہوا کیونکہ آپ کے ارادہ پر مراد کا تخلف محال ہے ۔

جود می جوید گدایان و ضعاف

ہمچو خوباں آئینہ جویند صاف

اللہ تعالیٰ کا جود و کرم اپنے کمزوروں ، فقیروں اور بے نواؤں کو خود تلاش کرتا ہے جیسے حسین صاف آئینہ تلاش کرتے ہیں کہ ہماری شکل اور ناک نقشہ صحیح نظر آئے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جود و کرم بھی غریبوں کو فقیروں کو حاجت مندوں کو تلاش کرتا ہے ۔ ہمارے فقر و مسکنت کے آئینہ میں ان کے جود و کرم کا مشاہدہ ہوتا ہے ۔ ہم اللہ کے بھکاری تو بن جائیں اللہ تعالیٰ تو خود ہم کو اپنا بنانا چاہتے ہیں ۔ ان کی رحمت تو خود ہماری منتظر ہے ۔

گر بگرید ورنہ بنالد زار زار

اونخواہ شد مسلمان ہوش دار

اگر نفس زار و قطار روئے اور فریاد کرے تو بھی اس کی شرارت سے مطمئن نہ رہنا ، اس سے ہوشیار رہنا ، یہ ظالم پورا فرماں بردار نہیں ہوتا ذرا سی دیر میں بد معاشیاں شروع کر دیتا ہے ۔ اس لئے اس کی لگام کھینچے رکھنا ورنہ یہ نافرمانی کی سابقہ رفتار پر آجائے گا ۔

ہر ولی را نوح کشتی باں شناس صحبت ایں خلق را طوفاں شناس

مولانا فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو حضرت نوح علیہ السلام کا نائب سمجھو۔ اگر تمہیں طوفان سے بچنا ہے تو ان کی کشتی میں بیٹھنا اپنی سعادت اور حفاظت سمجھو۔ مخلوق کے ساتھ اختلاط اور رات دن مخلوق میں رہنا یہی سیلاب اور طوفان ہے کہ اسی سے بندہ گنہگار ہو جاتا ہے کیونکہ غافلین کے ساتھ رہنے سے غفلت پیدا ہوتی ہے اس لئے کسی اللہ والے کی کشتی میں بیٹھ جاؤ یعنی ان کی صحبت اختیار کرو تو فسق و فجور کے سیلاب سے بچ جاؤ گے۔

چوں شوی دور از حضور اولیاء در حقیقت گشیہ دور از خدا

اگر اللہ والوں سے بدگمان ہو کر تم ان سے دور رہو گے تو تم ولی اللہ سے دور نہیں ہوئے اللہ سے دور ہو گئے۔ اگر تم اپنے شیخ سے دور رہو گے تو اللہ سے بھی قریب نہیں ہو سکتے۔ میرے شیخ حضرت شاہ ہر دوئی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ آئس کریم کو فریج سے نکال کے رکھ دو پانی ہو جائے گی، ماہیت بدل جائے گی، پہچانو گے بھی نہیں کہ یہ کبھی آئس کریم تھی کیونکہ آئس کریم اپنے کریم سے دور ہو گئی فریج

اس کے لئے کریم ہے۔ اسی طرح شیخ بھی کریم ہے، اس سے دور نہ رہو۔ اگر حسی قرب حاصل نہ ہو سکے تو کم سے کم خط و کتابت سے تعلق رکھو۔

طبع ناف آہویست ایں قوم را
اندروں خوں و اندروں شاں مشکہا

اللہ والوں کا مزاج مثل ہرن کے نافہ کے ہے کہ نافہ میں تمام خون بھرا ہوا ہے اور اسی کے بیچ میں مشک چھپا ہوا ہے۔ اسی طرح اہل اللہ کے لوازم بشریت سے دھوکہ نہ کھاؤ کہ ان کو بھی بول و براز کی حاجت ہوتی ہے، وہ بھی کھانے پینے اور سونے کے محتاج ہیں، کبھی کھانسی آرہی ہے کبھی ناک کا بلغم صاف کر رہے ہیں۔ لہذا ان کا خون اور بلغم مت دیکھو بلکہ ان کے اندر نسبت مع اللہ کا جو مشک چھپا ہوا ہے اس کی قدر کرو کہ اس کی قیمت زمین و آسمان سورج و چاند اور بادشاہوں کے تخت و تاج بھی ادا نہیں کر سکتے۔

ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیاء

مردہ را زیشاں حیات است و نما

اولیاء اللہ اپنے زمانہ کے اسرافیل ہوتے ہیں۔ جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو مردے زندہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح ان

کے مخلوقات سے مُردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں، جن کے دل مُردہ ہیں اللہ والوں کی صحبت سے وہ حیات پاتے ہیں اور ”نما“ معنی میں ارتقا کے ہے یعنی ان کی صحبت عطاءئے نسبت بقائے نسبت ارتقائے نسبت کا ذریعہ ہے اور فرمایا کہ اللہ والوں کے بارے میں تعجب مت کرو کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے کیسے ہر وقت باخدا رہتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہیں۔

آں کہ بر افلاک رفتارش بود
بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود

تم یہ تعجب کرتے ہو کہ دنیا میں رہتے ہوئے یہ کیسے باخدا رہتے ہیں، کیسے ہر وقت نظر کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر وقت کیسے گناہ سے بچتے ہیں اس کا یہ جواب ہے کہ جن کی رفتار افلاک پر ہے ان کو زمین پر چلنا کیا دشوار ہے؟ یعنی اللہ والے جب آسمانی اعمال یعنی اعمال صالحہ کی برکت سے افلاک پر پہنچ گئے یعنی صاحب افلاک سے جن کو رابطہ و تعلق نصیب ہو گیا تو ان کو ان زمینی اعمال سے بچنا کیا مشکل ہے جو اس تعلق و رابطہ مع الحق کے لئے مضر ہیں۔

آں کہ واقف گشت بر اسرارِ ہُو
سر مخلوقاں چہ بود پیش او

جن کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے رموز و اسرار سے آگاہی نصیب ہو گئی
ان کے آگے مخلوق کے راز کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

سایہ رہبر بہ است از ذکر حق

یک قناعت بہتر از صدہا طبق

شیخ کی صحبت کا سایہ تمہاری تنہائی کے ذکر سے افضل ہے کیونکہ
شیطان نے بھی اکیلے بڑی عبادت کی تھی، آسمان پر کوئی جگہ خالی نہ
تھی جہاں ظالم نے سجدہ نہ کیا ہو لیکن مردود ہونے سے نہ بچ سکا
کیونکہ عبادت سے فنایت کے بجائے اس کے اندر تکبر پیدا ہو گیا اور
شیخ کا سایہ تکبر سے حفاظت کا ذریعہ ہے اور تکبر سے حفاظت
مردودیت سے حفاظت کی ضمانت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تکبر سخت
ناپسند ہے۔ ابلیس تکبر ہی کی وجہ سے مردود ہوا۔ اسی لئے جب صحبت
شیخ نصیب ہو تو اس وقت تنہائی میں بیٹھ کر ذکر نہ کرو اس سے بہتر
ہے کہ تم شیخ کے پاس بیٹھے رہو کیونکہ ذکر سے کبھی نشہ آئے گا اور تم
اپنے کو بازید بسطامی اور بابا فرید الدین عطار سمجھنے لگو گے، تکبر آجائے
گا۔ شیخ کا سایہ تمہیں مقام فنا پر رکھے گا اور اللہ کو مقام فنا پسند ہے۔

ناز تقویٰ سے تو اچھا ہے نیاز رندی

جاہ زاہد سے تو اچھی مری رسوائی ہے

دوسرے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں کہ سینکڑوں طبق سے ایک قناعت بہتر ہے۔ دیکھئے کیسی مثال دی کہ اگر تمہارے پاس سینکڑوں قسم کی بریاں سینکڑوں قسم کی پلیٹوں میں رکھی ہوں لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو تم ہائے ہائے کرتے رہو گے اس لئے ان سینکڑوں طبق کے مقابلہ میں ایک قناعت اگر تمہارے پاس ہے تو وہ کافی ہے۔ مراد یہ ہے کہ کثرت عبادت کے ناز سے بہتر ہے کہ شیخ کی صحبت سے تمہارے اندر ایک شگفتگی آجائے جو ہزار عبادت سے افضل ہے۔

پیر باشد نزد بانے آسمان

تیر پراں از کہ گردد از کماں

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ پیر آسمان کی سیڑھی ہے۔ کیا تیر بغیر کمان کے اڑ سکتا ہے؟ تیر چاہے دس لاکھ روپے کا ہو چاہے سونے، چاندی اور جواہرات کا ہو زمین ہی پر پڑا رہے گا جب تک کمان میں نہیں آئے گا۔ شیخ کمان ہوتا ہے۔ اگر شیخ سے تعلق نہیں ہے تو تم علم و فضل کے باوجود زمین ہی پر دھرے رہو گے، کبھی اللہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اصلاح کی ضرورت نہیں بس آٹھ سال مدرسہ میں پڑھ لینا کافی ہے، علم سے سب اصلاح ہو جاتی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہم کے پاس

علم کم تھا جو ان حضرات نے ایک غیر عالم کی غلامی اختیار کی۔ بس حب جاہ مانع ہے، علم کا پندار کسی کو اپنا بڑا نہیں بنانے دیتا لیکن آہ ایسے لوگوں کو اللہ کی محبت کی ہوا بھی نہیں لگتی اور اپنے پندار خود پرستی سے ہمیشہ مثل تیر بے کمان زمین ہی پر پڑے رہتے ہیں۔

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش
ست ریزندہ چو آب و گل مباش

جب تم نے پیر بنا لیا تو اب نازک دل نہ رہو کہ ذرا سا پیر نے ڈانٹ دیا تو دل میں کینہ پیدا ہو گیا اور کچھڑ کی طرح زمین پر نہ پڑے رہو بلکہ اللہ کی راہ میں سرگرم رہو۔

کار مرداں روشنی و گرمی است
کار دونان حیلہ و بے شرمی است

مردانِ خدا کا کام سرگرم عمل رہنا ہے کہ وہ اللہ کی مرضیات پر چلنے اور غیر مرضیات سے بچنے میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اس میں وہ خود بھی سرگرم ہیں اور دوسروں کے لئے بھی روشنی ہدایت اور سرگرمی عمل کا ذریعہ ہیں اور کہنے لوگوں کا کام حیلہ و بہانہ بازی ہے کہ صاحب آج کل کے معاشرہ میں کیسے نگاہ بچائیں، سود سے کیسے بچیں، کیسے شرعی پردہ کریں وغیرہ جب کہ اسی معاشرہ میں اہل اللہ عمل کر کے دکھا رہے ہیں۔

مجلس درس مثنوی

۲۷ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز اتوار بعد فجر
بر مقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

پیش نور آفتاب خوش مساغ رہنمائی جستن از شمع و چراغ

ارشد فرمایا کہ مساغ معنی رفتار کے ہیں اور
آفتاب کی لغت کی ترکیب شاید آپ مجھ سے ہی سنیں گے کہ آفتاب
در اصل آفت آب ہے یعنی پانی کے لئے آفت کیونکہ پانی کو خشک
کر دیتا ہے۔ اللہ کے ہوتے ہوئے غیر اللہ سے دل لگانے والوں کی
مثال مولانا رومی دے رہے ہیں کہ جس طرح بارہ بجے دن کے جبکہ
آفتاب اپنی خوش رفتاری کے عروج پر ہو اور سارے عالم کو آب و
تاب دے رہا ہو اور سارا عالم اس کے نور سے چمک رہا ہو اس وقت
جس طرح موم بتی یا چراغ سے روشنی حاصل کرنا حماقت، نادانی،
ناشکری اور ظلم ہے اسی طرح مولیٰ کے ہوتے ہوئے لیلانوں سے دل
لگانا، اللہ کے ہوتے ہوئے غیر اللہ سے تسکین حاصل کرنا انتہائی

دنائت طبع، کمینہ پن اور ظلم ہے۔ اسی لئے

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

کا عاشقانہ ترجمہ یہ کرتا ہوں کہ اے اللہ نہیں ہے کوئی محبوب سوائے آپ کے کیونکہ آپ بے عیب ہیں، تمام عیوب سے پاک ہیں اور ہم انتہائی ظالم ہیں کہ آپ جیسے پاک محبوب حقیقی کے ہوتے ہوئے عیب دار، ناپاک اور گلے سڑنے والی لاشوں سے دل لگا رہے ہیں، ناپاکوں اور عیب داروں کو محبوب بنا رہے ہیں۔

بے گماں ترک ادب باشد زما
کفر نعمت باشد و فعل ہوئی

مولانا فرماتے ہیں کہ سورج کے ہوتے ہوئے موم بتی اور چراغ سے روشنی حاصل کرنے والا انتہائی بے ادب ہے۔ یعنی اللہ کے ہوتے ہوئے غیر اللہ پر فریفتہ ہونا، فانی حسن کو دیکھ کر اللہ کو بھول جانا یہ ہماری طرف سے ترک ادب اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناشکری، کفر نعمت اور فعل ہوئی یعنی نفس کی خباثت ہے کیونکہ عالم کا ذرہ ذرہ اللہ کی نشانی اور ان کے جمال غیر فانی کا مظہر ہے۔ پس کتنا بڑا احمق اور کتنا بڑا ناشکرا ہے وہ شخص کہ سورج کے ہوتے ہوئے موم بتی جلا رہا ہے مولیٰ جو ساری کائنات کی لیلّاؤں کو نمک دیتا ہے، حسن کی بھیک دیتا

ہے ، پھر قبروں میں گلا سڑا کر ان کو خاک کر دیتا ہے ، ایسے مولائے پاک کے ہوتے ہوئے تم کہاں جاتے ہو۔ اگر ان حسینوں سے دل لگانے میں کوئی بھلائی ہوتی تو خدا منع نہ کرتا۔ بتائیے کوئی ابا اپنے بچوں کو مفید چیز سے منع کرے گا؟ تو رہا اپنے بندوں کو مفید چیز سے کیسے منع کرے گا۔ اگر یہ فعل اچھا ہوتا تو خدا پتھر نہ برساتا۔ میرا ایک شعر ہے جو علماء و مدرسین کے لئے بہت ضروری ہے ۔

بچو گندے عمل سے مردوں سے دور ہو جاؤ
اگر یہ فعل اچھا تھا خدا پتھر نہ برساتا

پس مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر مرنے والی شکلوں پر مرنا اور اللہ کو ناراض کرنا انتہائی ناشکری ، نفس پرستی اور ظلم ہے جیسے آفتاب سامنے ہو اور کوئی چراغ پر فریفتہ ہو رہا ہو۔

گر خفاشے رفت در کور و کبود

باز سلطان دیدہ را بارے چہ بود

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی کی قبر کو اللہ تعالیٰ نور سے بھر دے ، فرماتے ہیں کہ چگادڑ جو اندھیروں میں لٹکا رہتا ہے اگر وہ اندھیرے میں جا کر پیشاب چوس رہا ہے اور پانچخانہ چاٹ رہا ہے تو ہم کو کوئی تعجب نہیں چونکہ اس کی خصلت ہی خراب ہے ۔ یہ سورج کا دشمن ہے ۔ آفتاب دشمنی کی اس کو یہ سزا دی گئی ہے کہ اندھیروں میں

اَلَا لَکَا ہوا ہے اور جس منہ سے کھاتا ہے اسی منہ سے گہتا ہے اگر اس سے یہ کمینہ حرکتیں ہوتی ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن ۔

باز سلطان دیدہ را بارے چہ بود

وہ باز شاہی جس نے بادشاہ کو دیکھا ہو، سلطان دیدہ آنکھیں رکھتا ہو، ہر وقت بادشاہ کی کلائی پر رہتا ہو اس ظالم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بھی چمگادڑ کی طرح گندی نالیوں میں غلاظت چاٹ رہا ہے یعنی جو شخص اللہ والوں کی صحبت میں رہتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے، جس کی جان نے اللہ کے قرب کا مزہ چکھ لیا اس کو کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عورتوں کو گھور رہا ہے، لڑکوں کو گھور رہا ہے، آفتاب کے ہوتے ہوئے چراغوں پر فریفتہ ہو رہا ہے، غیر اللہ سے دل لگا کر اللہ کو ناراض کر رہا ہے۔ یہ مرض اتنا عام ہے کہ کوئی گاؤں اور کوئی شہر نہیں بچا، تعلیم یافتہ ہو یا جاہل، جوان ہو کہ بوڑھا سب اس میں مبتلا ہیں اَلَا مَآءُ اللہ یہاں تک کہ بعض مولوی جوان لڑکیوں کو بے پردہ قرآن پاک پڑھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کا کام کر رہے ہیں۔ فرانس میں ایک لڑکی نے کہا کہ مولانا آپ یہ جو ہم کو دیکھ رہے ہیں اور یَعْصُوا مِنْ ابْصَارِهِمْ کی تفسیر سنا رہے ہیں آپ کو شرم نہیں آتی۔ اگر آپ کو پڑھانا ہے تو پردہ لٹکائیے اور پڑھائیے۔ یہ لعنتی بیماری ہے۔ اللہ کے نام پر اختر فریاد کرتا ہے کہ اس مرض سے بچو، اس

فعل سے ہم سب توبہ کریں کیونکہ سرورِ عالم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اس شخص پر جو دوسروں کی بہو بیٹی کو دیکھتا ہے لَعْنُ اللّٰهِ النَّاطِرَ وَالْمَنْطُورَ اِلَيْهِ اگر لڑکا ہے تو وہ بھی اس میں شامل ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ متعلقاتِ نظر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بیان فرمایا تاکہ ہر نظر جو حرام ہے اس میں داخل ہو جائے۔ یہ کلام نبوت کی بلاغت ہے۔ مولانا نے کیا عمدہ بات فرمائی کہ اگر خفاش خصلتِ خدا سے غافل اور نافرمان لوگ ایسی گری ہوئی حرکتیں کرتے ہیں تو تعجب کی بات نہیں لیکن سا لکین جو اللہ کا راستہ طے کر رہے ہیں وہ ایسی ٹھوکر نہ کھائیں اور ذلیل اعمال میں مبتلا ہو کر اللہ سے دوری کے عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔ اس لئے مولانا دعا فرماتے ہیں ۔

یارِ شبِ را روزِ مہجوری مدہ

جانِ قربتِ دیدہ را دوری مدہ

اے خدا جس کو آپ نے راتوں میں اپنا دوست بنالیا یعنی رات میں توفیقِ عبادت دی اس کو جدائی کا دن نہ دکھائیے۔ جس جان نے آپ کے قرب کا مزہ چکھ لیا اس کو گناہوں میں ابتلاء سے دوری کا عذاب نہ دیجئے۔ کیسی درد بھری دعا ہے یہ۔ اپنے رات کے دوست کو جدائی کا دن نہ دکھائیے یعنی ہر گناہ سے اس کی حفاظت فرمائیے اور جس

سے خطا ہو جائے تو توفیقِ توبہ نہایت اعلیٰ مقام سے عطا فرمائیے۔ اپنے آنسوؤں میں خون دل کو باہم کرنے کی اسے توفیق دیجئے تاکہ وہ جان جو گناہ کر کے آپ سے دوری کے عذاب میں مبتلا ہو گئی تھی دوبارہ آپ کے قرب کا مزہ چکھ لے جیسے مچھلی پانی سے دور ہو کر بے چین ہو گئی تھی دوبارہ پانی کو پا کر چین پا جائے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جس طرح چمگادڑ کو آفتاب دشمنی کی تکویناً یہ سزا دی گئی ہے کہ وہ اندھیروں میں الٹا لٹکا ہوا ہے اور جس منہ سے کھاتا ہے اسی منہ سے گھتا ہے اس کا امپورٹ اور ایکسپورٹ آفس ایک ہی ہے اسی طرح جو لوگ اہل اللہ سے دشمنی رکھتے ہیں اور ان کی غیبتیں کرتے ہیں یہ بھی مثل چمگادڑ کے جہالت اور قہر و عذاب کے اندھیروں میں اٹکے ہوئے ہیں۔ جس منہ سے یہ اللہ کا نام لیتے ہیں اسی منہ سے اہل اللہ کی غیبت اور دشنام طرازی کی غلاظت نکالتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے مولانا رومی نے ایک اور تمثیل پیش کی ہے۔ ایک دریائی جانور جو دریا اور سمندر میں رہتا ہے اس کو دریائی گاؤ کہتے ہیں۔ اس کے سینہ میں ایک نہایت قیمتی موتی ہوتا ہے۔ رات کو دریا کے کنارے جنگل میں وہ دریائی گاؤ اپنے منہ سے اس موتی کو نکال کر زمین پر رکھتا ہے اور اس کی روشنی میں سنبھل و سوسن و ریحان وغیرہ خوشبودار پھول اور نباتات چرتا ہے اس لئے اس کا پاخانہ مشک و عنبر کی طرح خوشبودار ہوتا ہے۔ اس مثال سے مولانا ایک نہایت قیمتی مضمون

بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح اس دریائی گاؤ کی خوشبودار غذا کھانے سے خوشبو ہی پیدا ہوتی ہے اسی طرح ۔

ہر کہ باشد قوت او نور جلال
چوں نہ زاند از لبش سحر حلال

وہ شخص جس کی غذا نور جلال یعنی ذکر و طاعت ہوگی اسکے ہونٹوں سے سحر حلال یعنی کلام موثر کیوں نہ پیدا ہوگا۔ تاجر لوگ اس موتی کی تلاش میں منکوں میں مٹی، گوبر بھوسہ وغیرہ لے کر درختوں پر تیار بیٹھے رہتے ہیں۔ جب وہ دریائی گاؤ سمندر کے کنارے اپنا موتی اگل کر چرنے کے لئے کچھ دور نکل جاتا ہے تو درخت کے اوپر سے تاجر لوگ اس موتی پر مٹی وغیرہ ڈال دیتے ہیں جس سے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اس اندھیرے سے گھبرا کر وہ دریائی گاؤ بار بار موتی کی طرف آتا ہے لیکن کچھڑ کو دیکھ کر مایوس ہو کر بھاگ جاتا ہے اس کی نگاہ کچھڑ کے اندر چھپے ہوئے موتی کو دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس جانور کی طرح ابلیس ملعون نے حضرت آدم علیہ السلام کے صرف خاکی پتلے کو دیکھا اور تکبر سے سجدہ تعظیمی سے انکار کیا اور حکم خداوندی پر اعتراض کیا کہ میں ناری ہوں اور یہ خاکی ہے اور کرۂ نار چونکہ خاک سے اوپر ہے اس لئے آگ خاک سے افضل ہے اور تکبر کے سبب ہمیشہ کیلئے مردود ہو گیا اور بد بخت کو یہ نظر نہ آیا کہ حضرت

آدم علیہ السلام کے جسد خاکی کے اندر خلافت الہیہ کا موتی چھپا ہوا ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اسی طرح بہت سے احمق بے وقوف اور جانور قسم کے لوگ اللہ والوں کے جسم کے اندر قلب میں ولایت اور نسبت مع اللہ کا جو موتی چھپا ہوتا ہے اس کو دیکھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور ان کی منی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ جیسے ہم ہیں ویسے ہی یہ بھی ہیں۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر

ما وایشاں بستہ خوانیم و خور

ہم بھی انسان، یہ بھی انسان جس طرح ہم غذا اور نیند کے محتاج ہیں یہ بھی محتاج ہیں۔ ہماری بھی ایک ناک ہے اور ان کی بھی ایک ناک ہے، جیسے دوکان ہمارے ہیں ویسے ہی ان کے بھی ہیں لہذا ان کو خاطر میں نہیں لاتے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس بدگمانی اور بصیرت کے اندھے پن سے بہت سے لوگوں نے انبیاء کی ہمسری کا دعویٰ کر دیا۔

ہمسری با انبیاء برداشتند

اولیا را ہچو خود پنداشتند

انہوں نے کبھی انبیاء کے ساتھ برابری کا دعویٰ کر دیا اور کبھی اولیاء کو اپنے برابر سمجھ لیا۔ مگر یہ اس دریائی گاؤ کی طرح سے ہیں جس کے اندر عقل نہیں تھی کہ وہ مٹی کے باطن میں چھپے ہوئے قیمتی موتی کا پتہ کر لے۔

اشقیا را دیدہ بینا نبود
نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بد بخت لوگ چشم بصیرت سے محروم تھے اس لئے نیک و بد ان کو ایک جیسے نظر آئے اور وہ اہل اللہ کے باطن میں پوشیدہ نور نبوت، نور ولایت اور نور نسبت کا موتی نہ دیکھ سکے۔ لہذا مولانا رومی نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو تم جانوروں کی طرح اللہ والوں کا خالی جسم مت دیکھو بلکہ ان کے جسم میں جو قلب ہے اور قلب میں نسبت مع اللہ کا جو موتی ہے اس پر نظر رکھو جس کی قیمت زمین و آسمان بھی ادا نہیں کر سکتے، سورج و چاند بھی ادا نہیں کر سکتے، سلاطین کے تخت و تاج بھی ادا نہیں کر سکتے، پلاؤ اور بریانی کی لذتیں بھی ادا نہیں کر سکتیں، مجاہدین عالم کی عشقیات اور لیلائے کائنات کے نمکیات بھی ادا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ لا مثل لذہ ہے، اللہ بے مثل ہے لہذا ان کے نور نسبت کے حاملین بھی بے مثل ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس اصول موتی سے تم جانوروں کی طرح محروم نہ ہو جاؤ ورنہ پھر تم اللہ

کے نور کی غذا سے محروم ہو کر بھوکے مر جاؤ گے یعنی تمہاری روحانی موت واقع ہو جائے گی۔ اہل اللہ سے بدگمانی کرنا محرومی و شقاوت کا دروازہ ہے، جب عام مسلمانوں سے حسن ظن کا حکم ہے تو خاصان خدا جو نفس کی آلائشوں سے پاک ہو گئے اور اللہ پر اپنی فداکاریوں جانبازیوں اور جاں نثاریوں سے اللہ کے پیارے ہو گئے ان سے بدگمانی کرنا کس قدر جرم عظیم اور موجب غضب الہی ہوگا۔ اس لئے مولانا فرماتے ہیں ۔

متہم کم کن بہ دزدی شاہ را

عیب کم گو بندۂ اللہ را

خاصان خدا پر عیب گوئی نہ کرو۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ فارسی میں کم مطلق نفی کے لئے آتا ہے قلت اور کمی کے لئے نہیں۔ لہذا اپنے عیب کو زیادہ اہمیت دو اپنے گناہ کو جو یقینی درجے میں داخل ہے اس کی فکر کرو، خود کو ملامت کرو استغفار و توبہ کرو دوسرے کے عیب پر نظر پڑ جائے تو یہی گمان رکھو کہ اس کی توبہ ہماری توبہ سے افضل ہوگی، اور اس کا قرب ہمارے قرب سے اعلیٰ ہوگا۔ شیخ سعدی شیرازی کے پیر و مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دو نصیحت کی تھی کہ کسی پر بری نظر مت ڈالو اور اپنے اوپر اچھی نظر مت ڈالو یعنی دوسروں کو بُرا نہ سمجھو اور اپنے کو اچھا نہ سمجھو ۔

یکے آں کہ بر غیر بد میں مباحش دویم آں کہ بر خویش خود میں مباحش

کیا عمدہ نصیحت ہے سبحان اللہ ارے اپنی فکر کرو کہ قیامت کے دن کیا ہوگا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اپنے گناہوں کو کوڑھ سمجھو اور دوسرے کے گناہوں کو زکام سمجھو۔ اپنے گناہوں کو پچانسی کا مقدمہ سمجھو اور دوسروں کے گناہوں کو میونسپلٹی کا چالان سمجھو۔ اگر کوئی پولیس والا کسی پر میونسپلٹی کا چالان کر رہا ہے تو کیا اس پر وہ شخص ہنسے گا جس پر پچانسی کا مقدمہ قائم ہے؟ لہذا یہاں پر میرا ایک شعر سنئے۔

نامناسب ہے اے دل ناداں

اک جذامی بنے زکامی پر

اگر ایک کوڑھ والا مریض زکام والے مریض پر ہنس رہا ہے کہ آبا چچینکیں آرہی ہیں تو لوگ کہیں گے کہ ارے احمق اپنے کوڑھ کی فکر کر کہ تیرے کوڑھ کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے سڑ رہا ہے سر سے پیر تک اور کسی کو زکام میں دیکھ لیا تو ہنس رہا ہے۔ ایک مراقبہ اور سنئے۔ ایک بادشاہ کا لڑکا ہے، گٹر میں گر گیا اور سب پیشاب پاخانہ اس کے لگ گیا بعد میں بادشاہ نے پولیس بھیج کر کے اس کو نکلا کر نہلا دھلا کر شاہی لباس پہنا کر عطر وغیرہ لگا کر اس کو پیار کیا اور سمجھایا کہ

بیٹا اس طرح سے نہیں چلا کرتے لیکن جن لوگوں نے اس کو دیکھا تھا
کٹر میں گرے ہوئے وہ ابھی تک اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور وہ شاہی
لباس میں بادشاہ کے قریب بیٹھا ہوا ہے۔ اب اگر کوئی اس شہزادہ کو
برا کہے گا تو بادشاہ اس کی کھال کھنچوا دے گا۔ پس اسی پر اللہ تعالیٰ کے
غضب کو قیاس کر لیجئے کہ اپنے اولیاء کی غیبت اللہ کو کس قدر
ناپسند ہوگی۔ حدیث قدسی میں حق تعالیٰ کا اعلان ہے کہ

مَنْ اَذَى لِيْ وَلِيٍّ فَقَدْ اِذْنَتْهُ لِلْحَرْبِ

جو میرے ولی کو ایذا پہنچائے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ علماء نے
لکھا ہے کہ یہ گناہ ایسا ہے جس پر سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ مثل مشہور
ہے کہ ہاتھی کو چھیڑ دو لیکن ہاتھی کے بچہ کو نہ چھیڑو ورنہ ہاتھی ضرور
انتقام لے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تاثر سے پاک ہے، کفر و سرکشی پر
بھی دنیا میں انتقام نہیں لیتے ورنہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ ملتا
لیکن اپنے پیاروں کی ایذا رسانی پر انتہائی غضب ناک ہوتے ہیں۔
مولانا رومی فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

تا دل صاحب دلے نامش بہ درد

کسی قوم کو اللہ تعالیٰ نے رسوا نہیں کیا جب تک اس نے کسی اللہ والے کو نہیں
ستایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی ایذا رسانی سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

مجلس درس مثنوی

۲۸ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز دوشنبہ بعد نماز فجر
سازمے سات بیچے بمقام خانقاہ لدائیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

اے عظیم از ما گناہان عظیم
تو توانی عفو کردن در حریم

ارشدانِ قدس! کہ مولانا رومی بارگاہِ خداوندی میں
عرض کرتے ہیں کہ اے عظیم الشان مالک ہمارے بڑے بڑے گناہ
آپ کی غیر متناہی عظمتوں کے سامنے کچھ نہیں ہیں۔ محترم مقام کی
وجہ سے کما و کیفاً حرم کا گناہ جرمِ عظیم ہے لیکن اے اللہ اگر ہم سے
کعبہ کے اندر بھی گناہ ہو جائے تو اس کو معاف کرنا آپ کو کچھ مشکل
نہیں ہے کیونکہ ہمارے گناہ کتنے ہی بڑے ہوں لیکن آپ کی رحمت
غیر محدود سے بڑے نہیں ہو سکتے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک
چیونٹی ہاتھی کے پاؤں میں لپٹ کر رو رہی ہو کہ حضور میں نے آپ کو
بہت تکلیف پہنچائی، میں نے آپ کے پاؤں کو کاٹ لیا تو ہاتھی کو ہنسی
آئے گی کہ او مالاً لائق مجھے تو احساس بھی نہیں ہوا کہ تو نے کب کاٹا۔

جو نسبت چوٹی کو ایک ہاتھی کے ساتھ ہے اللہ کی رحمت کے سامنے ہمارے گناہوں کی اتنی بھی نسبت نہیں کیونکہ ان کی رحمت غیر محدود ہے اور ہمارے گناہ کثیر سہی لیکن محدود ہیں لہذا کثیر محدود اپنی کثرت کے باوجود غیر محدود کے سامنے اقلیت میں ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اے اللہ ہمارے گناہوں سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، ہمارے گناہوں سے ہمیں کو نقصان پہنچتا ہے اس لئے ان گناہوں کو معاف کرنا جو آپ کو کچھ مضر نہیں آپ کے لئے کیا مشکل ہے۔ لہذا کتنا ہی بڑا گناہ ہو اللہ سے مایوس نہ ہو، وہ بہت بڑا مالک ہے، چاند سورج کا، بے شمار ستاروں کا، نظام شمسی اور نظام قمری کا مالک ہے ان کو ہمیں معاف کرنا کچھ مشکل نہیں۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ جس نے ایک بار بھی محبت سے اللہ کا نام لے لیا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں نہیں ڈالیں گے وہ ایسے کریم ہیں جس کو ایک بار مقبول بناتے ہیں پھر اس کو کبھی مردود نہیں کرتے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یوں کہے کہ میرے گناہ تو اتنے بڑے ہیں ان کو اللہ کیسے معاف کرے گا تو یہ شخص بظاہر بڑا متواضع نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں انتہائی متکبر ہے کیونکہ اپنے گناہوں کو اللہ کی رحمت سے بڑا سمجھتا ہے۔

مولانا ردی عرض کرتے ہیں کہ اے وہ ذات پاک جو بے مثل غیر محدود اور عظیم الشان ہے اور جس کی عظمت شان کے سامنے

ہمارے گناہوں کی عظیم ترین کثرت کی نسبت اتنی بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے اور ذرہ کو صحرا سے ہے لہذا ہمارے بڑے سے بڑے گناہ کو خُشّی کہ کعبۃ المکرمہ کے اندر بھی اگر ہم گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو جائیں تو اس جرم عظیم کو معاف کرنا بھی آپ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ پس اے اللہ ہمیں معاف فرمادیجئے۔

مگر اندر زشتی و مکر و ہیم

کہ ز پر زہرے چو مارے کو ہیم

ارشادِ شریف: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اَمَامَ مُحَمَّدٍ رَحْمَۃَ اللّٰهِ عَلَیْہِ فَرَمَاتے ہیں المکروہ ہو ضد المحبوب مکروہ محبوب کی ضد ہے لہذا جو مکروہ کام کرے گا وہ اللہ کا محبوب کیسے ہوگا۔ مولانا رومی دعا کرتے ہیں کہ اے خدا میری نالائقیوں، بُرائیوں، ناپسندیدہ باتوں یعنی رذائل باطنیہ کی طرف نظر نہ فرمائیے کیونکہ میں مثل پہاڑی سانپ کے زہریلا ہوں یعنی گناہوں اور نافرمانیوں کے زہریلے مادے میرے اندر بھرے ہوئے ہیں کہ اگر کوئی مانع نہ ہو اور آپ کا فضل نہ ہو تو میرا نفس کوئی گناہ نہ چھوڑے بس آپ ہی کی توفیق سے بچا ہوا ہوں۔ اور توفیق کی کیا تعریف ہے :

(۱) تَوْجِیْہُ الْاَسْبَابِ نَحْوُ الْمَطْلُوْبِ الْخَيْرِ خیر کے اسباب سامنے آجائیں۔

(۲) تَسْهِيْلُ طَرِیْقِ الْخَيْرِ وَ تَسْدِيْدُ طَرِیْقِ الشَّرِّ خیر کے راستے آسان

ہو جائیں اور شر کے راستے مسدود ہو جائیں۔

(۳) خَلَقَ الْقُدْرَةَ عَلَى الطَّاعَةِ طاعت اور فرمانبرداری کی قوت پیدا ہو جائے۔ یہ شرح تہذیب کی عبارت ہے۔

نفس نافرمانی سے بچ نہیں سکتا جب تک یہ توفیق اسے حاصل نہ ہو کیونکہ نفس امارہ بالسوء ہے یعنی کثیر الامر بالسوء ہے، گناہوں کا بہت زیادہ حکم کرنے والا، بُرائیوں پر انتہائی حریص ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں نفس کی یہ تعریف کی ہے النَّفْسُ كُلُّهَا ظُلْمَةٌ وَ سِرَاجُهَا التَّوْفِيقُ نفس سراپا ظلمت ہے اور اس کا چراغ توفیق ہے۔ جب توفیق نصیب ہو جاتی ہے تو یہ روشن ہو جاتا ہے اور مراقبہ میں نفس کی یہ تعریف کی گئی ہے الْحَسَنُ كَثِيفٌ وَالرُّوحُ لَطِيفٌ وَالنَّفْسُ بَيْنَهُمَا مُتَوَسِّطَةٌ جسم کثیف ہے، روح لطیف ہے، اور نفس ان دونوں کے درمیان متوسط ہے، اعمال صالحہ سے لطیف ہو جاتا ہے اور اعمال سیمہ سے کثیف ہو جاتا ہے اور نفس کی جو تعریف حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے نہایت عجیب و غریب اور جامع ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ نفس نام ہے مرغوباتِ طبعیہ غیر شرعیہ کا، نفس کی وہ مرغوبات، جن کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو یعنی نفس کی وہ پسندیدہ باتیں جن سے اللہ راضی نہ ہو۔

نفس کی زشت خوئی تو لَآ مَسَارَةَ بِالسُّوءِ سے منصوص ہے، اپنی

فطرت کے اعتبار سے یہ کثیر الامر بالسوء ہے ، نافرمانیوں کے زہریلے ماڈے اور گناہوں کے شدید تقاضے اس کے اندر ہیں اگر اِلَّا مَا رَجِمَ رَبُّنِی کا سایہ نہ ہو تو اس کے شر سے انسان بچ نہیں سکتا اسی لئے اس شعر میں مولانا اللہ تعالیٰ سے اس کی زشت خوئی اور تقاضائے خبیثہ کو عرض کر کے دراصل اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت کی درخواست کر رہے ہیں کہ اپنی رحمت سے مجھے اس کے شر سے بچا لیجئے ۔

در کمال زشتیم من منتہی
لطف تو در فضل و در فن منتہی

اے اللہ میں بُرائیوں کے کمال میں انتہا کو پہنچا ہوا ہوں ، منتہی فی السوء ہوں ، بُرائیوں میں میں اپنی مثال آپ ہوں اور آپ کا کرم مغفرت و معافی بخشش و درگزر میں کمال غیر محدود کا مقام رکھتا ہے ۔

حاجت ایں منتہی زان منتہی
تو بر آر اے غیرت سرو سہی

اے خدا میرا یہ نفس جو بُرائیوں اور رذائل میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے اس منتہی فی الرذائل کی اصلاح اپنے بے پایاں اور غیر متناہی لطف و کرم سے فرمادیجئے کہ آپ خالق سرو سہی ہیں جو حسن و دلکشی میں ضرب المثل ہیں پس اخلاق رذیلہ کے سبب میرا نفس کریہہ المنظر ہے اس کو اخلاق حمیدہ سے آراستہ کر کے رشک سرو سہی بنادیجئے ۔

مجلسِ درسِ مثنوی

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۹۷ء بروز سہ شنبہ (منگل)
بوقت ۷ بجے صبح بہ مقام خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ گلشنِ اقبال بلاک ۲ کراچی

اے محبتِ عفو از ما عفو کن
اے طبیبِ رنجِ ناسور کہن

ارشادِ فرمایا کہ مولانا رومی بارگاہِ خداوندی میں
عرض کرتے ہیں کہ اے معاف کرنے کو محبوب رکھنے والے اللہ
میرے گناہوں کو معاف فرمادیجئے اور اے طبیبِ رذائلِ باطنیہ کے
پُرانے ناسور کے میرے تمام امراض و رذائلِ باطنیہ کو شفاء دے
دیجئے۔

مولانا کا یہ شعر بخاری شریف کی ایک حدیث سے مستفہم ،
مستفید و مستفید ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم ارشاد فرماتے ہیں :

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُجِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ

بعض کتبِ احادیث میں عفو کے بعد کریم کا اضافہ ہے۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ بہت معافی دینے والے ہیں۔ ملا علی قاری نے عَفُو کی شرح کی ہے کَثِيرُ الْعَفْوِ یعنی جو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہو اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارحم الراحمین کے دریائے رحمت میں جوش دلانے کے لئے کریم کا اضافہ فرمایا تاکہ میری اُمت کے نالائقوں، نااہلوں، گنہگاروں اور خطاکاروں کی بھی معافی ہو جائے اور اُمت کا کوئی فرد ایسا نہ رہے جس کو معاف نہ کر دیا جائے کیونکہ کریم وہ ہے جو اپنے کرم سے نالائقوں کو بھی محروم نہ کرے اور ناقابلِ معافی کو معاف فرمادے۔ اور محدثین نے کریم کے چار معافی بیان کئے ہیں :

(۱) الْمُتَفَضِّلُ عَلَيْنَا بِذُنُوبِ الْإِسْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّةِ کریم وہ ہے جو اپنے کرم سے نالائقوں کو بھی محروم نہ کرے، جس کا حق نہ بنتا ہو اس کو بھی عطا فرمادے۔

(۲) الْمُتَفَضِّلُ عَلَيْنَا بِذُنُوبِ مَسْئَلَةٍ وَلَا سُؤَالٍ جو بغیر سوال بغیر مانگے ہوئے ہم پر مہربانی کر دے۔ بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بغیر مانگے عطا فرمائی ہیں جیسے ہمارا ایمان محض حق تعالیٰ کا کرم ہے اس میں ہماری کسی محنت کا دخل نہیں، عالم ارواح میں ہم بے زبان تھے، ہم نے سوال نہیں کیا تھا کہ اے اللہ ہمیں مسلمان کے گھر میں پیدا کیجئے لیکن بدون طلب اور بدون سوال مسلمان کے گھر میں پیدا کر کے ایمان عطا فرمادیا اور مفت میں جنت کا ٹکٹ دے دیا۔ اسی طرح ہر لمحہ

بے شمار افضال و عنایات بدون سوال عطا فرماتے ہیں۔

(۳) الْمُتَفَضِّلُ عَلَيْنَا فَوْقَ مَا نَسْتَمْنِي بِهِ یعنی جو ہماری تمنائوں سے زیادہ دے دے جیسے ایک کریم سے کسی نے ایک بوتل شہد مانگا اس نے ایک مشک دے دیا۔ کسی نے کہا کہ اس نے تو ایک بوتل مانگا تھا آپ نے پوری مشک کیوں دی۔ کہا کہ اس نے مانگا اپنے ظرف کے مطابق میں نے دیا اپنے ظرف کے مطابق۔ جب دنیاوی کریموں کا یہ حال ہے جن کو کرم کی ایک ذرہ بھیک مل گئی ہے تو اس کریم حقیقی کے کرم کا کیا ٹھکانہ ہے۔

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دئے ہیں دُر بے بہا دئے ہیں

(۴) الْمُتَفَضِّلُ عَلَيْنَا وَلَا يَخَافُ نَقَازَ مَا عِنْدَهُ کریم وہ ہے جو ہمیں بے انتہا عطا فرمادے اور اپنے خزانوں کے ختم ہونے کا جسے اندیشہ نہ ہو کیونکہ غیر محدود خزانوں کا مالک ہے اور اپنے خزانوں سے بے نیاز ہے، ہمارے لئے ہی وہ خزانے ہیں۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ بہت معافی دینے والے ہیں اور کریم بھی ہیں کہ نالائقوں کو اور ناقابل معافی کو معاف فرمادیے ہیں تُحِبُّ الْعَفْوَ اور صرف معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ اپنے بندوں کو معاف کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے اُنّی

اَنْتَ تُحِبُّ ظُهُوْرَ صِفَةِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِكَ ۔ تُحِبُّ الْعَفْوَ کی یہ شرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عمدہ فرمائی کہ اپنے بندوں پر اپنی مغفرت کی صفت ظاہر کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے یعنی اپنے گنہ گار بندوں کو معاف کرنے کا عمل آپ کو نہایت پیارا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے مزاج الوہیت اور مزاج ربوبیت کو کون پہچان سکتا ہے لہذا اپنی اُمت کو معافی دلانے کے لئے آپ کس کس عنوان سے حق تعالیٰ کی ثنا فرما رہے ہیں کیونکہ ثناء المکریم ذِعاۃ کریم کی تعریف کرنا اس سے مانگنا ہے جیسے کسی کریم سے کہا جائے کہ آپ کسی کو محروم نہیں کرتے تو اس کے معنی ہیں کہ ہمیں بھی عطا فرمادیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے اُمت کو معافی دلوانی تھی اس لئے آپ نے حق تعالیٰ کی صفت عفو کا واسطہ دیا کہ اے اللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کے عمل کو آپ خود محبوب رکھتے ہیں لہذا معاف کرنے کے عمل کو جاری کرنے کے لئے کوئی سبب ، کوئی تحفہ تو ہونا چاہئے لوگ بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو شاہوں کے مزاج کے موافق تحائف لے کر جاتے ہیں ۔ آپ تو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں سلطان السلاطین ہیں ہم آپ کے مزاج کو کیسے پہچان سکتے تھے کہ ہم حادث آپ قدیم ہم فانی آپ لافانی یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ ہم کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب عمل ہم پر جاری ہونے کا راستہ توبہ و ندامت ہے لہذا

ہم گنہگار اپنے گناہوں پر ندامت اور توبہ کی گٹھری کا تحفہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی درخواست کرتے ہیں کہ فاعف عنی ہم گنہگاروں کو معاف فرما کر اپنا محبوب عمل ہم پر جاری کر دیجئے۔ آپ کا محبوب عمل ہو جائے گا اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا لہذا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاء تعقیبیہ لگا دی کہ اے اللہ معاف کرنے میں دیر نہ کیجئے، جلد معاف کر دیجئے کیونکہ معاف کرنا آپ کو خود محبوب ہے۔

من نگویم کہ طاعتم بہذیر
قلم عفو بر گناہم کش

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ میری طاعتوں کو قبول فرمائیں کیونکہ میری کوئی طاعت قبولیت کے قابل نہیں، بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے گناہوں پر قلم عفو پھیر دیں، میرے جرائم کو محو فرمادیں۔

کیما داری کہ تبدیلیش کنی
گرچہ جوئے خوں بود نیلیش کنی

اَرَشَادِ فَرَمَایَا کُنْکَ مولانا رومی دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ اگرچہ میرے باطن میں اخلاقِ رذیلہ کا دریائے خون بہہ رہا ہے یعنی میرے اعمال و اخلاق نہایت خراب ہیں لیکن آپ کی رحمت ایسا عجیب

کیمیا رکھتی ہے کہ آپ ہمارے اخلاقِ رذیلہ کے دریائے خون کو اخلاقِ حمیدہ کا دریائے نیل بنا سکتے ہیں یعنی ہماری سینات کو حسنت سے اور ہمارے رذائل کو فضائل سے تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس مضمون پر احقر کے چند اشعار :

ترے دستِ کرم کی کیمیا تاثیر کیا کہئے
کسی ذرّہ کو تیرا دم میں خورشید و قمر کرنا
جو تیری راہ میں رو باہِ خصلت سے ہیں پسماندہ
تجھے مشکل نہیں ایسوں کو رشکِ شیرِ نر کرنا
تجھے مشکل نہیں مسکیں کو سلطانِ جہاں کردے
کرم سے اپنے اختر کو ترا شمس و قمر کرنا
یہی ہے راستہ اپنے گناہوں کی تلافی کا
تری سرکار میں بندوں کا ہر دم چشمِ تر کرنا



کیست ابدال؟ آں کہ او مبدل شود
خمرش از تبدیل یزداں خل شود

ارشادِ فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ابدال کون ہے؟ جس کے اخلاق بدل جائیں، جس کا ظاہر و باطن قبیح سنت و شریعت ہو جائے اور جس کے اخلاقِ رذیلہ کی شرابِ اللہ کے فضل

و مشیت سے اخلاق حمیدہ کے سرکہ سے تبدیل ہو جائے۔ دنیوی شراب میں اگر سرکہ ڈال دیا جائے تو شراب سرکہ بن جاتی ہے۔ جس کا چکھنا حرام تھا، جس کو پی کر لوگ بد مست اور بد عقل ہوتے تھے اب سرکہ بن کر نعم الادم یعنی بہترین سالن بن گئی جس کو کھا کر اب لوگ قوت اور صحت حاصل کرتے ہیں اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ تبدیل کرنے کا فیصلہ فرماتے ہیں اس کی گناہوں کی بدمستیاں اور تقاضائے معصیت وغیرہ جملہ اخلاق رذیلہ اخلاق حمیدہ سے بدل جاتے ہیں۔ کل تک جو اللہ سے غافل تھا اب ہمہ وقت اللہ کی یاد سے مست ہے اور ایک مخلوق اس سے اللہ کی محبت حاصل کرنے کو اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے، اس کی حیات باعث حیات دیگران ہوتی ہے۔ پس حقیقی ابدال وہی ہے جو بدل جائے جس کے ظاہر و باطن کو تعلق مع اللہ علی سطح الولاية الصدیقت نصیب ہو جائے۔ اس کی دلیل اس کے زبانی دعوے نہیں بلکہ اس کی استقامت علی التقویٰ ہوگی کہ کسی حال میں وہ اللہ تعالیٰ کے دائرہ غلامی سے نہیں نکلے گا ورنہ محض زبانی دعووں سے کیا ہوتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ ہمارے گاؤں میں ایک شخص ہے جو دعویٰ کرنے لگا ہے کہ وہ ابدال ہے۔ حضرت حکیم الامت نے ہنس کر فرمایا کہ جی ہاں یہ پہلے گوشت تھا اب دال ہو گیا اور فرمایا کہ اس کا یہ دعویٰ دلیل ہے اس کے ابدال نہ ہونے کی کیونکہ جو ابدال ہوتا ہے وہ گاتا

نہیں پھرتا کہ میں ابدال ہوں۔ اہل اللہ تو اپنے آپ کو چھپاتے ہیں،
اپنے اشتہار نہیں لگاتے۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سر من پیدا مکن

اے خدا اگر میرے گناہ بے شمار ہیں تو آپ کا پردہ ستاریت بھی تو غیر
محدود ہے پس میرے بے شمار لیکن محدود گناہوں کو اپنے غیر محدود
پردہ ستاریت کے کسی گوشہ میں چھپا دیجئے اور اس بندہ کو رسوا نہ کیجئے۔
اگرچہ میں بُرا ہوں لیکن میرے عیوب کو آپ نے مخلوق سے چھپایا
ہے پس آپ ہمیشہ میری پردہ پوشی فرمائیے اور میرے عیوب کو مخلوق
پر ظاہر نہ کیجئے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

ہمارے پردادا پیر سید الطائفہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ
صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کعبۃ المکرمہ کے سامنے ساری رات سجدہ میں
اس شعر کو پڑھتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔



مجلس درس مثنوی

۲ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۹۸ء بروز جمعرات بعد نماز فجر
بوقت چھ بج کر پینتالیس منٹ بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال ۲ کراچی

سوئے آہوئے بصیدی تافتی

خویش را در صید خو کے یافتی

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ تم ہرن
کی تلاش میں دوڑے ناز و تختہ کے ساتھ کہ آج ہم ضرور ہرن کا
شکار کریں گے لیکن تمہارا ناز ٹوٹ گیا اور اچانک تم نے اپنے کو دیکھا
کہ ایک جنگلی سور نے جھاڑی سے نکل کر تم کو منہ میں دبا لیا اور اپنے
بڑے بڑے دانتوں سے تمہیں چبانے لگا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے ہی بعض سالک نسبت مع اللہ اور
حصول دولت تعلق مع اللہ کے لئے شیخ سے وابستہ ہو کر ذکر و عبادت
میں مشغول ہوتا ہے تاکہ اللہ کے قرب کا ہرن حاصل کرے مگر نفس
و شیطان جنگلی سور کی طرح کسی معشوق مجازی کے عشق میں مبتلا
کردیتے ہیں۔ شیطان تو نفس کو اکسا کر چلا جاتا ہے پھر نفس کا جنگلی

سور اس کو اپنے منہ میں چباتا رہتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ مولیٰ تک پہنچتا کسی مرنے والی لاش پر فدا ہو جاتا ہے۔ یعنی کسی لڑکی یا امرد یعنی نوجوان مرد کی محبت میں مبتلا ہو کر پیشاب اور پاخانے کے مقام پر انتہائی ذلت اور پستی کے ساتھ اپنی زندگی کے شب و روز ضائع کر کے خسرا الدنیا و الآخرة کا مصداق بن جاتا ہے۔ نفس کا طبعی مزاج کرگسی ہے یعنی نفس بالطبع کرگس ہے، مردہ خور ہے۔ بڑی مشکل سے اس کو پاکی ملتی ہے ایک زمانہ چاہئے اللہ سے روتے ہوئے اور شیخ کی خدمت کرتے ہوئے اور اس کی دعائیں لیتے ہوئے۔ مالک کا جب فضل ہوتا ہے تب جا کر پھر مردہ خوری سے اس کو نجات ملتی ہے اور اس کی کرگسیت شاہبازیت سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ جب یہ تبدیلی ہوتی ہے اس مقام تبدیلی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کی دعاؤں سے اور طالب کی ہمت اور ارادہ سے جب اللہ کا فضل ہو جاتا ہے تو سالک کو غیر اللہ سے نجات مل جاتی ہے۔ تب فرماتے ہیں ۔

باز سلطانم گشم نیکو پیم

فارغ از مردارم و کرگس نیم

یہ گشم گشم تھا مگر ”ت“ کی وجہ سے وزن گر رہا تھا لہذا ”ت“ کو حذف کر دیا گیا ضرورت شعری کی وجہ سے۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سلطان کا یعنی اپنے اللہ کا باز شاہی ہو گیا ہوں، ان کے قرب سے

مشرف ہو گیا ہوں اور لذت قرب یار نے مجھے بیگانہ اغیار کر دیا ہے ۔
یعنی میں تمام گناہوں سے توبہ کر چکا ہوں اور توبہ کی سواری عجیب
سواری ہے جس پر بیٹھ کر ہر شخص پستی سے پھر بلندی کی طرف اڑ
سکتا ہے ۔

مرکب توبہ عجائب مرکب است
تا فلک تا زد بیک لحظہ ز پست

مولانا فرماتے ہیں کہ توبہ کی سواری عجیب بابرکت سواری ہے جو
گنہگاروں کو آن واحد میں گناہ کی ذلت کے غار سے نکال کر حق تعالیٰ
کی بارگاہ قرب میں پہنچا دیتی ہے ۔ گناہ گاروں کے آہ و نالوں سے
دریائے رحمت میں اس طرح جوش آتا ہے کہ کافر صد سالہ دم میں
فخر اولیاء بن جاتا ہے ۔

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گہر صد سالہ ہو فخر اولیاء

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا يَبِينُ الْمُؤْمِنِينَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ
رَجُلٍ الْمُسْتَجِيرِ (روح پ ۳۰) گنہگاروں کا رونا مجھے تسبیح پڑھنے والوں
کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے ۔

اے جلیل اشک گنہگار کے اک قطرہ کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

تو مولانا فرماتے ہیں کہ توبہ کی برکت سے اب میں نیک ہو گیا ہوں اور مردہ کے عشق و محبت سے پاک ہو گیا۔ اے دنیا والو اب میں گدھ نہیں ہوں، اب میں کرگس نہیں رہا اب میں اس حی و قیوم کے قرب اعلیٰ سے مشرف ہوں اور کرگسی صفت سے مجھے اللہ تعالیٰ نے پاک فرمادیا ہے۔ باز سلطان اور ہوتا ہے پھر وہی دوسروں کا شکار کر کے انہیں سلطان تک لے جاتا ہے، کرگس نہیں لے جاسکتا لہذا باز شاہی سے دوستی کرو وہ تمہیں سلطان تک پہنچا دے گا اور اگر کرگس سے دوستی کرو گے تو وہ تم کو لے کر کسی مردار کے پاس پہنچ جائے گا۔ اس لئے مولانا رومی نے فرمایا کہ ۔

یار مغلوباں مشو ہیں اے غوی

یار غالب جو کہ تا غالب شوی

ہیں معنی خبردار اور غوی معنی نادان، بے وقوف، سرکش یعنی اے بے وقوف اور نادان جو خود نفس و شیطان سے مغلوب ہیں ان کو اپنا یار مت بناؤ۔ جو پیر عورتوں سے ناکلمیں دیوار ہے ہیں، چرس پی رہے ہیں، سئے کا نمبر بتا رہے ہیں، طبلہ اور ڈھولک پر قوالی سن رہے ہیں، نہ نماز ہے نہ روزہ، یہ تو خود مغلوب ہیں، نفس و شیطان کے ایجنٹ ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ ورنہ تم بھی مغلوب ہو جاؤ گے لہذا ایسے لوگوں کو دوست بناؤ جو کہ اپنے نفس کے رذائل پر غالب آچکے۔ اگر

تم کو اپنے نفس پر غالب ہونا ہے تو ایسے لوگوں کی صحبت میں رہو جو اپنے نفس پر غالب آچکے ہیں۔ تو غالب کی صحبت تم کو غالب کر دے گی یعنی ان کی صحبت کی برکت سے تم بھی اپنے نفس پر غالب ہو جاؤ گے۔ حکیم الامت نے وعظ میں اس مضمون کو بیان فرمایا کہ ایک آدمی ایک نواب صاحب کے یہاں ملازم تھا اور بیگمات کی خدمت اس کے سپرد تھی۔ کئی سال تک عورتوں میں رہا، باہر نکلا ہی نہیں۔ ایک دن محل میں ایک سانپ نکل آیا تو بادشاہ کی بیویوں نے کہا کہ ارے بھئی کسی مرد کو بلاؤ جو اس کو مارے تو وہ مرد بھی چیخنے لگا کہ ارے بھئی کسی مرد کو بلاؤ۔ بیگمات نے کہا کہ آپ بھی تو مرد ہیں تو کہا کہ واللہ کیا میں بھی مرد ہوں۔ تو حضرت نے فرمایا صحبت کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ اس ظالم کو اپنا مرد ہونا بھی یاد نہ رہا۔ اسی لئے دیہات میں رہنے کو ظلم کہا گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے مَنْ مَسَكَ الْبَادِيَةَ حَقًّا جَوَّادٌ میں رہتا ہے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا کیونکہ گاؤں میں اکثر مدارس اور دارالعلوم نہیں ہوتے اور وہاں بڑے علماء اور بزرگان دین نہیں رہتے، علمی ماحول نہیں ہوتا زیادہ تر جہلاء میں رہنا پڑتا ہے وہاں دین سیکھنے کا اور دینی کام کرنے کا موقع نہیں ہوتا۔ اس لئے شہر میں رہنے میں خیر ہے جہاں بڑے بڑے علماء ہوں وہاں دین کی خدمت کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ سورۃ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ماں باپ گاؤں سے جب شہر میں آگئے

تو انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ شہری زندگی کے گاؤں کی زندگی سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گاؤں میں جسمانی عافیت بھی نہیں ہوتی اور دین کی ترقی بھی نہیں ہوتی۔ جو خود بھی بڑا اللہ والا ہوگا آہستہ آہستہ کمزور ہو جائے گا کیونکہ اسے میدان نہیں ملے گا دین پھیلانے کا۔ گاؤں میں نماز باجماعت تک کی پابندی نہیں ہوتی۔ بس دن بھر اپنی کھیتی باڑی کر کے آئے اور رات کو الگ الگ نماز پڑھ کے سو گئے۔

اس شعر میں مولانا اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور تصرفات عجیبہ کو ایک مثال سے بیان فرما رہے ہیں کہ مثل ہرن کے شکاری کے بعض سالکین حصول نسبت مع اللہ کے لئے سلوک طے کرنا شروع کرتے ہیں لیکن ناز و تکبر کے سبب خود نفس کے جنگلی سور کا شکار ہو جاتے ہیں اور عشق مجازی کے عذاب میں مبتلا ہو کر اللہ تک نہیں پہنچ پاتے اس لئے مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ ناز و نخرے مت کرو اپنے کو حقیر و ذلیل و کمزور سمجھو اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت پناہ مانگتے رہو کہ اے خدا اپنی رحمت سے ہمیں اپنی حفاظت میں لے لے اور اپنی منزل قرب تک رسائی نصیب فرما۔ دوسرے شعر میں مولانا فرماتے ہیں ۔

تیر سوئے راست پرانیدہ

سوئے چپ رفتہ است تیرت دیدہ

اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور قدرت قاہرہ کو بندوں کے ناز و تکبر کی شکست و ریخت کے لئے مولانا اس شعر میں دوسری مثال سے بیان کر رہے ہیں کہ اے شخص تو نے تیر کو داہنی طرف چلایا مگر تو نے دیکھا کہ تیرا وہ تیر بائیں طرف اڑا جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی قدرت سے استمداد اور دعا اور تضرع نہیں کرتے ہو بلکہ ناز کرتے ہو اپنے کمالات پر۔ پس اے سالک تجھے اپنی تدبیر پر ناز نہ کرنا چاہئے۔ تدبیر کا مفید نتیجہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے لہذا تم کو تو اللہ سے دعا کر کے تیر مارنا چاہئے تھا کہ یا اللہ میرا تیر میری منزل تک پہنچا دیجئے یعنی میری تدبیر کو اپنی منزل قرب تک رسائی نصیب فرمائیے اور عجب و کبر سے تحفظ عطا فرمائیے کیونکہ عجب و کبر کی نحوست سے جب اللہ کی رحمت اور نصرت ہٹ جاتی ہے تو تدبیر کا اثر الٹا ہو جاتا ہے۔

از قضا سر کنکبیں صفرا فزود

روغنِ بادام خشکی می نمود

مولانا فرماتے ہیں کہ سبکدھن جو باعتبار تدبیر کے قاطع صفراء ہے قضاے حق سے باعتبار انجام زیادتی صفراء کا سبب بن جاتی ہے۔

گہہ چو کابو سے نماید ماہ را

گہہ نماید روضہ قعر چاہ را

ارشاد فرمایا کہ خود بینی اور تکبر کی نحوست سے قلب کی بصیرت میں فساد آجاتا ہے جس کی وجہ سے بصارت فاسد ہو جاتی ہے اور ایسا شخص حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ اہل اللہ اور مقبولان بارگاہ کے چہرہ انور بد بختوں کو منحوس اور بُرے نظر آتے ہیں اور اہل باطل کے چہرے ان کو محبوب اور منور معلوم ہوتے ہیں۔ اس ابتلاء کا سبب ان کے باطن کا کبر اور اعراض ہوتا ہے کما قال تعالیٰ بَلْ طَعَّ اللَّهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ ان کے مسلسل کفر اور کفر پر ہمیشہ قائم رہنے کی نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی اور یہ ظلم نہیں ہے کیونکہ ان کا ارادہ حق کو قبول کرنے کا تھا ہی نہیں اس لئے مہر لگادی گئی لہذا یہ عذاب قہر ہے جو انبیاء اور اولیاء کے چاند جیسے چہروں کو کابوس (ڈراؤنی شکل) دکھاتا ہے اور کفر کے تاریک کنویں کو خوش نما باغ دکھاتا ہے۔ مولانا رومی دوسرے شعر میں فرماتے ہیں ۔

اشقیاء را دیدہ بینا نبود

نیک و بد در دیدہ شال یکساں نمود

بد بخت لوگوں کی چشم بصیرت خراب تھی اور ظاہری بصارت باطنی بصارت کے تابع ہے پس فساد باطن اور فساد قلب کے سبب ان

کی آنکھوں میں نیک و بد کی پہچان نہ تھی اور بروں کو نیک اور نیکوں کو برا سمجھنے لگے۔

ہم سری با انبیاء برداشتند

اولیاء را ہیمو خود پنداشتند

اپنی شقاوت اور کور باطنی (بد بختی اور بصیرت کے اندھے پن) اور قلبی فساد یعنی عجب و تکبر کے سبب انبیاء کی برابری کرنے لگے اور اولیاء اللہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور ان کو اپنی طرح قیاس کیا جیسا کہ حکایت ہے کہ ایک حبشی نے جنگل میں ایک آئینہ گرا ہوا دیکھا اور اس کے اندر اپنی کالی صورت لمبے لمبے دانت اور مونے مونے ہونٹوں کو دیکھ کر آئینہ کو گالی دے کر کہا کہ کمبخت بد صورت منحوس تیری ایسی بھدی شکل ہے جیسی تو جنگل کے ویرانے میں کسی نے تجھے پھینک دیا ہے۔ اگر حسین ہوتا تو گھروں میں لوگ تجھ کو آراستہ کر کے رکھتے اس ظالم کو یہ خبر نہ تھی کہ اس آئینہ میں خرابی نہ تھی بلکہ اس کی اپنی ہی صورت کا عکس تھا۔ چنانچہ بصیرت کے اسی اندھے پن کے سبب ابو جہل کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک نہایت بُرا نظر آتا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بصیرت صحیحہ یہ فیصلہ کر رہی تھی كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں مجھ کو آفتاب چلتا ہوا

نظر آتا تھا۔

لہذا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور شامت عمل سے جب اللہ کا قہر نازل ہو جاتا ہے تو اسی طرح اولیاء کی معرفت بھی نہیں ہوتی خصوصاً اللہ سے اپنے شیخ کی محبت و عظمت مانگنی چاہئے کیونکہ اگر اپنے شیخ کو حقارت سے دیکھے گا تو وہ شخص کبھی فلاح نہیں پاسکتا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں مَنْ إِعْتَرَضَ عَلَى شَيْخِهِ وَ نَظَرَ إِلَيْهِ إِحْتِقَارًا فَلَا يُفْلِحُ أَبَدًا جس نے اپنے شیخ پر اعتراض کیا اور اس کو حقارتانہ نظر سے دیکھا تو یہ شخص کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی جب کسی حسین کو دیکھ کر نفس میں خوشی کی لہریں اٹھیں تو اللہ سے فوراً ڈر جاؤ اور سمجھ لو کہ یہ وہی کنویں کا اندھیرا ہے جو تقلیب البصار سے بہترین باغ معلوم ہو رہا ہے۔ اس سے توبہ کرو کیونکہ نافرمانی سے خوش ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی ہے۔ جب نفس کسی حسین کو دیکھ کر خوشی اپورٹ کرے، درآمد کرے، جو حرام خوشیاں اور ہدمستیاں آئیں تو نظر ہٹا کر نفس کو کوئی تکلیف دہ بات یاد دلادو، دوزخ کی آگ کا تصور کرو، قبر کی منزل یا قیامت کی پیشی کو یاد کرو یا تنہائی میں جا کر اپنی کھوپڑی پر تین جوتے لگا لو کہ کیوں خوش ہوا، نفس کو فوراً اتنا غم دو کہ توازن اور بیلنس صحیح ہو جائے اور غم پہنچانے کا ایک اور راستہ بزرگوں نے بیان کیا ہے کیونکہ بعض وقت نفس دوزخ اور عذاب قبر اور قیامت کی پیشی وغیرہ سے بھی متاثر نہیں ہوتا وہ پاگل سا ہو جاتا ہے لہذا اس نفس کو غم

دینے کا بہترین اور مجرب علاج مشائخ نے بتایا کہ فوراً وضو کرو اور آٹھ دس رکعات نفس سے پڑھو الو۔ بس یہ رکعات سارے مراقبوں سے بھاری پڑیں گی۔ پھر شیطان بھی پیچھا چھوڑ دیتا ہے کہ اس سے بد نظری تو میں نے کرائی اور میں نے کوشش کر کے فوکس ڈالا، اس حسین کے چہرے پر مسمریزم کیا جس سے وہ چار آنہ حسن ان کو سولہ آنہ نظر آیا۔ لال لال گالوں کو اور زیادہ لال دکھا کر لالوں کو لالہ زار بنادیا اور یہ لالے جان کے چھالے ہیں جس سے ان کی جان کے ہی لالے پڑ گئے لیکن اس نے اشکبار آنکھوں سے توبہ کر لی اور توبہ سے خطا معاف ہو گئی اور آٹھ دس رکعات مزید پڑھ لیں اور کچھ صدقہ خیرات بھی کر دیا جس سے اللہ کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے ان الصدقة تطفی غضب الرب الخ یہ سب نیکیاں مستزاد اس کے نامہ اعمال میں چڑھ گئیں۔ لہذا شیطان کہتا ہے کہ میری بزنس تو یہاں بالکل لاس (خسارہ) میں جا رہی ہے لہذا توبہ کرنے والے کا تعاقب چھوڑ دیتا ہے۔

شیخ کے مشورہ سے گناہ کے ترک کیلئے صدقہ کرنا نہایت مفید ہے۔ ایک شخص یوپی میں کپڑا بیچتا تھا، میرا پیر بھائی تھا۔ اس نے اپنا واقعہ سنایا کہ اس نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم سے گزارش کی کہ حضرت مجھے بد نظری کی سخت عادت ہے اور میرا کپڑے کا کاروبار ہے جہاں اکثر عورتیں ہی خریدنے آتی ہیں اور وہ ہر

کپڑے میں ”فی“ نکالتی رہتی ہیں کہ اس میں یہ خرابی ہے اور اس میں وہ۔ ان سے بات بھی کرنا پڑتی ہے حضرت ہر دوئی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ نظر نیچی کر کے سودا دے دو۔ ان کو غور سے مت دیکھو جیسے ریل گذرتی ہے تو درختوں کو تو دیکھتے ہیں مگر پتے نہیں گنتے ایسے ہی تم اچنی پھٹی سطحی نظر ڈالو کہ حسن کا ادراک نہ ہو اور اس کی ناک کے اٹھان کی پیمائش مت کرو اور آنکھوں کو مت ناپو کہ کتنی بڑی ہیں۔ پھر توبہ اور استغفار بھی کرو اور اگر بد نظری ہو جائے تو پانچ روپیہ فی نظر صدقہ کرو اور صدقہ میرے مدرسہ میں بھیجو کیونکہ بعض وقت میں وہ ظالم صدقہ بھی انہیں معشوقوں پر خرچ کرتا ہے۔ جو نمکین یا نمکینہ اس کو پسند آئی اسی پر صدقہ کر دیتا ہے اور اس شعر کا مصداق ہو جاتا ہے۔

میر کیا سلاے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب

اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

آپ بتائیے بزرگوں کی نظر کہاں تک جاتی ہے۔ حضرت نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ خیرات بھی انہیں ہی دے دے لہذا فرمایا کہ میرے مدرسہ میں بھیجو اس نے ایک دن دس بد نظری کی تو پچاس روپیہ بھیجنا پڑا۔ اس نے سوچا کہ پچاس ہی روپے تو آمدنی ہوتی ہے اگر یہی خیرات کروں گا تو کھاؤں گا کہاں سے، بیوی بچے بھوکے مریں گے لہذا اس نے پانچ نظر کم کر دیا پھر بھی ادھی آمدنی نکل گئی تو گوشت روٹی میں

کمی آگنی دال پر آگیا۔ غرض اس طرح آہستہ آہستہ یہ عادت چھوٹ گئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ تین سال ہو گئے ایک بار بھی نظر خراب نہیں کی۔ یہ شیخ کی کرامت ہے۔ اگر یہ خود سے اپنے اوپر جرمانہ کرتا تو فائدہ نہ ہوتا۔ شیخ کے مشورہ میں اللہ تعالیٰ نے برکت اور خاصیت رکھی ہے۔ ایک دوا آپ کھالیں اور وہی دوا حکیم کے مشورہ سے کھائیں فرق ہو جائے گا۔ ساؤتھ افریقہ میں ایک عالم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ہر وقت با وضو رہنا چاہتا ہوں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے میں نے کہا کہ ہر وقت با وضو رہنا تو اس کا کیا کہنا لیکن صحابہ کے جسم ماشاء اللہ مضبوط تھے ان کی صحت بہت اچھی تھی۔ اس زمانہ میں اب صحت اس قابل نہیں کہ ریا کو دیر تک روکا جائے کیونکہ اگر ریا (گیس) کا خدا نخواستہ دل کی طرف رجوع ہو جائے تو ہارٹ اٹیک بھی ہو سکتا ہے لہذا ہر وقت با وضو رہنے کی کوشش نہ کرو لیکن آنکھوں کو ہر وقت با وضو رکھو یہ اس کا بہترین بدل ہے۔ اس مشورہ سے وہ عالم بہت محفوظ ہوئے۔ با وضو ہیں اور عورتوں کو دیکھ رہے ہیں تو ایسے وضو سے کیا فائدہ۔ ہمارے یہاں ایک گانے والی خبیثہ کا بیان اخباروں میں آیا تھا کہ میں با وضو گانا گاتی ہوں تو میں نے کہا کہ اگر کوئی کہے کہ میں با وضو زنا کرتی ہوں تو کیا زنا حلال ہو جائے گا وضو کرنے سے! بلکہ حرام چیز پر بسم اللہ پڑھنا یا حرام کام کے لئے وضو کرنا اس میں اندیشہ کفر ہے۔ لہذا آنکھوں کا وضو رکھو کہ آنکھ سے کوئی غلط اور حرام لذت استیاد

اور امپورٹ نہ کرو تو گویا آپ با وضو ہیں یعنی گناہوں سے پاک ہیں۔
گناہ سے بچنا با وضو رہنے سے افضل ہے۔

چوں مقلب بود حق البصار را

او بگر داند دل و افکار را

ارشادِ فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقلب البصار بھی ہے اور مقلب قلوب و افکار بھی ہے یعنی جو اللہ تمہاری نگاہوں میں تصرف کرنے پر قادر ہے وہ تمہارے دل پر تصرف کرنے پر بھی قادر ہے۔ جو البصار کو تبدیل کر سکتا ہے وہ افکار کو بھی تبدیل کر سکتا ہے، جو آنکھوں کو بدل سکتا ہے وہ دل کو بھی بدل سکتا ہے، جو نظر بدل سکتا ہے وہ تمہاری قوت فکریہ اور عقائد و افکار کو بھی بدل سکتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے تصرفات سے ڈرتے رہو اور استقامت کے لئے توبہ استغفار کرتے رہو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی گناہ کے عذاب میں قعر چاہ یعنی کنویں کی گہرائی کا اندھیرا تمہیں باغ معلوم ہونے لگے اور چاند جیسا چہرہ تم کو ڈراؤنی شکل دکھائی دینے لگے جس طرح سرکشی و کفر و عناد کی سزا میں ابو جہل کی اندھی بصیرت کو نبوت کا مقام نظر نہ آسکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک نعوذ باللہ اس خبیث کو برا لگتا تھا اور عشق و محبت کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بصیرت چونکہ صحیح تھی اس

لئے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر آفتاب چلتا ہوا نظر آتا تھا۔ دونوں کی نظر کے فیصلوں میں کتنا زبردست فرق ہو گیا۔ لہذا کثرت سے یہ دعا مانگنی چاہئے اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاَرْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ اے اللہ ہم کو حق کا حق ہونا دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ اسی طرح کسی گناہ کے عذاب میں جب دل و نظر پر قہر خداوندی ہوتا ہے تو قعر چاہ کی ظلمت یعنی فانی شکلیں اور گناہ کے مواقع اور گندے مقامات اس کو سلطنت سے بھی افضل معلوم ہوتے ہیں۔ قوت فکریہ ہی مغلوب ہو جاتی ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اسی تقلیب البصار و قلوب کا نتیجہ ہے کہ بعض متقشف اور محروم القسمت عین دین کو غیر دین سمجھ کر پیری مریدی کو بے وقوفی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خود پرلے درجہ کے بے وقوف ہیں کیونکہ اگر ان کی بات کو صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ چاروں سلسلوں کے بڑے بڑے علماء کو تم نے بے وقوف سمجھا۔ جاہل پیروں اور قبر پوجنے والوں کی پیری مریدی سے تو بے شک احتیاط واجب ہے لیکن اہل حق سے مرید ہونے کو حماقت سمجھنا ایک ہزار سال کے تمام اولیاء اللہ اور علماء ربانین کی شان میں گستاخی ہے۔ یہ شخص گویا امام غزالی، مولانا رومی، جنید بغدادی، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا

قاسم نانوتوی، حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی اور ہمارے سارے اکابر رحمہم اللہ علیہم اجمعین کو بے وقوف سمجھتا ہے کیونکہ بیعت کا یہ سلسلہ چودہ سو سال سے چلا آرہا ہے۔ یہ سارے اکابر پیری مریدی ہی کے راستہ سے اللہ والے ہوئے ہیں۔ جو تصوف کے مخالفین ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جب تم ان بزرگوں کے نقش قدم پر نہیں چلتے اور جب عملاً تم ان کو حق پر نہیں سمجھتے اور ان کی طرح اہل اللہ سے نہیں جڑتے تو پھر جامعہ قاسمیہ، جامعہ رشیدیہ، جامعہ اشرفیہ وغیرہ نام کیوں رکھتے ہو۔ چندہ لینے کے لئے ان بزرگوں کی ہڈیاں بیچتے ہو، جن کے نام پر مال لیتے ہو اور اپنے مدرسے چلا رہے ہو انہیں کے نقش قدم کی مخالفت کرتے ہو۔

لہذا جو شخص راہ اہل اللہ کی مخالفت کرتا ہے یہ بھی کسی عذاب قبر میں مبتلا ہے کیونکہ صراط منعم علیہم یعنی اللہ کے عاشقوں کا راستہ ہی مستند ہے باقی تمام راستے گمراہی کی طرف جاتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست کا شعر ہے اور کیا خوب ہے۔ فرماتے ہیں ۔

مستند رستے وہی مانے گئے

جن سے ہو کر تیرے دیوانے گئے

لوٹ آئے جتنے فرزانیے گئے

تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

آہ کو نسبت ہے کچھ عشاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے



از شراب قہر چوں مستی دہی
نیست ہارا صورت ہستی دہی

ارشادِ فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے خدا جب آپ کسی پر اس کی کسی شامت عمل کے سبب عذاب نازل کرنا چاہتے ہیں تو فانی صورتیں اس کو نہایت مبہم بالشان معلوم ہوتی ہیں اور ایسے شخص کی مٹی مٹی کی صورتوں پر مٹی ہو جاتی ہے اور فانی اجسام قبروں میں بے نام و نشان ہو کر عاشقوں کے لئے باعث حسرت و ندامت اور ضیاع سرمایہ زندگی بن جاتے ہیں۔ احقر کا ایک شعر ہے ۔

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگی کو
جوانی کر فدا اس پر دیا جس نے جوانی کو



گر ز صورت بگذری اے دوستان
گلستان است گلستان است گلستان

ارشادِ فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں اے سالکین کرام ! اگر صورت پرستی کے عذاب سے تم نجات پا جاؤ تو تمہاری

روح کے اندر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قرب کا باغ ہی باغ نظر آئے گا۔ گناہ سے بھاگنا یہ **فَفِرُّوْا اِلٰی اللّٰہِ** ہے جس کی تفسیر علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں کی ہے **اِنِّیْ فَفِرُّوْا عَمَّا سِوٰی اللّٰہِ اِلٰی اللّٰہِ** غیر اللہ سے بھاگو اللہ کی طرف۔ **فَفِرُّوْا اِلٰی اللّٰہِ** نازل فرما کر اللہ نے اپنے عاشقوں کو دو لذتیں بخشی ہیں، ایک لذت فرار الی اللہ اور دوسری لذت قرار مع اللہ یعنی غیر اللہ سے بھاگنے کی لذت فرار اور اللہ کے پاس آنے کی لذت قرار اور فرار الی اللہ میں بھی اللہ نے ایک خاص لذت رکھی ہے جیسے جب بچہ غیروں اور دشمنوں سے جان چھڑا کر باپ کی طرف بھاگتا ہے تو اس فرار میں اس کو ایک مزہ آتا ہے کہ میں باپ سے قریب ہو رہا ہوں اور جب باپ کی گود میں آجاتا ہے تو اس کو ایک دوسری لذت ملتی ہے یعنی باپ کی گود کی لذت قرار۔ اللہ کی ہر نافرمانی سے بچنا، گناہوں سے بھاگنا، حسینوں سے نظر پھٹانا یہ فرار الی اللہ ہے جس کے نقطہ آغاز اور زیرہ پوائنٹ سے ہی قلب میں سکون اور چین کا آغاز ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ دیکھ رہا ہے کہ میرا بندہ غیر اللہ سے بھاگ رہا ہے تو اسی وقت اللہ کی رحمت کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام ہے غیر اللہ سے بھاگنے کی لذت فرار اور جب غیر اللہ سے بھاگ گیا تو اللہ کے پاس پہنچ گیا چاہے کوئی نطفی عبادت بھی نہ کرے لیکن یہ اللہ سے قریب ہو گیا کیونکہ غیر اللہ سے فرار کے بعد لذت قرار خود بخود ملتی ہے اور حلوۃ ایمانی قلب میں اتر جاتا ہے اور

یہ اللہ کے عاشقوں کی عید ہے جو ان کو ہر زمانہ میں نصیب ہے۔ دنیا داروں کی عید تو سال میں ایک بار ہوتی ہے جب ان کو حلوہ ملتا ہے اور ان کا حلوہ بطنی معدہ میں جاتا ہے جس سے جسم میں طاقت تو آتی ہے لیکن اس حلوہ کا کچھ حصہ جسم میں غلاظت بھی بن جاتا ہے اور اہل اللہ کے حلوہ باطنی سے رگ رگ میں انوار کے دریا بہتے ہیں اس لئے اہل اللہ کے حلوہ باطنی کی عید کو دنیا داروں کے حلوہ بطنی کی عید نہیں پاسکتی، دونوں کی لذت میں کوئی نسبت اور تقابل نہیں۔ اس کا نام ہے غیر اللہ سے بھاگ کر اللہ سے قریب ہونے کی لذتِ قرار۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو لذتِ فرار بھی دیتا ہے اور لذتِ قرار بھی دیتا ہے۔

اور ابھی ابھی ایک علمِ عظیم عطا ہوا کہ فرار کی دو قسمیں ہیں، ایک فرارِ طبعی اور دوسرا فرارِ شرعی۔ جب حسین محبوب بڑھا ہو گیا اس وقت جو اس سے بھاگتا ہے تو یہ فرارِ طبعی ہے اس میں کافر بھی شامل ہے، کوئی عیسائی اور یہودی بھی کسی بڑھی بڑھے کو نہیں دیکھتا۔ اسی پر میرا شعر ہے۔

میر کا معشوق جب بڑھا ہوا
بھاگ نکلے میر بڑھے حسن سے

لیکن اللہ کے دوستوں کا یہ مقام نہیں ہے کہ جب معشوق یا معشوقہ

بڑھی ہو گئی، تو اس سے بھاگے، یہ بھاگنا کیا کمال ہے، اب تو ہندو اور یہودی بھی بھاگے گا۔ جو چیز کافر اور مومن میں مشترک ہو وہ مومن کی امتیازی شان نہیں ہو سکتی۔ مومن کی امتیازی شان یہ ہے کہ حسن کا عالم شباب ہو، اور طبیعت کا شدید میلان اور بیجان ہو کہ اس حسین کو دیکھ لو، اس کا بوسہ لے لو، گناہ کر لو مومن اس وقت اللہ کے خوف سے بھاگتا ہے، شباب حسن سے صرف نظر کرتا ہے اس کا نام فرار شرعی ہے اور **فَقَرُّوا إِلَى اللَّهِ** میں اسی فرار کا حکم ہے۔

اور فرار شرعی کی تین قسمیں ہیں۔ آنکھوں سے حسین لڑکیوں اور لڑکوں کو نہیں دیکھا، شدید تقاضے کے باوجود نگاہ چشمی کی حفاظت کی یعنی اپنی نگاہوں کو حسینوں سے بچایا اس کا نام فرار یعنی ہے۔ اس کے بعد نگاہ قلبی کی بھی حفاظت کی یعنی دل میں گندے گندے خیالات نہیں پکائے، دل میں قصداً اس حسین کا خیال نہیں لائے اس کا نام فرار قلبی ہے۔ اس کے بعد جسم سے بھی بھاگے، حسینوں کے پاس سے اپنے جسم کو بھی دور کر دیا، اسباب گناہ سے دور ہو گئے کہ اگر قریب رہیں گے تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی، کسی نہ کسی وقت نظر اٹھ جائے گی یہاں تک کہ گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے جسم کو اللہ کی نافرمانی کے اسباب سے دور کر دیا اس کا نام فرار قابلہ، فرار بدنی ہے۔

فرار شرعی کی یہ تین قسمیں شاید ہی آپ کسی کتاب میں پائیں

گے۔ مفسرین کی جتنی عربی تفسیریں ہیں اس آیت کی تفسیر دیکھئے مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم میں اختر کو اس وقت خاص فرمایا اور شاید ہی یہ بات آپ کہیں پائیں اور شاید کا لفظ دعویٰ توڑنے کے لئے کر رہا ہوں اور اس کو تفسیر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ قرآن پاک کے لطائف میں سے ہے۔

اور یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ فَفِرُّوْا اِلٰی اللّٰہِ کا مطلب خالی حسینوں سے بھاگنا نہیں ہے بلکہ اللہ کی ہر نافرمانی سے بھاگنا ہے لیکن چونکہ اس زمانہ میں حسن پرستی کی بیماری عام ہو رہی ہے اور اس کا کالرا پھیلا ہوا ہے اور جب کالرا پھیلا ہوتا ہے تو زکام کے علاج پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی کیونکہ زکام کا مریض تو برسوں چل سکتا ہے لیکن کالرا کا مریض آنا فنا مر جاتا ہے۔ اس دور کا مہلک مرض یہی حسن پرستی، بدنگاہی و عشقِ مجازی ہے اس لئے اس کا تذکرہ زیادہ کرتا ہوں لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ بس حسینوں سے بچ جاؤ اور پھر خوب سودی کاروبار کرو، رشوت کھاؤ، سودی ملازمتیں کرو، خوب ٹیلیویژن، وی سی آر اور سینما دیکھو۔ فَفِرُّوْا اِلٰی اللّٰہِ کے معنی ہیں کہ اللہ کی ہر نافرمانی سے بھاگو۔ جتنے سودی کاروبار اور سودی ملازمتیں ہیں ان سے بھاگنا اور حلال تلاش کرنا اور حلال روزی کے لئے رات دن اللہ سے رونا اور جب حلال مل جائے تو حرام کو فوراً ترک کر دینا یہ سب فرار الی اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح خاندان کی

ان تقریبات شادی بیاہ وغیرہ میں شرکت نہ کرنا جہاں فوٹو کشی ہو رہی ہو یا مووی بن رہی ہو یا عورتیں اور مرد مخلوط ہو کر دعوت ولیمہ کھا رہے ہوں یا جہاں ساز اور باجہ اور گانوں کی ریکارڈنگ ہو رہی ہو اور اللہ تعالیٰ کے فرامینِ عالیہ کو پاش پاش کیا جا رہا ہو ایسی مجالس میں شرکت نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیوں سے بھاگنا فِیْئَرُوْا اِلٰی اللّٰہ میں داخل ہے۔ غرض ہر وہ فعل، ہر وہ عمل اور ہر وہ خیال جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں ان سے بھاگنا اور جملہ نافرمانیوں کو چھوڑ دینا سب اس فرار میں داخل ہے۔ ہر گناہ کو چھوڑنا اللہ کی طرف بھاگنا ہے اور اللہ کی طرف قرار پکڑنا ہے۔

الغیاث از ابتلایت الغیاث

شد ذکور از ابتلایت چوں اناث

اَرشَادِ فَرَمَیَا گئے اے خدا فریاد کرتا ہوں کہ اپنی رحمت سے میرا امتحان نہ لیجئے۔ آپ کے امتحان سے پناہ چاہتا ہوں۔ بڑے بڑے مرد جب آپ کے امتحان میں مبتلا ہوئے تو مونث ثابت ہوئے یعنی فیل ہو گئے۔

یا غیاث المستغیثین اهدنا

لا افتخار بالعلوم والغناء

اے فریاد کرنے والوں کی فریاد رسی کرنے والے، اے سارے عالم کی فریاد سننے والے ہم کو اپنی مرضی اور خوشی کا راستہ دکھائیے اور اس راستہ پر ہم کو چلائیے۔ ہم کو اپنے علوم پر کوئی فخر نہیں اور بوجہ علم کے آپ کی رحمت سے کوئی استغناء نہیں یعنی ہم کو جو آپ نے علم عطا فرمایا نہ اس پر ہمیں فخر ہے نہ اس علم کی وجہ سے ہم آپ کے کرم سے مستغنی ہو سکتے ہیں کیونکہ اگر آپ کا فضل شامل حال نہ ہو تو علم اور عمل میں فاصلے ہو جاتے ہیں اور علم کے باوجود آدمی بد عمل رہتا ہے اور کبر و عناد سے مغلوب ہو کر حق کو قبول نہیں کرتا اور حرص و طمع اور جاہ کی خاطر حقائق سے اعراض کرتا ہے۔ اس لئے آپ اپنی رحمت اور اپنی ہدایت کو ہر نفس میرے شامل حال رکھئے اور مجھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ فرمائیے۔ ہمارا علم ہمیں آپ کی نافرمانی کے راستوں سے بچانے کے لئے کافی نہیں لہذا ہمارا ہر سانس آپ کی رحمت کا محتاج ہے، آپ کی نصرت کا محتاج ہے، آپ کی مدد کا محتاج ہے، آپ کے فضل و کرم کا محتاج ہے۔ اگر اللہ کا فضل نہ ہو، اللہ ہمیں اپنی ہدایت کے لئے نہ قبول کرے تو کسی کا تزکیہ نہیں ہو سکتا اور اصلاح نفس تین باتوں پر موقوف ہے۔ بغیر تین باتوں کے کوئی پاک نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں جب کہ ہدایت کے سب سے بڑے آفتاب حضور ﷺ کی ذات گرامی موجود تھی، آپ سے بڑھ کر کون ہدایت کا مرکز

ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے لئے فرمایا:

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا
مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ

اے صحابہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہیں ہو سکتا تھا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو پاک کر دیتا ہے۔ یہ اللہ نے توحید قائم کر دی کہ میرے نبی کو خدا مت بناؤ۔ ہدایت کے معاملہ میں تم لوگ نبوت کے فیض کے ساتھ میری مشیت کے بھی محتاج ہو، ہدایت کے لئے صرف فیض نبوت کافی نہیں بلکہ میری مشیت بھی ضروری ہے کیونکہ میرے نبی کو تو ابو جہل نے بھی پایا، ابولہب نے بھی دیکھا لیکن ان کو کیوں ہدایت نہیں ہوئی۔ اگر نبی کے لئے ہدایت لازم ہوتی تو ابو جہل بھی کافر نہ رہتا، ابولہب بھی کافر نہ رہتا لیکن کیونکہ میری مشیت نہیں تھی اس لئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست انوار نبوت کے باوجود ان اشقیاء کو ہدایت نہ ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ تین چیزوں سے ہدایت ملتی ہے۔ (۱) اللہ کا فضل (۲) اللہ کی رحمت (۳) اللہ کی مشیت۔ لہذا ہم سب کو چاہئے کہ دو رکعت حاجت پڑھ کر یہ بھی مانگیں کہ اے اللہ اپنا وہ خاص فضل اور وہ رحمت اور مشیت عطا کر دے جس پر قرآن پاک میں آپ نے تزکیہ نفس کی بنیاد رکھی ہے۔ اس عنوان سے مانگ کے تو دیکھو جو اختر سکھا رہا ہے۔

جس کے اندر جو صلاحیت ہے اس سے اگر کام نہ لیا جائے تو وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔ ہماری طب میں بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ ایک سال تک ایک طرف کو کھڑا رکھے اور گرائے نہیں تو ہاتھ اکڑ جائے گا، اس کے گرانے کی قوت ختم ہو جائے گی اور وہ ہاتھ مفلوج ہو جائے گا۔ اسی طرح جو لوگ نظر بچانے کی اپنی قدرت کو استعمال نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے تو سزا کے طور پر ان کی قدرت کے مفلوج ہو جانے کا اندیشہ ہے کہ تم نے ہماری دی ہوئی قوت و طاقت کو کیوں استعمال کیا، ہمارے راستہ میں نفس چور کی لذت حرام سے بچنے کی، نمک حرامی سے باز آنے کی جو ہم نے تمہیں ہمت اور طاقت دی تھی اس کو کیوں استعمال نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کے لئے ڈر ہے ایسا نہ ہو کہ مسلسل بد نظری کرنے کے عذاب میں پھر تمہاری گناہ سے بچنے کی صلاحیت پر فالج گرا دوں اور تم ولی اللہ ہوئے بغیر فاسقانہ حالت میں مر جاؤ۔ لہذا نعمت کو استعمال کرنا چاہئے یا نہیں؟ آپ کسی کو ایک موٹر دے دیں اور وہ اس کو کبھی استعمال نہ کرے، گیرج میں پڑی رہے تو دینے والا وہ موٹر واپس لے لیتا ہے یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کی جو قوت ہمیں دی ہے اس نعمت قوت کو استعمال کرنا چاہئے جس کا نام تقویٰ ہے۔ یہ اس نعمت کا شکریہ ہے۔ اگر اللہ نظر بچانے کی، گناہ سے بچنے کی طاقت نہ دیتا تو اللہ تعالیٰ تقویٰ فرض ہی نہ کرتا کیونکہ کمزور آدمی پر اس کی

طاقت سے زیادہ بوجھ رکھنا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے ۔
 اللہ تعالیٰ نے ہمیں گناہ سے بچنے کی طاقت دی ہے پھر تقویٰ فرض کیا
 ہے اور طاقت موجود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مثلاً ایک دکاندار ہے
 اور ایک لڑکی آرہی ہے اور اس کی اچانک نظر اس پر پڑ گئی ، شیطان نے
 اس کے چہرہ پر فوکس مار دیا یعنی چار آنے حسن کو نہیں آنہ دکھا دیا
 جس کے بعد اس کا ارادہ ہو گیا کہ اس کو خوب دیکھنا ہے بعد میں توبہ
 کر لوں گا۔ اتنی دیر میں ایک غنڈہ آیا اور اس نے پستول دکھایا تو یہ کیا
 کہے گا کہ پستول وغیرہ نہ دکھاؤ میں آج پاگل ہو گیا ہوں میں اس حسینہ
 کو ضرور دیکھوں گا ، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کروں گا۔ بولو کیا اس کو
 گولی مارنے دو گے ؟ ارے دم دبا کر بھاگو گے ، اپنی جان کے خوف سے
 عاشقی بھول گئے ۔ یا اسی وقت دوکان میں ایک سانپ نکل آیا اور اسی
 لڑکی نے کہا ارے مولوی صاحب وہ سانپ ! تو اس وقت کیا آپ یہ
 کہیں گے ۔

ترے جلوؤں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھ دی

نگاہ بے زباں رکھ دی زبان بے نگہ رکھ دی

یا دوکان کا دروازہ کھول کر کے وہاں سے تیر کی طرح بھاگو گے ۔ یہ
 بھی یاد نہ رہے گا کہ اس سے آپ کو پیسے وصول کرنا ہیں ۔ اپنی جان
 کے لئے ایک مخلوق سے ڈر گئے۔ یہ سب مثالیں دے رہا ہوں کہ ہمارا
 ایمان کس قدر کمزور ہے اور ہم کس درجہ کمینہ اور بے غیرت ہیں کہ

ایک سانپ سے اور ایک غنڈے کی پستول سے ڈر گئے اور اپنی جان بچانے کے لئے ساری عاشقی فراموش کر دی اور جس سے ڈرنا چاہئے اس سے نہیں ڈرتے۔ وہ اللہ جس کے قبضہ میں ہماری موت و حیات ہے، ہماری راحت و آرام ہے، جس کے قبضہ میں جنت و دوزخ کا فیصلہ ہے آہ! اس سے ہم بے خوف ہیں۔ لہذا اللہ کے نام پر فدا ہو جاؤ، اس کی ناراضگی سے ڈرو اور اس کی محبت میں گناہوں کو چھوڑ دو ورنہ کل قیامت کے دن کیا جواب دو گے؟ بس آج کا مضمون ختم ہے اور آخری شعر کا ترجمہ ہو گیا۔

سارے عالم میں آج کل اختر کا یہی ایک مضمون ہے کہ تم لیلاؤں سے بچ جاؤ تو مولیٰ پا جاؤ گے اور مزہ بھی پاؤ گے یہ نہیں کہ خشک مضمون ہے یہ، جو لیلاؤں سے بچتا ہے مولیٰ اس کے دل کی خوشی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ یہی طاوت ایمانی ہے کہ تمہارے دل میں رس گھل جائے گا اور تمہارا دل ایمان کی منہاس کو محسوس کرے گا اور لیلاؤں کو دیکھنا تو ایک عذاب ہے، دل اسی وقت تڑپنے لگتا ہے۔ تو لیلاؤں کے عذاب سے بچو اور مولیٰ کی لذت قرب سے مستی حاصل کرو۔ لیلاؤں کی ہستی قابل مستی نہیں ہے اور نہ ان کی ہستی رہنے کے قابل ہے اگرچہ سستی ہو، مفت کی بھی ملے تو مت لو۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ ایک شخص نے مجھے سرمہ دیا تو حضرت نے فرمایا کہ بھئی اس کے اجزاء بتاؤ تاکہ میں اپنے خاندانی حکیم سے مشورہ کر لوں تو وہ

غصہ ہو گیا۔ کہا کہ میں تو آپ کو مفت میں دے رہا ہوں اور آپ کے یہ ناز و نخرے! تو حضرت نے فرمایا کہ تیرا سرمہ تو مفت کا ہے میری آنکھ مفت کی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر گناہ مفت کا ملے تو کہہ دو کہ یہ گناہ تو مفت کا ہے لیکن میرا ایمان مفت کا نہیں ہے۔ جو مضمون میں آج کل پیش کر رہا ہوں واللہ اگر ہم لوگ اس پر عمل کر لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ سورج و چاند کی روشنیاں لوڈ شیڈنگ میں آجائیں گی اور ساری دنیا کی لیلیاؤں کے حُسن پھیکے پڑ جائیں گے بلکہ ان کے گراؤنڈ فلور کے گو موت نظر آئیں گے اور دونوں جہان کی لذت تم ایک اللہ میں پا جاؤ گے ان شاء اللہ۔ جو دونوں جہان کی لذتوں کا خالق ہے وہ مولیٰ جب دل میں تھکی فرمائے گا تو میرا یہ شعر پڑھو گے۔

وہ شاہ دو جہاں جس دل میں آئے

مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

بس سبق ختم ہو گیا۔ اس بیان کو معمولی مت سمجھو یہ بیان ہم کو، آپ کو مولیٰ سے ملانے والا ہے اور لیلیٰ سے چھڑانے والا ہے۔ بس ارادہ کر لو، قرآن پاک کی آیت ہے يُرِيدُونَ وَجْهَهُ یعنی اللہ اسی کو ملتا ہے جو اللہ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے، اور اگر لیلیاؤں کا ارادہ کر دے تو مری ہوئی لاشیں ہی پاؤ گے اور جوتے بھی پاؤ گے جس کو اختر کہتا ہے کہ جس نے لیلیاؤں کو ہینڈل کرنے کی کوشش کی اس کی کھوپڑی پر سینڈل پڑے۔ جو حسینوں پر مرتا ہے اس کی کھوپڑی پر جوتے پڑتے

ہیں اور جو اللہ پر فدا ہوتے ہیں ان کے جوتے اٹھائے جاتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، اس زمانہ میں حاملان عرش فرشتے روزہ داروں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ اے اللہ ہم سب کو اللہ والی حیات نصیب فرما، اپنے اولیاء اور دوستوں کی زندگی عطا فرما، اے خدا گناہ کرتے کرتے ہم بڑھے ہو گئے، بال سفید ہو گئے ہمارے حالوں پر رحم فرمادے، ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض نہ کریں اور ہر سانس آپ پر فدا کریں ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمادے اور دونوں جہان کا اطمینان اور چین اور راحتیں عطا فرما، ہر غم اور پریشانی کو یا اللہ عافیت سے بدل دے اور جملہ حاسدین اور دشمنوں کے شر کو مغلوب و مقہور کر کے مطرود کر دے اور ظالموں کو ان کے مظالم پر نادم فرما کر ان کو مظلومین سے معافی مانگنے کے لئے مضطر فرمادے۔ اور ہماری زندگی کو یا اللہ رشک سلاطین اور رشک آفتاب اور رشک لیلائے کائنات اور رشک نعمائے دو جہان بنا دے کیونکہ آپ ہی نعمت دینے والے ہیں اور آپ نعمت دو جہاں کے حاصل ہیں۔ اے اللہ اگر آپ ہم کو مل جائیں تو آپ ہمارے لئے حاصل لذات دو جہاں ہیں، اپنی رحمت سے یا اللہ ہم سب کو اپنا قرب خاص عطا فرما اور جو نہیں مانگا وہ بھی عطا فرمادیجئے۔ بے مانگے دونوں جہان عطا فرمادیجئے وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

مجلس درسِ مثنوی

۳ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۹۸ء بروز ہفتہ بوقت
۷ بجے صبح در خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

ارشادِ فیہ ما یابا کہ آج کے اشعار میں معرفت کا عظیم
الشان مضمون ہے۔ اگر یہ مضمون سامنے ہو تو نماز میں، تلاوت میں،
سجدہ میں مزہ آجائے گا کہ کتنے عظیم الشان مالک کے قدموں میں میرا
سر ہے، کتنے عظیم الشان مالک کے سامنے میں ہاتھ باندھے کھڑا ہوں،
کتنے عظیم الشان مالک کو اس مالک ہی کا کلام سنا رہا ہوں۔

گر تو ماہ و مہر را گوئی خفا
گر تو قد سرو را گوئی دوتا

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ان چاند سورج کی روشنی اللہ تعالیٰ
کے نور کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے کیونکہ نور کی تعریف ہے ظاہر
لنفسہ جو اپنی ذات سے ظاہر ہو اور یہ اپنی ذات سے ظاہر نہیں ہیں،
ان کا نور اللہ تعالیٰ کی ادنیٰ بھیک ہے اور پھر یہ غروب بھی ہو جاتے
ہیں اور اللہ کا نور کبھی غروب نہیں ہوتا اور قیامت کے دن یہ لپیٹ

دئے جائیں گے کما قال تعالیٰ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ پس ان کی یہ بھیک بھی عارضی ہے لہذا اللہ کے نور کے مقابلہ میں ان کی روشنی کیا بچتی ہے۔ اس کے علاوہ چاند اور سورج کا نور فانی بھی ہے اور محدود بھی اور اللہ تعالیٰ کا نور غیر فانی غیر محدود ہے اور فانی محدود اپنی اکثریت کے باوجود غیر فانی غیر محدود کے سامنے اقلیت میں ہوتا ہے۔ اس لئے مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ اگر آپ چاند اور سورج کو حقارت سے طعنہ بخدا دیں کہ اے بے نورو! تمہارے اندر کوئی روشنی نہیں ہے، تم مخفی ہو، تم پر تو نور کا اطلاق بھی نہیں ہوتا، تم تو ظاہر لنفسہ بھی نہیں ہو تو مظہر لغیرہ کیسے ہو سکتے ہو، میری دی ہوئی بھیک سے تم روشن ہو اور کائنات کو روشن کر رہے ہو، اور روزانہ تم کو غروب کر کے تمہاری حقارت اور بے کسی کا تماشا کائنات کو دکھاتا ہوں کہ تم بے نور ہو جاتے ہو اور کائنات کو روشنی دینے کے قابل بھی نہیں رہتے۔ پس اے چاند اور سورج تمہارا نور حادث و فانی میرے نور قدیم واجب الوجود کے مقابلہ میں خفا و استتار، کالعدم اور بے حقیقت ہے۔

اور اے اللہ اگر آپ سرو کے درخت کو (جس سے شعراء محبوبان مجازی کے قد کو تشبیہ دیتے ہیں) فرمادیں کہ اے سرو کے درختو! تم میں میڑھا پن، انحناء، عیب اور کجی ہے کیونکہ یہ رعنائی قد تمہاری ذاتی صفت نہیں ہے، میری عطا ہے اور میری رعنائی جہال اور

حسن ازلی غیر فانی سے اسے کوئی نسبت نہیں اور

گر تو کان و بحر را گوئی فقیر
گر تو چرخ و عرش را گوئی حقیر

اگر آپ معادنِ سیم و زر اور مخازنِ لعل و گہر اور معدنیات کے انمول ذخائر اور بحرِ حاملِ سواحلِ جواہر یعنی اے خدا اگر آپ سونے چاندی کی کانوں اور قیمتی موتیوں کے خزانوں اور معدنیات کے انمول ذخیروں اور ساحلِ سمندر میں چھپے ہوئے کروڑوں کروڑوں کے موتیوں کو فرمادیں کہ تم سب فقیر اور بھک مٹکے ہو، اگرچہ تم ایسے غنی ہو کہ دوسروں کو بھی غنی کرتے ہو لیکن چونکہ یہ صفتِ غنا تمہاری ذاتی صفت نہیں میری بھیک ہے لہذا تم فقیر اور بھک مٹکے حقیر اور ناچیز اور بے حقیقت ہو اور اگر آپ عرشِ اعظم جیسی عظیم مخلوق کو جو ساتوں آسمان کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے، فرمادیں کہ اے آسمانوں اور اے عرش و کرسی! تم سب حقیر مخلوق ہو

آں بہ نسبت باکمال تو رواست
ملک و اقبال و غناہا مر تو رواست

تو اپنی مخلوقات کو ان تعبیرات سے خطاب کرنا آپ کے کمالات کے پیشِ نظر آپ کو زیب دیتا ہے کہ ملک و سلطنت اور اقبال مندی و غنا

آپ ہی کے لئے خاص ہے ، کسی اور کو زیبا نہیں کیونکہ آپ کی ذات قدیم اور واجب الوجود ہے اور مخلوق حادث و فانی ہے ۔

نست ز رغباً و طیفہ عاشقان
سخت مستقی است جان صادقان

ارشادِ شریفِ دایا کد مولانا کا یہ شعر دراصل ایک حدیث پاک کی شرح اور توضیح ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کُنْتُ الزَّمَّ لَصُحْبَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ایک دم چمٹا رہتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زُرْغَبًا تَزْدُجُهَا نَاعِدٌ دے کر ملو اس سے محبت بڑھتی ہے تو صحابی کا عمل بظاہر اس حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ کو منع فرمادیتے کہ ہر وقت ہمارے پاس نہ رہا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکیر نہ فرمانا دلیل ہے کہ صحابی کا عمل درست تھا لیکن حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں تطبیق نہیں ہو رہی تھی کہ اس کا جواب اور اس حدیث کی شرح مجھے مثنوی کے مذکورہ شعر میں مل گئی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

نست ز رغباً و طیفہ عاشقان
سخت مستقی است جان صادقان

نانہ دے کر ملاقات کرنا یہ عاشقوں کا وظیفہ نہیں ہے۔ زُرْعَبًا نَزْدُذْ حُبًّا کا حکم رشتہ داروں کے لئے ہے کہ مثلاً سسرال میں نہ پڑے رہو ورنہ ساس سر کہیں گے کہ کہاں سے یہ بے حیا داماد ملا کہ جب دیکھو پڑا رہتا ہے۔ رشتہ داروں کے یہاں روزانہ مت جاؤ، وہاں جا کر ذریعہ مت ڈال دو ورنہ محبت میں کمی آجائے گی لیکن جو اللہ کے عاشق ہیں نانہ دے کر ملاقات کرنے کا حکم ان کے لئے نہیں ہے کیونکہ ان کی جان اللہ تعالیٰ کی سخت پیاسی ہے کہ بغیر اللہ کے عاشقوں کی ملاقات کے وہ کہیں چین نہیں پاسکتی۔ اگر مچھلیوں سے کہا جائے کہ پانی میں نانہ دے کر آیا کرو تو وہ مر جائیں گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دریائے نبوت کی مچھلی تھے، وہ نانہ نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

نہست زرعباً وظیفہ ماہیاں

زانکہ بے دریا ندارند انس جاں

نانہ دے کر پانی سے ملاقات کرنا مچھلیوں کا کام نہیں ہے کیونکہ بغیر پانی کے وہ زندہ نہیں رہ سکتیں، بغیر پانی کے وہ اپنی جان سے بیزار ہو جاتی ہیں۔

میر صاحب کا واقعہ ہے۔ جب انہوں نے آنا شروع کیا تو صبح فجر کے بعد آتے تھے اور رات کو جاتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ تیسرے دن آیا کرو۔ لیکن ایک ہی دن میں وہ تڑپ گئے اور ایسے پاگل

ہوئے کہ بس سے اتر کر ناظم آباد میں میرے گھر کی طرف بھاگنے لگے۔ راستہ میں ایک بوڑھا آدمی جا رہا تھا اس نے جو انہیں بھاگتا ہوا دیکھا تو ایک طرف کو ہو گیا۔ اتفاق سے یہ بھی ادھر کو ہوئے پھر وہ دوسری طرف ہٹا تو یہ بھی جلدی میں ادھر ہی کو ہو گئے۔ وہ بے چارہ یا تو یہ سمجھا کہ یہ مجھ سے ٹکرا جائے گا اور میری ہڈی پسلی ٹوٹ جائے گی یا یہ سمجھا کہ کہیں یہ مجھ پر حملہ تو نہیں کر رہا ہے تو زور سے چیخا کہ ہائے مر گیا مر گیا۔ میر صاحب معافی مانگتے ہوئے ہنستے ہوئے بھاگتے رہے۔ انہوں نے بتایا کہ میری جدائی ناقابل برداشت ہو رہی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد ملاقات ہو۔ لہذا مولانا نے اسی لئے فرمایا کہ ناغہ دے کر ملاقات کرنے کا حکم عاشقوں کے لئے نہیں ہے کیونکہ بغیر محبوب کے ان کی زندگی دو بھر ہے جیسے مچھلیوں کے لئے یہ ناممکن ہے کہ پانی سے وہ ناغہ دے کر ملاقات کریں کیونکہ پانی ان کی زندگی کی اساس ہے بغیر پانی کے وہ زندہ نہیں رہ سکتیں۔ اسی کو مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترا ذکر ہے مری زندگی ترا بھولنا مری موت ہے

اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جان عاشقِ زرغباء کی متحمل نہ تھی اس لئے وہ ہمیشہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر پڑے رہتے تھے۔

اِنَّ شَدَّادَ فَشَدَّادِا كَدَّ حضرت حکیم الامت تھانوی کو دس برس تک ایک اشکال تھا مگر حضرت کا ظرف دیکھئے کہ دس برس تک کسی پر ظاہر نہیں کیا کہ میں اس اشکال میں مبتلا ہوں۔ اس لئے کہ بتا کر دوسرے کو کیوں اشکال میں ڈالوں۔ کمال ہے کہ دس سال تک چھپایا۔ بعد میں وہ اشکال مثنوی سے حل ہوا۔ اشکال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں اپنی رحمت سے بدون مجاہدہ سب کے نفس کو ولی اللہ بنانے پر قادر ہیں لیکن پھر مجاہدہ کیوں فرض کیا کہ ہر وقت نظر بچاؤ، یہ کرو وہ نہ کرو۔ اپنے راستہ کو اتنا مشکل کیوں کر دیا۔ اس کا جواب مولانا نے مثنوی میں دیا ہے۔

لیک شیرینی و لذات مقرر

ہست بر اندازہ رنج سفر

حضرت کا دس سال کا اشکال اسی شعر نے حل کر دیا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ منزل کی لذت و شیرینی و لطف و آرام کا ادراک سفر کی تکالیف و صعوبات پر موقوف ہے۔ سفر میں جتنی تکلیف ہوتی ہے منزل کا لطف اسی قدر زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کو تھوڑا سا مشکل کر دیا اور اپنے بندوں کو تھوڑے مجاہدات سے گذارا تاکہ ان کو جنت کا مزہ خوب آئے اور داخل ہوتے ہی کہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے

جس نے ہمیں حزن و غم سے نجات دی لہذا اگر حزن نہ رہے گا تو اذہب کیا ہوگا؟ بولے اگر جنتی دنیا میں حزن سے نہ گذرتے تو اذہب کیسے کہتے۔ لہذا جنت کا مزہ اسی مجاہدے سے آئے گا۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف پڑھاتے وقت فرمایا کہ قیامت کے دن جب سب دوزخی دوزخ میں ڈال دئے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے هَلْ اَمْتَلَنْتَ کیا تیرا پیٹ بھر گیا تو دوزخ کہے گی کہ اللہ میرا پیٹ نہیں بھرا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دیں گے یعنی تجلی خاص نازل فرمائیں گے الْمُرَادُ بِالْقَدَمِ التَّحْلِيْلُ الْخَاصَّةُ جس سے اس کو سکون ہو جائے گا۔

ایسے ہی جنت بھی کہے گی کہ یا اللہ میرا پیٹ نہیں بھرا تو اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کر کے جنت میں ڈال دیں گے کیونکہ یہ انعام ہے اور انعام دینا شان کرم کا ظہور ہے اور دوزخ کے سوال پر کوئی نئی مخلوق پیدا کر کے دوزخ میں نہیں ڈالی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت اور شان عدل کے خلاف تھا کہ بے گناہ مخلوق پیدا کر کے اس کو آگ میں جلاتے۔ اللہ کی ذات ظلم سے پاک ہے لہذا وہاں اپنے نور سے اس کو بجھادیا اور اس کا پیٹ بھر گیا اور یہاں ایک مخلوق پیدا کر کے اس کو جنت میں ڈال دیا تو ایک طالب علم نے کہا کہ کاش میں وہی مخلوق ہوتا کہ نہ روزہ نہ نماز نہ حج نہ زکوٰۃ نہ گناہ سے بچو نہ نظر بچاؤ اور مفت میں جنت پا جاؤ۔ تو حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ ارے بدھو ان کو

جنت کا کیا مزہ آئے گا۔ مزہ تو ہم لوگوں کو آئے گا جو تکلیفیں اٹھا کے جنت میں جائیں گے۔ جنہوں نے نہ روزہ رکھا نہ نماز پڑھی نہ غم اٹھایا نہ کوئی تکلیف برداشت کی نہ جہاد کیا نہ خون بہایا اور نہ خون تمنا کیا وہ کیا جانیں گے کہ مزہ کیا چیز ہے کیونکہ راحت کا مزہ تکلیف کے بعد ہے۔ جو تکلیفیں اٹھاتے ہیں ان کو احساس ہوتا ہے کہ راحت و آرام کیا چیز ہے لہذا حضرت نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو جنت کا جو مزہ آئے گا وہ اس مخلوق کو نہیں آئے گا جس کو اللہ تعالیٰ پیدا کر کے جنت میں ڈال دیں گے۔

الحمد للہ اس وقت روزے کی برکت سے کیسے عجیب علوم بیان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور قیامت تک صدقہ جاریہ بنائیں آمین۔

اے اللہ آپ نے محض اپنے کرم سے اختر کو جو دردِ دل عطا فرمایا ہے اور اس دردِ دل کے نشر کے لئے جو زبان ترجمانِ دردِ دل عطا فرمائی ہے اور اپنے کرم سے جو کان قدردانِ دردِ دل عطا فرمائے ہیں اے اللہ میری آہ کو میرے دل میں اور ان کے دل میں اُتار دیجئے اور اے خدا میری کسی آہ کو ضائع نہ ہونے دیجئے اور سارے عالم میں میری ہر آہ کو اور میرے دردِ دل کو قیامت تک نشر کا سامان فرما کر اسے شرف قبول عطا فرما دیجئے۔ آمین یا رب العالمین بحرمة سید المرسلین ﷺ



مجلسِ درسِ مثنوی

۷ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۹۸ء بروز سہ شنبہ
(منگل) بعد نماز فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

کود کے از حسن شد مولائے خلق بعد پیری شد خرف رسوائے خلق

ارشادِ فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ وہ لڑکا جو بوجہ حسن کے مولائے خلق بنا ہوا ہے یعنی سردار شمار ہو رہا ہے کہ آئیے آئیے بادشاہ! حسن کے دیوتا اور حامل زلف دیوتا یعنی ہر طرف عزت ہو رہی ہے لیکن جب یہ بڑھا ہو جائے گا تو کوئی اس کو پوچھے گا بھی نہیں اور مخلوق میں ذلیل و رسوا ہو جائے گا۔ جس کو لوگ گود میں اٹھائے پھرتے تھے، اس کو لے کر رقص کرتے تھے اور اس کا رقص دیکھتے تھے اب ہر آدمی اس کو ذلیل کرتا ہے۔ جو مولائے خلق بنا ہوا تھا زوال حسن کے بعد وہی رسوائے خلق ہو گیا، اس لئے حسن

فانی کی عارضی چمک دمک بہت بڑا دھوکہ ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد ایک ادیب گذرا ہے۔ اس نے ایک لڑکے کا قصہ لکھا ہے علی گڑھ یونیورسٹی کا جہاں سے میر صاحب نے بی کام کیا ہے کہ اس یونیورسٹی کا ایک لڑکا بہت ہی حسین تھا۔ لڑکے تو اس کے چکر میں تھے ہی لیکن استاد لوگ بھی اس کے چکر میں رہتے تھے۔ یہ حسن عجیب ظالم چیز ہے کہ اگر دل میں خوف خدا نہ ہو تو حسین شاگرد استاد بن جاتا ہے۔ سب استاد اس پر لٹو ہو گئے، کوئی مٹھائی لا رہا ہے، کوئی کباب لا رہا ہے، تحفے دئے جا رہے ہیں، ہر وقت خدمت میں لگے ہوئے ہیں لیکن آخر میں کیا ہوا؟ دو تین سال کے بعد جب اس کے گالوں پر بال آ گئے اور بال بھی ایسے آئے کہ ناک تک رخسار چھپ گئے اور سارے بدن پر بھی بال ہی بال ہو گئے، کندھے پر گردن پر سینے پر، بغل میں ہر جگہ بال ہی بال اور مونچھیں بھی اس کی بڑی بڑی ہو گئیں جس پر میرا ایک قطعہ ہے۔

مونچھوں کے زیر سایہ لب یار چھپ گئے

یعنی جس لب یار کو چوس رہا تھا اس پر بڑی بڑی مونچھیں آ گئیں وہاں اب اگر اندھیرے میں منہ لگایا تو منہ میں بڑی بڑی مونچھ جو آئی تو سب مزے کر کرے ہو گئے اور۔

داڑھی کے زیر سایہ وہ رخسار چھپ گئے

وہ گال اب نظر بھی نہیں آتے جن پر مرا تھا اور ہر وقت پوچھ رہا تھا
تہاڈا کی گل اے (یعنی تمہارا کیا حال ہے) اس کے بعد حسن کا اور زیادہ
زوال ہوا تو ۔

بالوں کی سفیدی میں زلفِ یار چھپ گئے
جتنے تھے یارِ حسن وہ سب یار چھپ گئے

جب مونچھوں کے سائے میں لبِ یار چھپ گئے اور داڑھی کے سائے
میں رخسار چھپ گئے اور بالوں کی سفیدی میں زلفِ یار چھپ گئے تو
جتنے یارِ حسن تھے وہ سب یار بھی چھپ گئے یعنی منہ پھیر کر بھاگ
نکلے۔ اس پر میرا ایک شعر ہے ۔

شکلِ بگڑی تو بھاگ نکلے دوست
جن کو پہلے غزل سنائے ہیں

یہ ہے عاشقانِ مجاز کی بے وفائی و خود غرضی اور نفس پرستی۔ تو
یونیورسٹی کے اس لڑکے کا جب حسن بگڑ گیا اور اس کے سب پرستار
بھاگ گئے تو وہاں اس ادیب نے ایک شعر لکھا ہے جو بہت عبرتناک
ہے ۔

گیا حسنِ خوبانِ دلِ خواہ کا
ہمیشہ رہے نامِ اللہ کا

صرف اللہ کا نام اور اللہ کے نام کی لذت اور اللہ کا نور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جس کے منہ سے ایک بار اللہ کا نام نکل گیا اس کا نور قیامت تک روح پر باقی رہے گا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ۔

رنگ طاعت رنگ تقویٰ رنگ دیں

تا ابد باقی بود بر عابدیں

اللہ کی طاعت و تقویٰ اور دین کا نور ارواح عابدین میں ہمیشہ قائم رہتا ہے ۔ اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ ۔ حسن بھی فانی ہے اور ان حسینوں کا عشق بھی فانی ہے لہذا مولانا فرماتے ہیں ۔

عشق بامردہ نباشد پائیدار

عشق را با حی و باقیوم دار

ان مرنے والی لاشوں کا عشق پائیدار نہیں ہوتا اس لئے اس حی و قیوم سے محبت کرو جس کو فنا نہیں، مُردوں کا اور اس حی و قیوم کا عشق جمع نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے ہمارے بزرگوں نے امارد سے سخت احتیاط کی ہے۔

نواب قیصر صاحب نے بتایا کہ ہم اور مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم تھانہ بھون جاتے تھے اس وقت ہمارے دائرہ ہی مونچھ نہیں آئی تھی تو ہم دونوں کو رات میں خانقاہ میں قیام کی

اجازت نہ تھی یعنی جتنے لڑکے بے ریش ہوتے تھے تو ایسے لڑکوں کے لئے حضرت کا حکم تھا اور حضرت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ جو لڑکے داڑھی والے نہیں ہیں جلدی سے خانقاہ خالی کر دیں۔ ایک گھر خانقاہ کے قریب کرائے پر لیا گیا تھا جس میں ایسے سب لڑکے رکھے جاتے تھے اور ایک اللہ والے متقی بڑے میاں ان کے نگرماں ہوتے تھے جو مہتمم الاطفال تھے۔ یہ تھی ہمارے اکابر کی احتیاط۔ اس کے برعکس سنت و شریعت کے خلاف جو خانقاہیں ہیں وہ دراصل خانقاہ نہیں خواہ مخواہ ہیں اور ان کے شاہ صاحب شاہ صاحب نہیں سیاہ صاحب ہیں کہ بے ریش لڑکوں کے سر پر پٹے رکھوا کر اور آنکھوں میں کا جل لگوا کر نعتیں سنتے ہیں حالانکہ ایسے لڑکوں کو دیکھنا اور ان سے نعتیں سننا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی اجنبیہ عورت کو دیکھنا اور اس سے نعتیں یا عارفانہ کلام سننا حرام ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں **الْأَمْرُ بِالْحَسَنِ الَّذِي طَرَفَ شَارِبُهُ وَلَمْ تَنْبُتْ لِحْيَتُهُ فَحُكْمُهُ كَحُكْمِ الْجُرْأَةِ لَا يَحْجُوزُ النَّظَرُ مِنْ فَرْقِهِ إِلَى قُدْمِهِ** یعنی امر د کا حکم مثل عورت کے ہے اس کو سر سے پاؤں تک دیکھنا حرام ہے لہذا ہم لوگ جتنا اللہ کا شکر کریں کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچے اللہ والوں سے ہمیں جوڑ دیا ورنہ نہ جانے کیا حال ہوتا۔

آہ! ایک بار حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے بھتیجے مولانا شبیر علی صاحب نے ایک لڑکے کو خانقاہ کے بالا خانے پر جہاں حضرت بادضو تفسیر بیان القرآن

لکھ رہے تھے بھیج دیا۔ حضرت حکیم الامت ایک لمحہ وہاں نہیں رُکے، فوراً نیچے آگئے اور فرمایا کہ مولوی شبیر علی جس کے داڑھی مونچھ نہ ہو ایسے لڑکے کو میری تنہائی میں مت بھیجو، نفس کا کوئی بھروسہ نہیں اور فرمایا کہ جو لوگ مجھے حکیم الامت اور مجدد الملت سمجھتے ہیں وہ میرے اس عمل سے سبق حاصل کریں کہ جس کو وہ اپنا بڑا سمجھتے ہیں وہ جب اپنے نفس پر اعتماد نہیں کرتا اور اسباب گناہ سے احتیاط کرتا ہے تو خود انہیں کتنی احتیاط کرنی چاہئے۔

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس لمارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا



ہمچو امرد کز خدا نامش دہند
تا بداں سالوس در دامش کنند

ارشد شاہ فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ بعضے خبیث الطبع مردوں کو خدائے حسن کہتے ہیں کہ آپ تو حسن کے دیوتا اور حسن کے خدا معلوم ہوتے ہیں تاکہ اس تعریف اور چاچلو سی سے اس کو اپنے مکرو فریب کے جال میں پھنسا لیں۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، یہ مولانا روم ہیں جو آٹھ سو برس پہلے گزرے ہیں وہ صوفیوں کو سبق دے رہے ہیں کہ دیکھو نفس سے ہشیار رہنا یہ کس طرح

چاپلوسی اور تعریف کرتا ہے تاکہ وہ معشوق اس کے چکر میں آجائے۔
سالوس کے معنی ہیں خوشامد اور تعریف کرنا کسی کو دھوکہ دینے کے
لئے۔

اس پر بھی ایک واقعہ سن لو جو میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی
صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا کہ ڈاکیہ سے ایک شخص کی لڑائی
ہو گئی تو اس نے کیسے بدلہ لیا کہ جدھر سے وہ ڈاکیہ گذرتا تھا تو وہ زور
سے شور کرتا تھا کہ ہٹو سرکاری آدمی جا رہا ہے اور خود بھی ایک طرف
ہو جاتا تھا اور اگر کبھی اپنی موٹر سے جا رہا ہوتا تو موٹر کو ایک کنارے
کھڑا کر کے موٹر سے اترتا اور کھڑے ہو کر سیلوٹ مارتا کہ ارے بھئی
دیکھو سرکاری ڈاک جا رہی ہے، یہ سرکاری آدمی ہے اس کا خوب
احترام کرو۔ ڈاکیہ سمجھنے لگا کہ میں کوئی بہت بڑی چیز ہوں۔ ایک دن
ایس پی جا رہا تھا تو ڈاکیہ نے اس سے بھی اکرام طلب کیا اور اس کی
کار کے سامنے اپنی سائیکل کھڑی کر کے منہ چڑا کر بے ادبی سے بات
کی کہ دیکھتے نہیں ہو سرکاری ڈاک جا رہی ہے، میرا راستہ روکتے ہو۔
بس ایس پی نے وہ پٹائی کی کہ مزاج درست ہو گئے۔ تو بعض لوگ
بہت زیادہ اکرام کر کے پڑتے ہیں۔ اسی طرح اہل نفس معشوقوں کی
تعریف اور خوشامد کرتے ہیں تاکہ ان کو چکر میں ڈال کر اپنا الو سیدھا
کریں۔ مولانا کا مقصد صوفیا و سالکین کو تنبیہ کرنا ہے کہ اگر تم ان
صورتوں اور شکلوں میں پڑے تو سمجھ لو لیلائے کائنات میں جو پھنسا وہ

مولائے کائنات سے محروم ہوا اور پھر ان کا حسن بھی باقی نہیں رہا۔
لہذا نہ دنیا ملی نہ آخرت ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

مولانا رومی سمجھانے کے لئے ایک تمثیل پیش کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دریا میں چاند کے عکس کو دیکھ کر سوچا کہ آج تو چاند پانی میں آگیا چلو اس کو پکڑ لو کیونکہ آسمان پر جانا تو مشکل تھا اب تو چاند زمین پر آگیا ہے کیوں نہ اس کو دبوچ لیں۔ جب وہ اندر گھسا تو پیر کے نیچے بالو جو ہلا تو پانی گدلا ہو گیا اور عکس غائب ہو گیا اور اصلی چاند سے بھی محروم ہو گیا بلکہ چاند سے اور دور ہو گیا۔ مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ ان حسینوں سے نامحرموں سے دور رہو تو اللہ کو پالو گے ورنہ جو عکس کے پیچھے دوڑے گا اصل سے بھی محروم ہو جائے گا اور معشوقوں کا حسن جب زائل ہو جاتا ہے تو عالم شباب کی رعنائیاں، مستیاں اور رنگینیاں بھی چلی جاتی ہیں اور ان کے عشاق بھی ہاتھ مل کر رہ جاتے ہیں کہ ہائے ان کو جو بریائیاں، مٹھائیاں، خوبائیاں اور رس ملائیاں کھلائی تھیں سب بے کار گئیں۔ اس کے برعکس اہل تقویٰ بڑھے بھی ہو جائیں گے مگر ان کے قلب کی مستیوں کو اللہ باقی رکھتا ہے کیونکہ ان کی جوانی اللہ پر فدا ہوئی ہے، انہوں نے اپنی جوانی کو اللہ کے پاس

جمع کر دیا اور جو چیز اللہ کے پاس جمع ہو گئی وہ باقی ہو گئی۔ لہذا بڑھاپے میں بھی اہل تقویٰ کی روح پر عالم شباب طاری ہوتا ہے، ان کو ذکر میں ایسا مزہ آتا ہے کہ ساری کائنات کی لذتیں اس کے سامنے بیچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ﴾

جو کچھ تمہارے پاس ہے فنا ہونے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے

لہذا جو تم نے اپنے نفس کی خواہش پر خرچ کر دیا، زندگی کی جوانی کو اور کالے بالوں کو حسینوں کے گالوں پر فدا کر دیا تو تم نے سب فنا کر دیا۔ یہ سب مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ہو گیا، نہ کالے بال رہیں گے، نہ گورے گال رہیں گے، ڈھونڈنے سے بھی نہیں پاؤ گے کہ جوانی کدھر گئی۔ ایک بڈھا جھکا ہوا جا رہا تھا۔ بڑھاپے میں کمر جھک جاتی ہے تو کسی نوجوان نے شرارتاً کہا کہ بڑے میاں جھکے جھکے جا رہے ہو کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں اپنی جوانی کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ پس جو مرنے والوں کے ڈمپروں پر مرتے ہیں اور خلاف پیغمبر زندگی گزارتے ہیں ان کا یہی حال ہے کہ ان کو نہ دنیا ملتی ہے نہ آخرت اور یہ شخص ولی اللہ تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ولایت تقویٰ پر مبنی ہے اور معشوقوں سے دل لگانا فسق ہے اور فسق و تقویٰ جمع نہیں ہو سکتے یہ اجتماع ضدین ہے جو محال ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں ۔

چوں بہ بدنای بر آید ریش او
دیو را ننگ آید از تفتیش او

جس حسین لڑکے کو عاشقان مجاز خدائے حسن کہہ رہے تھے اور اس کی خوشامد و چالپوسی کر رہے تھے اور اس پر مال خرچ کر کے اسے دام شہوت و فسق میں لے رہے تھے یہی لڑکا اسی بدنای معشوقیت کے ساتھ جب کچھ دن بعد داڑھی مونچھ والا ہو جاتا ہے تو پھر شیطان بھی اس کی خیریت نہیں پوچھتا اور اس کے عشاق راہ فرار اختیار کرتے ہیں اور اگر کہیں اس کو دیکھتے ہیں تو کھسک جاتے ہیں۔

چوں رود نور و شود پیدا دخال
بفسرد عشق مجازی آں زماں

مولانا فرماتے ہیں کہ داڑھی مونچھ آنے سے جب چہرہ پر دھواں ظاہر ہوتا ہے اور چہرہ کا حسن غائب ہو جاتا ہے اس وقت عشق مجازی کا بازار ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور مجاز کی گرم بازاری عشق ایسی سرد پڑتی ہے کہ پھر کبھی گرم نہیں ہوتی۔ اس لئے مولانا رومی نصیحت فرماتے ہیں۔

عشق بامردہ نباشد پائیدار
عشق را باحی و باقیوم دار

مرنے والوں کے ساتھ عشق پائیدار نہیں ہوتا کیونکہ ایک دن یا تو وہ مر جائیں گے یا مرنے سے پہلے ہی ان کا حسن ایسا زائل ہوگا کہ ان کی طرف دیکھنے کو بھی دل نہ چاہے گا۔ لہذا محبت صرف اس زندہ حقیقی سے کرو جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور جس کی حیات کے فیضان سے ساری کائنات کی حیات قائم ہے اور جو قیوم بھی ہے کہ خود اپنی ذات سے قائم ہے کسی کا محتاج نہیں اور ساری کائنات کو اپنی قدرت قاہرہ سے سنبھالے ہوئے ہے۔ پس صرف وہ حی و قیوم ہی محبت کے قابل ہے کیونکہ مرنے والے جب ایک دن خود مر جائیں گے تو یہ دوسرے کو کیسے حیات دے سکتے ہیں اور جو خود کو نہیں سنبھال سکتے وہ دوسروں کو کیا سنبھالیں گے۔

ناف ما بر مہر خود بریدہ اند

عشق خود در جان ما کاریدہ اند

ارشاد فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بچہ کی ناف میں ایک رگ ہوتی ہے جو شکم مادر سے جڑی رہتی ہے جسے نال کہتے ہیں، دائی اس نال کو کاٹتی ہے جو دلیل ہے کہ اس کا رابطہ شکم مادر سے کٹ گیا اور اب یہ دنیا میں آگیا اور اس کو ایک الگ وجود عطا ہو گیا۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی شرط پر ہماری نال یعنی ناف کاٹی ہے۔ بر مہر خود اپنی محبت کی شرط پر ”بر“

معنی میں یہاں شرط کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبت کی شرط پر ہم کو وجود بخشا ہے کہ جا تو رہے ہو مگر میری محبت کے پابند رہنا، اس شرط پر ہم تم کو دنیا میں بھیج رہے ہیں کہ تم غیروں کے نہ بننا، نہ نفس کے بننا نہ شیطان کے بننا، ہمارے ہو تو ہمارے بن کر رہنا ۔

نہیں ہوں کسی کا تو کیوں ہوں کسی کا

اُنہیں کا اُنہیں کا ہوا جا رہا ہوں

میرے شیخ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

نہ کبھی تھے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ ذوق شراب ہے

لب یاد چوسے تھے خواب میں وہی ذوق مستی خواب ہے

پھر حضرت اس کے معنی بتاتے تھے کہ جب اللہ نے ارواح کو اپنی تجلی دکھائی اور سوال فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو اس میں اپنی شان ربوبیت کی تجلی دکھادی اور اپنی محبت کی چوٹ لگادی۔ وہی چوٹ لگی ہوئی ہے کہ آج اللہ کا نام سن کر کافر کا بھی دل دہل جاتا ہے اور کتنا ہی فاسق ہو مگر اللہ کا نام سن کر وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آہ جیسے ہم نے کبھی اس نام کو سنا ہے ۔ اپنی چوٹ لگا کر ہمیں دنیا میں بھیجا ہے ، ان کی محبت ہماری جانوں کا فطری ذوق ہے۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔

دل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

جب پروا ہوا چلتی ہے تو پرانی چوٹ درد کرنے لگتی ہے۔ اللہ کی محبت
کی یہ پروا ہوائیں اللہ والوں کی مجالس میں ملتی ہیں۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں، جامع صغیر کی روایت ہے کہ

إِنَّ لِرَبِّكُمْ فِي أَيَّامِ ذَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوا لَهُ لَعَلَّهُ أَنْ
يُصِيبَكُمْ نَفْحَةٌ مِنْهَا فَلَا تَشْقَوْنَ بَعْدَهَا أَبَدًا (ج ۱ ص ۹۵)

اے میری امت کے لوگو! تمہارے زمانہ کے شب و روز میں اللہ
تعالیٰ کے قرب کی ہوائیں آتی رہتی ہیں، تجلیات جذب نازل ہوتی
رہتی ہیں۔ تم ان کو تلاش کرو شاید کہ تم ان میں سے کوئی تجلی، نسیم
کرم کا کوئی جھونکا پا جاؤ جس کا یہ اثر ہے کہ پھر تم کبھی بد بخت و
بد نصیب نہیں ہو سکتے۔ اس حدیث میں اللہ کے قرب کی ہواؤں کا،
تجلیات قرب کے نزول کا زمانہ بتایا گیا۔

لیکن بخاری شریف کی حدیث میں ان کا مکان بھی بتا دیا گیا کہ یہ
کہاں نازل ہوتی ہیں

هُمْ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْفِي حَلِيْسُهُمْ

(ج ۲ باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ)

یہ اللہ والے ایسے ہم نشین ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت و

بد نصیب نہیں رہ سکتا۔

دونوں حدیثوں کو ملانے سے ایک علم عظیم عطا ہوا۔ زمانہ کے شب و روز میں جو تجلیات جذب نازل ہوتی ہیں اور جو شقاوت کو سعادت سے بدل دیتی ہیں ان کی منزل اور محل اور ان کا مکان اہل اللہ کی مجالس ہیں کیونکہ ان کا جلیس و ہم نشین بد بخت نہیں رہ سکتا۔ معلوم ہوا کہ ان تجلیات مقربات کی جائے نزول مجالس اہل اللہ ہیں لہذا جو اللہ والوں کے پاس بیٹھتا ہے تو جذب کی کوئی تجلی اس پر بھی پڑ جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے سعید ہو جاتا ہے اور محبت کی پرانی چوٹ جو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرما کر اللہ تعالیٰ نے لگائی تھی پھر ابھر آتی ہے اور یہ اللہ کی محبت کا دردِ مستقل پا جاتا ہے۔

دونوں حدیثوں کے ارتباط سے جو علم عظیم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس کی حلاوت سے دل مست ہو رہا ہے۔ جامع صغیر کی روایت سے معلوم ہوا کہ اس دنیا کے شب و روز زمانِ تجلیات جذب ہیں کہ انہیں شب و روز میں جن کو وہ تجلیات مل گئیں اس کے بعد کوئی شقی و بد بخت نہیں رہ سکتا۔

مندرجہ بالا حدیث پاک سے ان تجلیات جذب، تجلیات مقربات اور نفحات کرم کا زمانہ تو معلوم ہو گیا لیکن دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ تجلیات کہاں ملتی ہیں؟ بخاری شریف کی حدیث لا یُشَقُّی جَلِیْسُهُمْ سے اللہ تعالیٰ نے فوراً دل میں یہ بات عطا فرمائی کہ اہل اللہ

کی مجالس ہی وہ مکان ہیں جہاں ان تجلیات کا نزول ہوتا ہے جن کو پانے کے بعد شقاوت سعادت سے اور بد بختی نیک بختی سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ تجلیات جذب کے زمان و مکان کا تعین مدلل بالمحدث ہو گیا فالحمد لله رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے عجیب و غریب علوم عطا فرما رہے ہیں اور یہ آپ حضرات ہی کی برکات ہیں، اس مہینے کی برکات ہیں اور میرے ان بزرگوں کی برکات ہیں جن کے ساتھ ایک عمر اختر نے بسر کی اور ایسی بسر کی کہ جنگل میں دس سال تک فجر سے لے کر ایک بجے تک ناشتہ نہیں کیا کیونکہ میرے شیخ بھی ناشتہ نہیں کرتے تھے تو میں کیسے کرتا۔ مجھے شرم آتی تھی کہ شیخ تو ناشتہ نہ کریں اور گھر سے میرے لئے ناشتہ آئے۔ میرا ناشتہ اشراق و چاشت اور ذکر و تلاوت سے ہوتا تھا۔ دوپہر ایک بجے تک ایک دانہ اڑ کر پیٹ میں نہ جاتا تھا۔ خوب کڑا کے کی بھوک لگتی تھی لیکن کیا بتاؤں کہ شیخ کی صحبت میں کیا لطف آتا تھا کہ آج تک وہ مزہ دل میں محسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ کیا کہیں عجیب و غریب معاملہ تھا وہاں نہ بیت الخلاء تھا نہ غسل خانہ اور جنگل میں استنجا کے لئے جانا اور تقریباً ایک میل سے شیخ کے لئے پانی لانا کیونکہ حضرت کنویں سے وضو نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہندو یہاں پانی بھرتے ہیں اور کنویں میں اپنا ڈول ڈالتے ہیں اگرچہ اس سے وضو کرنا جائز ہے لیکن میرا دل نہیں چاہتا لہذا

گر میوں کی دھوپ میں روزانہ ایک میل دور ندی سے حضرت کے لئے
پانی لاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ ۔

آہ جائے گی نہ میری رائیگاں
تجھ سے ہے فریاد اے رب جہاں

اللہ والوں کی خدمت اللہ تعالیٰ رائیگاں نہیں کرتا، اپنے پیاروں کی
خدمت اور ان کی محبت خدائے تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے۔ حضرت
مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم جو اب میرے مرشد ہیں
جدہ میں مجھ سے فرمایا کہ سارے عالم میں جو تم کو پوچھا جا رہا ہے اور تم
سے جو دین کا کام لیا جا رہا ہے یہ سب حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری
رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا صدقہ ہے اور اپنے سگے بھائی اسرار الحق
صاحب سے جو حیدر آباد سندھ میں رہتے تھے فرمایا کہ میں نے جو
کتابوں میں پڑھا تھا کہ لوگ اپنے شیخ پر پہلے زمانے میں کس طرح فدا
ہوتے تھے اور کتنی مشقت اور محبت سے ان کی خدمات میں سرگرم
رہتے تھے وہ کتابوں میں تو پڑھا تھا میں نے روئے زمین پر نہیں دیکھا
تھا مگر اختر کی زندگی میں وہ کتابوں کا پڑھا ہوا مجھے نظر آگیا، یہ ان
کے بھائی نے مجھے بتایا کہ مولانا ابرار الحق صاحب یوں فرما رہے تھے۔
اس کی مجھے اتنی خوشی ہے کہ اگر سلطنت ہفت اقلیم دے دوں تو حق
ادا نہیں ہو سکتا۔

ایک دفعہ میں گیارہ بجے رات کو پھولپور آیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت اور مولانا ابرار الحق صاحب اعظم گڑھ چلے گئے جو وہاں سے تیس چالیس میل ہے۔ میں وہاں سویا نہیں اگرچہ سونے کی جگہ تھی۔ سیدھا اسٹیشن آگیا اور پلیٹ فارم پر جاگتا رہا۔ دو تین بجے کے قریب دوسری ریل جب آئی تو اس سے میں تہجد کے وقت اعظم گڑھ پہنچ گیا۔ حضرت سو رہے تھے۔ میرے شیخ کا معمول تھا کہ تھوڑی تھوڑی دیر پر اللہ اللہ اللہ کرتے۔ آدھا گھنٹہ یا بیس منٹ کے بعد آنکھ کھل جاتی تھی۔ ایسی نیند نہیں تھی کہ جس میں تسلسل ہو۔ ہر آدھا گھنٹہ بعد جب آنکھ کھل گئی تو اللہ اللہ اللہ کہہ کے پھر سو جاتے تھے گویا اللہ اللہ حضرت کی غذا تھی، حضرت کی حیات کی بنیاد تھی۔ پس حضرت نے جیسے ہی اللہ اللہ کیا میں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ اور حیرت سے فرمایا کہ ارے تم کیسے آگئے اس وقت؟ ابھی تو رات ہے صبح صادق بھی نہیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی تلاش میں پھولپور گیا تھا جب وہاں آپ کو نہ پایا تو میری نیند اڑ گئی اور میں دوسری ریل سے یہاں پہنچا۔ پھر میں نے یہ شعر پڑھا۔

صبا بہ لطف بگو آں غزال رعنا را

کہ سر پہ کوہ و بیاباں تو دادہ مارا

اے صبا اس ہرن سے جو چوکڑی مار کر بھاگ رہا ہے اس کے کان میں

یہ کہہ دے کہ میرا سر تو نے پہاڑوں کے دامنوں میں اور جنگلوں میں
 ٹکرا دیا اور تو مجھے دستیاب نہ ہوا۔ بس یہ سن کر حضرت پر کیفیت
 طاری ہو گئی اور مولانا ابرار الحق صاحب کے کان میں کچھ فرمایا۔
 حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے بعد فجر مجھ سے فرمایا کہ اب تم
 حضرت سے دور نہ رہو، تم حضرت کے پاس ہی رہا کرو اور حضرت کی
 باتیں نوٹ کرتے رہو۔ تمہارا خرچہ پانی بال بچوں کا میں ہر دوئی سے
 بھیجوں گا۔ ارے میری خوشی کی تو کوئی انتہا نہ رہی جب حضرت نے
 مجھ سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا اندھا آنکھ مانگے گا
 اور بھوکا روئی۔ حضرت کئی برس تک مجھے ہر دوئی سے ساٹھ روپے
 ماہانہ بھیجتے تھے۔ میرے شیخ کی کرامت تھی کہ سارا کام چلتا تھا۔ مولانا
 منظر کی والدہ زمیندار تھیں، غلہ گھر کا تھا لیکن پھر بھی چائے کی پتی،
 دودھ چینی وغیرہ کے لئے ساٹھ روپے اس زمانہ میں بہت ہوتے تھے۔
 اس وقت سے ہی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا احقر پر خاص
 کرم تھا۔ اُس وقت حضرت میرے شیخ بھی نہیں تھے اور اُن کا میرے
 شیخ سے اصلاحی تعلق تھا، ہمارے ساتھ وہ اس طرح رہتے تھے گویا پیر
 بھائی اور ہم دونوں حضرت سے لائیں بھی سیکھتے تھے۔ حضرت لائیں
 چلاتے تھے اور ہم روکتے تھے اور کبھی ہم چلاتے تو حضرت ہماری لائیں
 کے وار روکتے تھے اور حضرت سکھاتے رہتے تھے کہ اس طرح روکنا
 چاہئے اور اس طرح وار کرنا چاہئے۔

ارشد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

راہ لذت از دروں داں نز بروں

اہلبی داں جستن قصر و حصوں

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ لذت کا راستہ اندر سے ہے نہ کہ خارج سے یعنی لذت کا مدار اسباب خارجیہ پر نہیں ہے بلکہ قلب پر ہے۔ اگر قلب میں سکون ہے تو لذت اور سکون کے خارجی اسباب نہ بھی ہوں تو بھی دل مست رہے گا، اس کے سکون اور مزہ کو کوئی چھین نہیں سکتا اور دل میں بے چینی ہے تو اسباب سکون، اسباب لذت اور اسباب عیش میں وہ بے چھین رہے گا۔ اس لئے مولانا فرماتے ہیں کہ سکون کے لئے قلعہ اور محل کے خارجی اسباب کو سہارا بنانا بے وقوفی ہے کیونکہ خارجی اسباب سے اگر دل میں لذت درآمد بھی ہوئی تو عارضی ہوگی۔ دیکھو پانچ راستے ہیں جن سے قلب میں لذت آتی ہے، دل باہر سے لذت درآمد کرنے میں حواس خمسہ کے ان پانچ راستوں کا محتاج ہے۔ اچھی آواز سے شعر سنا تو کان سے سن کر دل خوش ہو گیا۔ تو یہ لذت کان کے راستہ سے آئی۔ اسی طرح دیکھنے میں جو مزہ آیا یہ قوت باصرہ سے آیا اور عمدہ عمدہ کھا کر جو مزہ آیا وہ قوت ذائقہ سے آیا، ناک سے عطر سونگھ لیا تو یہ مزہ قوت شامہ سے آیا۔ ہاتھ سے کوئی چیز چھو کے مزہ آیا تو یہ قوت لامسہ سے آیا۔ تو یہ

ساری لذتیں جو قلب میں آتی ہیں قلب ان تمام لذتوں کے لئے باصرہ ، سامعہ ، شامہ ، لامہ ، ذائقہ کے ان پانچ راستوں کا محتاج ہے لیکن یہ سب مزہ قلب میں جمع ہوتا ہے لہذا قلب ممکن مستودات ہے ، گو دام ہے یا اسناک ہاؤس کہہ لو۔

لیکن مولانا رومی فرماتے ہیں کہ خارج سے لذتوں کو درآمد کرنے کی مثال اس قلعہ کی سی ہے جس میں باہر سے پیٹھے پانی کی پانچ نہریں قلعہ کے اندر آرہی ہوں اور اہل قلعہ ان کی لذت سے مست ہوں لیکن ایک دن جب دشمن کی فوج آ پہنچی اور اس نے قلعہ کا محاصرہ کر کے نہروں کے راستوں کو بند کر دیا اس وقت اہل قلعہ پانی کے ایک ایک قطرہ کو ترس کر مرجائیں گے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کا جسم بھی ایک قلعہ ہے جس میں حواس خمسہ کے پانچ دریاؤں سے لذتیں درآمد ہو رہی ہیں۔ ایک دریائے باصرہ ہے یعنی آنکھوں سے دیکھ کر لذت درآمد ہو رہی ہے ، ایک دریائے سامعہ ہے یعنی کانوں سے سن کر دل میں لذت درآمد کی جا رہی ہے ایک دریائے ذائقہ ہے یعنی زبان سے چکھ کر دل مزہ لے رہا ہے ، ایک دریائے شامہ ہے یعنی ناک سے سونگھ کر لذت درآمد ہو رہی ہے اور ایک دریائے لامہ ہے یعنی چھو کر باطن میں لذت داخل ہو رہی ہے لیکن جب موت آتی ہے تو آنکھ ، کان ، ناک اور زبان وغیرہ کے راستوں کے ذریعہ درآمد ہونے والی لذتوں کے

راستوں کو کاٹ دیتی ہے ۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

قاطع الاسباب لشکر ہائے مرگ
ہچو دے آید بقطع شاخ و برگ

ایک دن موت کا لشکر تمام اسباب لذت کو قطع کرنے کے لئے آپہنچتا ہے اور باغ زندگی کے شاخ و برگ کاٹ کر بہار ہستی کو خزاں میں تبدیل کر دیتا ہے ۔ پس وہ محروم جان جو خارج سے درآمد ہونے والی لذات میں مستغرق تھی اور جس نے اللہ کو راضی کر کے اپنے باطن میں تعلق مع اللہ کی بہار لازوال حاصل نہیں کی موت کے وقت اس کی تمام بہاریں ختم ہو جاتی ہیں ۔ اس وقت لذات فانیہ کی کوئی بہار اس کو نفع نہیں پہنچا سکتی ۔ حسین سے حسین صورت جس کو دیکھ کر حرام لذت حاصل کرتا تھا سامنے کھڑی ہے لیکن اب آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہیں ، زبان پر شامی کباب رکھا ہوا ہے لیکن زبان لذت کے ادراک سے قاصر ہے ، بچے کان میں ابا ابا کہہ رہے ہیں لیکن کان اب سننے سے مجبور ہیں ، ناک عطر عود ، عنبر و شامہ کی خوشبو سونگھنے سے معذور ہے ۔ لاکھوں نوٹ جن کو گن کر مزہ لیا کرتا تھا ہاتھ پر رکھے ہوئے ہیں لیکن قوت لامسہ مفلوج ہے ۔ جسم کے قلعہ میں حواس خمسہ کے راستوں سے لذتوں کے جو دریا آرہے تھے موت نے ان کو کاٹ دیا لہذا جسم اب ادراک لذت سے قاصر ہے ۔ اکبر الہ آبادی کا

شعر ہے ۔

قضا کے سامنے بے کار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر پینا نہیں ہوتیں

اور احقر کا شعر ہے ۔

آکر قضا باہوش کو بے ہوش کر گئی
ہنگامہ حیات کو خاموش کر گئی

مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

آں زماں یک چاہ شورے اندروں
بہ ز صد جیحون شیریں از بروں

پس اگر یہ شخص باصرہ شامہ ذائقہ سامعہ اور لامہ کے دریاؤں سے
باطن میں درآمد ہونے والی لذات فانیہ میں بالکلیہ غرق نہ ہوتا اور
زندگی میں اللہ کی محبت و طاعت کا کوئی کھاری چشمہ ہی اپنے دل میں
کھود لیتا یعنی فرماں برداری و طاعت میں تھوڑی سی بھی کوشش کی
ہوتی تو یہ بے ہودہ اور ذرہ بھر کوشش جس کی مثال بوجہ نقصان
عبدیت کھاری چشمہ کی سی ہے تو طاعت کا یہ کھاری چشمہ بھی اس
وقت لذات فانیہ کے ان سینکڑوں میٹھے دریاؤں سے بہتر ہوتا جو حواس
خمسہ کے ذریعہ باہر سے جسم کے قلعہ کے اندر داخل ہو رہے تھے ۔

پس جب اللہ کی محبت کا ایک کھاری چشمہ بھی فائدہ سے خالی نہیں تو ہم کیوں نہ اس زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا غیر محدود اور لازوال دریا اپنے دل میں حاصل کر لیں اور کیوں نہ منتہائے اولیاء صدیقین تک پہنچنے کی اللہ سے فریاد کریں کیونکہ یہ زندگی ایک ہی بار ملی ہے ، دوبارہ نہیں ملے گی ۔ جب دوبارہ زندگی نہیں ملے گی تو اللہ تعالیٰ کی دوستی کے منتہائے مقام تک پہنچنے کے لئے کیوں نہ جان لڑا دیں ۔ اس کا کیا طریقہ ہے ؟ حواس خمسہ کے جو پانچ راستے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں ان سے صرف حلال لذتیں درآمد کریں ، حرام لذتوں کا ایک ذرہ قلب میں داخل نہ ہونے دیں ۔ پس اگر کسی نے اپنے پانچوں حواس پر تقویٰ کی پاسبانی مقرر کر دی اور ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے حرام لذت کو دل میں نہیں آنے دیتا تو اس کے قلب میں نور تقویٰ سے اور غم مجاہدہ سے تجلیات کا پیہم نزول ہوتا رہتا ہے ۔ اس علم عظیم کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ احقر کو عطا فرمایا کہ ایسے قلب پر جو مجاہدہ کر کے میرا غم اٹھاتا ہے ، ایک لمحہ اور ایک سانس بھی مجھ کو ناراض نہیں کرتا اور میری ناخوشی کے راستے سے اپنے دل میں ایک اعشاریہ خوشی داخل نہیں ہونے دیتا ، زبردست پاسبانی رکھتا ہے ، خون تمنا کرتا ہے اور زخم حسرت کھاتا ہے تو ایسے قلب پر تجلیات الہیہ دافرہ متواترہ بازغہ نازل ہوتی ہیں ۔ دافرہ میں کمیت ہے اور بازغہ میں کیفیت ہے یعنی نہایت خاص اور قوی تجلی،

اور متواترہ یعنی تسلسل ہوتا ہے اور یہ تسلسل کیوں ہے؟ کیونکہ اس کا مجاہدہ مسلسل ہے اس لئے تجلیات بھی مسلسل نازل ہوتی ہیں۔

اسی لئے حدیث پاک میں ہے اَتَّبِعِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ تم حرام سے بچ جاؤ سب سے بڑے عبادت گزار ہو جاؤ گے کیونکہ عابدین کی عبادت وقتیہ محدود یہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی عبادت میں ایک محدود وقت تک ہی رہ سکتے ہیں مثلاً نوافل، ذکر و تلاوت ایک محدود وقت تک ہی کر سکتے ہیں لیکن جو شخص تقویٰ سے رہتا ہے، گناہ سے بچتا ہے وہ ہر وقت عبادت میں ہے۔ اس کا ہر منٹ، ہر سیکنڈ، ہر سانس اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرنے کی عبادت میں مشغول ہے اس لئے متقی چوبیس گھنٹہ کا عبادت گزار ہے کیونکہ چوبیس گھنٹے وہ اللہ کو ناراض نہ کرنے کی عبادت میں ہے۔ قلباً و قابلاً و عیناً ایک لمحہ بھی اللہ کو ناراض نہیں کرتا اسی لئے اس حدیث پاک میں متقی کو سب سے بڑا عبادت گزار فرمایا گیا۔ اور اگر کبھی خطا ہو جائے تو جب تک توبہ و استغفار سے، اشکبار آنکھوں سے اللہ کو راضی نہیں کر لیتا اس کو چین نہیں آتا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متقی رہنا اتنا ہی آسان ہے جتنا با وضو رہنا کہ وضو اگر ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کر لو۔ اسی طرح تقویٰ اگر کبھی ٹوٹ جائے تو توبہ کر کے دوبارہ متقی ہو جاؤ۔ بس شرط یہی ہے کہ توبہ کرتے وقت توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو، پکا ارادہ ہو کہ اب یہ گناہ کبھی نہیں کروں گا۔ اگر

وسوسہ آئے کہ تو پھر یہ گناہ کرے گا تو وسوسہ کا اعتبار نہیں۔ وسوسہ، شکستِ توبہ، عزمِ شکستِ توبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود بالفرض اگر آئندہ کبھی نفس سے مغلوب ہو کر توبہ ٹوٹ گئی تو اس سے پہلی توبہ باطل نہیں ہوئی وہ ان شاء اللہ قبول ہے۔ پھر دوبارہ توبہ کر لو اور پھر عزم کرو کہ آئندہ کبھی توبہ نہ توڑوں گا، کبھی یہ گناہ نہ کروں گا۔

تو میں نے گذارش کی کہ قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا دریائے لازوال و غیر محدود حاصل کرنے کا یعنی منہائے اولیاء صدیقین تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ حواسِ خمسہ کے راستوں سے حرام لذت کا ایک ذرہ داخل نہ ہونے دو اور ارادہ کر لو کہ اولیاء صدیقین کی آخری سرحد تک پہنچ کر مریں گے اور دعا بھی کرو کہ اے اللہ ہم سب کو اولیاء صدیقین کی خط انتہا تک پہنچا دے، ہم کو بھی ہمارے بال بچوں کو بھی ہمارے احباب حاضرین اور غائبین کو بھی۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اولیاء صدیقین کون ہیں؟ تو علامہ آلوسی نے صدیق کی تین تعریف کی ہے۔ (۱) الَّذِي لَا يُخَالِفُ قَوْلَهُ حَالُهُ جس کا قول اور حال ایک ہو یعنی دل و زبان ایک ہو جس پر میرا ایک شعر ہے جو لندن میں وارد ہوا جب ایک عالم صاحب نے کہا کہ تمہاری تقریر میں زبردست درد محسوس ہوا تو میں نے کہا۔

اس طرح دردِ دل بھی تھا میرے بیاں کے ساتھ
جیسے کہ میرا دل بھی تھا میری زباں کے ساتھ

ایک ملک والوں نے کہا کہ تمہاری تقریر میں بڑی مٹھاس تھی تو میں نے کہا ۔

اس درجہ حلاوت ہے مرے طرزِ بیاں میں
خود میری زباں اپنی زباں چوس رہی ہے

آپ بتائیے اگر کوئی سیونیوں میں زیادہ شکر ڈال دے تو زبان لپٹ لپٹ جاتی ہے کہ نہیں؟ مٹھاس سے آدمی اپنی زبان خود چوسنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے بزرگوں کے صدقہ میں میرے کلام میں ایسی حلاوت عطا فرمائی ہے کہ میں خود مست ہو جاتا ہوں اور یہ میرا کمال نہیں، محض حق تعالیٰ کی عطا ہے، بزرگوں کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔

پس صدیق کی پہلی تعریف یہ ہے جس کا قول و حال ایک ہو، جس کا دل اس کی زبان کے ساتھ ہو یعنی زبان اس کے دل کی ترجمان ہو۔ اس کے قول و حال اور دل اور زبان میں فاصلے نہ ہوں۔ اور صدیق کی دوسری تعریف ہے۔ (۲) اَلَّذِي لَا يَتَغَيَّرُ بَاطِنُهُ مِنْ ظَاهِرِهِ جس کا باطن ظاہری حالات سے متاثر نہ ہو ۔

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

اللہ کا شکر ہے لندن، اٹلانٹا، شکاگو، ڈیٹرائٹ، بفیو، ٹورنٹو اور ایڈمنٹن

جہاں بھی اختر گیا الحمد للہ بزرگوں کی دعاؤں کے صدقہ میں یہی حال تھا جو آج یہاں پارہے ہو۔ ہر لمحہ، حیات اللہ تعالیٰ پر فدا کرنے کی درخواست اور توفیق مانگتا ہوں اپنے لئے بھی اپنے بچوں کے لئے بھی اور دوستوں کے لئے بھی اور ایک لمحہ، حیات بھی اپنے مالک کو ناراض کر کے حرام خوشیوں کی استیراد اور درآمدات پر سیل (seal) کرنا چاہتا ہوں، یعنی سخت پابندی لگانا چاہتا ہوں اور اسی محنت کے لئے میری سارے عالم میں اس وقت گردش اور سفر ہے۔

اور صدیق کی تیسری تعریف ہے (۳) الَّذِي يَبْدُلُ الْكَوْنَيْنِ فِي رِضَا مَخْبُوبِهِ صدیق وہ ہے جو دونوں جہان اللہ پر فدا کر دے۔ دنیا فدا کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن آخرت کیسے فدا کریں؟ یعنی جنت کے لالچ میں نیک عمل مت کرو اللہ کی خوشی کے لئے کرو اور جنت کو ثانوی درجہ میں رکھو۔ دلیل اس کی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کو موخر کرنا دلیل ہے کہ اے اللہ کے عاشق پہلے اللہ کو خوش کرنے کے لئے روزہ نماز کرو، جنت کو ثانوی درجہ میں رکھو اور گناہ جب چھوڑو تو پہلے اللہ کی ناراضگی کے خوف سے چھوڑو اور اس کی دلیل ہے وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مَسْحَطِكَ وَ النَّارِ اے خدا پہلے میں تیری ناخوشی سے پناہ چاہتا ہوں پھر دوزخ سے۔ اور جہنم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثانوی درجہ میں کر دیا کیونکہ اے اللہ تیرا ناراض ہونا جہنم سے کم نہیں۔ اس دعا میں اُمت کو آپ

نے تعلیم دے دی کہ اے اللہ آپ کو ناخوش کرنا، گناہ کر کے حرام خوشی لانا اور حسینوں کے نمک حرام کو چکھنا یہ آپ کی ناراضگی کا سبب ہے اس لئے ہم آپ کی ناخوشی سے بچنا چاہتے ہیں، ہم ایسی خوشیوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

ہم ایسی لذتوں کو قابلِ لعنت سمجھتے ہیں
کہ جن سے ربِ مراے دوستو ناراض ہوتا ہے

اللہ کی ناراضگی سے بچنے کے غم میں جان دینا ہماری سعادت ہے۔ ہم اللہ پر جان دینے ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اس پر میرے دو شعر ہیں۔

ہے روحِ بندگی بس ان کی مرضی پر فدا ہونا
یہی مقصودِ ہستی ہے یہی منشاءِ عالم ہے
خوشی پر ان کی جینا اور مرنا ہی محبت ہے
نہ کچھ پروائے بدنای نہ کچھ پروائے عالم ہے

زیادہ سے زیادہ حسینوں کو نہ دیکھنے سے دل کو تکلیف ہوگی اور اگر دل کہے کہ حسینوں کو نہ دیکھ کر مجھے تم تکلیف دیتے ہو تو دل سے کہہ دو کہ اے دل تیری کیا قیمت ہے ہم تو جان دینے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہِ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سو جھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

یہ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے۔ ان کی باتیں یاد آتی ہیں۔ حضرت والا کی یاد میں احقر کا شعر ہے۔

لطف تو چوں یاد می آید مرا
بوئے تو جانم بجوید در سرا

جب آپ کا لطف و کرم مجھے یاد آتا ہے تو میری جان دیوانہ وار آپ کو اس عالم میں تلاش کرتی ہے۔

صدیق کی تین تعریفیں تو آپ نے سن لیں اور چوتھی تعریف اللہ تعالیٰ نے اختر کو اپنے مبداء فیض سے براہ راست عطا فرمائی بہ دعائے بزرگاں بظفیل اہل اللہ۔ جس مبداء فیاض سے علامہ آلوسی کو عطا ہوا اسی مبداء فیاض سے اگر اختر کو بھی عطا ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔ وہ چوتھی تعریف یہ ہے کہ جو بندہ اپنی ہر سانس کو اللہ پر فدا کرے اور ایک سانس بھی اللہ کو ناخوش کر کے حرام خوشیاں اپنے اندر نہ لائے یہ بھی صدیق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے یہ مقام ہم سب کو عطا فرمائے اور ولایت صدیقیت کی انتہا تک محض اپنے کرم سے ہم سب کو پہنچا دے اگرچہ ہمارے سینے اس کے اہل نہیں لیکن اے اللہ آپ تو اہل ہیں ہم نا اہلوں کو اہل بنانے پر بھی قادر ہیں لہذا ہم نالائقوں پر اپنے کرم کی موسلا دھار بارش برسات دیجئے آمین یا رب العالمین۔

مجلسِ درسِ مثنوی

۹ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۹۸ء بروز جمعرات
بعد فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

ارشادِ فرمایا کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر پیاسے لوگ دنیا میں پانی کو تلاش
کرتے ہیں تو ۔

آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے۔ بتاؤ کیسا پیارا شعر ہے۔ اس
سے کیسی محبت ٹپک رہی ہے اور کیسی امید بندھ جاتی ہے کہ اگر ہم شیخ
سے محبت کریں گے تو شیخ خود ہم کو تلاش کرے گا اور شیخ بھی ہم سے
محبت کرے گا۔ میں چند منٹ کے لئے کہیں جاتا تو حضرت پوچھتے تھے
کہ بھئی حکیم جی کہاں گئے؟ واہ کیا مزہ آتا تھا کہ بابا تلاش کر رہے
ہیں۔ لوگ معشوق بننا چاہتے ہیں مولانا رومی فرماتے ہیں کہ عاشق بن

کے رہو، معشوقیت چھوڑ دو ورنہ پیائش دینی پڑے گی کہ گردن کتنی لمبی ہے، سینہ کتنا چوڑا ہے، ناک چھٹی تو نہیں ہے، آنکھیں کیسی ہیں۔ تمہاری ہر خوبی میں فی نکل سکتی ہے کہ تم نے نماز صحیح ادا نہیں کی، روزہ صحیح نہیں رکھا، تم اللہ کی عظمت کے شایان شان بندگی نہیں کر سکتے اور عاشق بننے میں کچھ ناپ تول نہیں۔ ناک کیسی ہی ہو، آنکھیں کیسی ہی ہوں، چاہے رنگ پکا ہو بس آپ کا عشق نہ کچا ہو، عاشقوں کی کوئی پیائش نہیں، سراپا عیب ہوتے ہوئے بھی تم اللہ سے محبت کر سکتے ہو اور کہہ سکتے ہو کہ اے اللہ مجھ میں کوئی خوبی نہیں لیکن میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ کی محبت کو اللہ نہیں ٹھکرائے گا۔ اسی کو مولانا نے فرمایا کہ اگر پیاسے لوگ پانی کو ڈھونڈتے ہیں کہ پانی کہاں ہے تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے۔ دیکھو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ کس نے محبت کی؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے! جب انہوں نے جنگِ احد میں خونِ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم بہتے دیکھا تو صدیق اکبر نے تلوار نکالی اور کافروں کی طرف جھپٹے اور اعلان کیا کہ آج یا تو صدیق شہید ہو جائے گا یا پھر ایک کافر کو نہیں چھوڑوں گا۔ مجھ سے خونِ نبوت نہیں دیکھا جاتا۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے کہ میں اپنے پیغمبر کا خون دیکھوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھپٹ کر ان کو پکڑ لیا اور فرمایا شمشیر سبک اے صدیق اپنی تلوار کو نیام میں رکھ لے لا

تُفَجِّعُنَا بِنَفْسِكَ اپنی شہادت سے مجھے جدائی کا غم نہ دے۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر صدیق کی حیات کا عاشق ہوتا ہے کیونکہ صدیق کا رنبوت کی تکمیل کرتا ہے اس لئے صدیق کی زندگی شہید سے افضل ہے۔ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ کی ترتیب بتا رہی ہے کہ صدیقین کا درجہ شہداء سے زیادہ ہے۔

تو مولانا فرماتے ہیں کہ پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے اس کی دلیل قرآنی يُحِبُّهُمْ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں سے محبت کرتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا وَيُحِبُّونَهُ کہ میرے بندے بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں قَدَّمَ اللَّهُ تَعَالَى مَحَبَّتَهُ عَلَى مَحَبَّةِ عِبَادِهِ لِيَعْلَمُوا أَنَّهُمْ يُحِبُّونَ رَبَّهُمْ بِقِيْضَانِ مَحَبَّةِ رَبِّهِمْ اللہ نے اپنی محبت کو اپنے بندوں کی محبت سے پہلے بیان کیا تاکہ میرے بندے جان لیں کہ ان کو جو میرے ساتھ محبت ہے یہ میری ہی محبت کا فیضان ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ تصوف کہاں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ سارا قرآن پاک اور ساری حدیث پاک تصوف ہی تصوف ہے۔ تصوف نام ہے محبت کا اور قرآن و حدیث میں محبت ہی محبت ہے۔ منکرین تصوف دراصل وہی ہیں جو محبت سے خالی ہیں۔ ظالموں کو اللہ والوں کی غلامی کرنے میں حُبِ جاہ مانع ہے کہ اس راستہ میں تو چھوٹا بننا پڑے گا، کسی کو اپنا بڑا بنانا پڑے گا لہذا حُبِ جاہ مانع ہے کہ میں بڑا بنا رہوں، لوگ مجھے سلام کریں حالانکہ اگر یہ اپنے آپ کو اللہ والوں کے سامنے

مناہیتے تو مخلوق بھی ان کو دل سے چاہتی ، مخلوق کے دل میں اللہ ان کی عزت ڈال دیتا ۔

تَوُجِّبُهُمْ وَيُجِبُونَهُ میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں ناز نہ کریں کیونکہ یہ میری ہی محبت کا فیضان ہے اور اہل اللہ چونکہ مظہر صفات حق ہوتے ہیں ، متخلق باخلاق اللہ ہوتے ہیں ، واسطۂ ظہور رحمت ہوتے ہیں لہذا پہلے وہ اللہ کے بندوں سے محبت کرتے ہیں جس کے فیض سے مریدین ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنے شیخ سے کہا کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔ شیخ نے کہا کہ یہ میری ہی محبت کا فیض ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت میں آپ کو زیادہ چاہتا ہوں تو فرمایا اچھا ! اور حضرت نے اپنی توجہ بٹالی۔ پھر چھ مہینے تک وہ شخص نہیں آیا جب کہ روزانہ آتا تھا۔ پھر شیخ نے توجہ ڈالی اور محبت سے اُس کو یاد کیا تو پھر آگئے تو فرمایا کہ آپ کی محبت کہاں گئی ، چھ مہینے کہاں رہے؟ وہ مرید نادم ہوا اور عرض کیا کہ حضرت یقین آگیا کہ میری محبت آپ ہی کی محبت کا فیضان ہے ۔

وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

اور یہ آیت مرتدین کے مقابلہ میں ہے کہ یہ مرتد بے وفا ہیں ان میں محبت نہیں ہے اب ان کے مقابلہ میں فَسَوْفَ بَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ میں ایک قوم عاشقوں کی پیدا کروں گا کون سی قوم؟ يُجِبُهُمْ وَ

يُحِبُّونَهُ - یہ وہ قوم ہے جس سے میں محبت کروں گا اور جو مجھ سے محبت کرے گی۔ معلوم ہوا کہ عاشقوں کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے فَسَوْفَ یَأْتِی کا ظہور ہے جس کا سلسلہ قیامت تک رہے گا کیونکہ اِثْبَانٌ میں سَوْفَ ہے مگر اس کا تسلسل منقطع نہیں ہے لہذا جو اپنے شیخ کا عاشق ہو تو سمجھ لو کہ یہ فَسَوْفَ یَأْتِی اللہ بِقَوْمٍ کا ایک فرد ہے۔ اس لئے بِقَوْمٍ نازل فرمایا بِأَقْوَامٍ نازل نہیں فرمایا کہ ہم بہت سی قومیں نازل کریں گے۔ مفرد نازل فرما کر بتادیا کہ سارے عالم کے عاشق ایک ہی قوم ہیں لہذا ہم سب ایک قوم ہیں اگرچہ کوئی پنجابی ہے کوئی بنگالی ہے کوئی ہندوستانی ہے کوئی فارسی ہے کوئی عربی ہے لاکھوں زبانیں ہیں مگر اللہ کے عاشقوں کو اللہ نے ایک قوم فرمایا۔ دیکھو یہاں کتنے ملکوں کے لوگ جمع ہیں۔ یہ برطانیہ کا ہے یہ انگریزی میں ہاؤ آر یو کہے گا، یہ جنوبی افریقہ کا ہے یہ تمہاری طبیعت یکم چھو پوچھے گا اور بنگلہ دیش والے پوچھیں گے کیمن آچھی اور پٹھان کہے گا خیر راغلے اور فارسی والا کہے گا مزاج شما چہ طور است اور عربی والا کہے گا کَیْفَ حَالُکَ لیکن یہ سب ایک قوم ہیں۔ معلوم ہوا کہ قومیت زبانوں سے نہیں بنتی، معلوم ہوا کہ قومیت صوبوں اور علاقوں سے نہیں بنتی، معلوم ہوا کہ قومیت رنگ و روغن اور الوان و النسب کے اختلاف سے نہیں بنتی۔ یہ قومیت يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهُ سے بنتی ہے، اللہ کے عاشقوں سے بنتی ہے جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت

کرتے ہیں لہذا پورے عالم میں جو بھی اللہ کا عاشق ہوگا وہ ہماری قوم ہے اور جو ان کا عاشق نہیں وہ ہمارا نہیں، وہ ہماری قوم کا نہیں اگرچہ ہمارے وطن کا ہو، اگرچہ ہمارا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، ہمارا خون ہماری زبان ہمارا صوبہ ہمارا علاقہ ہمارا ملک کیوں نہ ہو لیکن وہ ہماری قوم کا نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ کا عاشق نہیں ہے، **يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهُ** کافر نہیں ہے۔ ہماری قوم اللہ کے عاشقوں سے بنتی ہے۔ سارے عالم کو اس قوم کی خبر نہیں، یہ وہ قوم ہے جس کو خالق کائنات نے نازل فرمایا ہے۔ اے روس و امریکہ! تم کیا جانو کہ قوم کیا چیز ہے؟ پیدا کرنے والا جانتا ہے۔ جس نے ہم سب کو پیدا کیا اس کی بتائی ہوئی قومیت معتبر ہے یا تمہاری بنائی ہوئی۔ تمہاری قومیت تو رنگ و نسل ملک و قوم اور زبانوں کے اختلاف سے بنتی ہے جس کا نتیجہ نفرت و عداوت ہے اور عاشقان خدا کی قوم کی امتیازی شان **يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهُ** ہے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے عاشقوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی۔ ایک عاشق دوسرے عاشق سے مل کر مست ہو جاتا ہے۔

یوں تو ہوتی ہے رقابت لازماً عشاق میں

عشق مولیٰ ہے مگر اس تہمت بد سے بری

کیونکہ ایک قوم ہونے کے احساس سے محبت میں خود بخود اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہر آدمی کو اپنی قوم سے محبت ہوتی ہے۔ اس آیت کا نزول

سارے عالم کے عشاق میں اضافہ محبت کا ضامن ہے کیونکہ یہ علم کہ ہم ایک قوم ہیں اور ایسی قوم ہیں کہ جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتے ہیں تو ہر شخص اپنی قوم کو محبوب رکھتا ہے جیسے جن بچوں کو باپ سے تعلق قوی ہوتا ہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور باپ سے تعلق کمزور ہوتا ہے تو آپس میں لڑائی ہوتی ہے۔ جو اللہ کی محبت سے محروم ہیں وہی آپس میں لڑتے ہیں اور جن کے قلب اور قالب پر اللہ کی محبت غالب ہے وہ ایک دوسرے پر فدا ہوئے جاتے ہیں۔

مثنوی کے اس شعر کی شرح میں آج ایک عظیم علم اللہ نے عطا فرمایا کہ جتنے مرتد ہیں بے وفا ہیں، یہ اہل محبت نہیں ہیں۔ یہ پیاسے نہیں تھے ورنہ پانی ان کو خود تلاش کر لیتا۔ اگر ان کے دل میں محبت کی پیاس ہوتی تو اللہ کی رحمت ان کو خود تلاش کر لیتی، اپنے آغوشِ کرم میں لے لیتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو محروم نہیں فرماتے کیونکہ عاشق بھی اپنے محبوب کا در نہیں چھوڑتا۔ خواجہ صاحب نے اس حقیقت کو اپنے اس شعر میں پیش کیا ہے۔

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جہیں سائی ہے

جہیں معنی پیشانی یعنی ہماری پیشانی اللہ کی چوکھٹ کو رگڑتی رہے گی قیامت تک اگر اللہ ہمیں زندگی دے دے تو ہم بے وفا اور بھاگنے

والے نہیں ہیں، اللہ کے دروازہ پر ہماری پیشانی قیامت تک رہے گی۔

سر زاہد نہیں یہ سر سر سودائی ہے

یہ عاشقوں کا سر ہے، یہ زہد خشک کا سر نہیں ہے جو ان کے در کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔

اگر اہل محبت بھی بے وفا ہوتے تو مرتدین کے مقابلہ میں یہ آیت نازل نہ ہوتی۔ اگر اہل محبت بے وفا ہوتے تو نعوذ باللہ مرتد کا مقابلہ مرتد سے ہوتا حالانکہ مقابلہ تو ضد سے ہوتا ہے جیسے دو من طاقت والے پہلوان کے مقابلہ میں چار من طاقت والا پہلوان لایا جاتا ہے۔ پس اس آیت میں اہل ارتداد کا مقابلہ اہل وفا سے ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ قوم اہل وفا ہے جو کبھی مرتد نہ ہوگی۔ بے وفائی کی کھٹی مشک کے فردِ کامل یعنی مرتدین کے مقابلہ میں وفاداری کی کھٹی مشک کے فردِ کامل یعنی اہل محبت لائے جا رہے ہیں لہذا یہ کبھی بے وفا نہ ہوں گے۔ اس قومیت کے عالم میں جتنے افراد ہوں گے وہ کبھی مرتد نہیں ہوں گے، بے وفا نہیں ہوں گے، اللہ کا دروازہ نہیں چھوڑیں گے اور شیخ کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ شیخ سے بھاگنے والے بھی وہی ہوتے ہیں جن میں محبت نہیں ہوتی جس طرح نبی سے بھاگنے والے جو تھے وہ پہلے ہی سے بے وفا تھے۔ شیخ نائبِ رسول ہوتا ہے، جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے اسی کے دل میں شیخ کی محبت ہوتی ہے، جس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہوتی اس کو اہل اللہ سے

محبت نہیں ہوتی اور جس کے دل میں اہل اللہ کی محبت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت نہیں کرتے۔ اللہ کے پیاروں کے صدقہ میں ہی اللہ تعالیٰ کی عنایت و محبت نصیب ہوتی ہے۔ جو نبی پر ایمان نہیں لائے، کیا اللہ نے ان سے محبت کی؟ کیا ابو جہل سے اللہ نے محبت کی؟ کیا ابو لہب سے اللہ نے محبت کی؟ نبی سے دشمنی کے سبب ان پر غضب نازل ہوا اور جنہوں نے نبی سے محبت کی اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرفراز ہوئے۔ معلوم ہوا کہ جو اپنے شیخ و مرشد کی محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت و عنایت ان کو نصیب ہوتی ہے اور جو اہل اللہ سے محبت نہیں کرتے عنایات حق سے محروم رہتے ہیں۔

اور اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت بھی ہے کہ اہل محبت کا خاتمہ ایمان پر ہوگا کیونکہ اللہ جس سے محبت کرے اور جو اللہ سے محبت کرے گا بھلا اس کا خاتمہ خراب ہوگا؟ اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل محبت کی صحبت میں رہو تاکہ ان کی برکت سے تمہارے دل میں بھی اللہ کی محبت آجائے جو ضامن ہے حسنِ خاتمہ کی۔

سیر زاہد ہر مہے یک روزہ راہ

سیر عارف ہر دمے تا تحت شاہ

ارشاد فرمایا کہ زاہد خشک کہتے ہیں ایسے لوگوں کو

جو عبادت تو بہت کرتے ہیں لیکن دین کی سمجھ نہیں رکھتے کیونکہ کسی اللہ والے سے اللہ کی محبت نہیں سیکھتے اس لئے عبادت کے ساتھ گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے اس لئے باوجود عبادت کے اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ زاہدان خشک باوجود کثرت عبادت کے ایک مہینہ میں ایک دن کا راستہ طے کرتے ہیں اور عارفین عاشقین ہر سانس میں عرش اعظم تک پہنچتے ہیں بوجہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دین کی سمجھ کے اور گناہوں سے بچنے میں اپنے دل کا خون کرنے کی برکت سے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ کسی اللہ والے سے اللہ کی محبت سیکھ لو تو تمہارا ایک سجدہ ایک لاکھ سجدوں کے برابر ہو جائے گا، تمہاری دو رکعات لاکھ رکعات کے برابر ہو جائیں گی، ایک عمرہ لاکھ عمروں کے برابر ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جب اللہ کی محبت کا درد ملتا ہے تو کعبہ کچھ اور نظر آتا ہے ورنہ جب گھر والے ہی کو نہیں جانتے تو گھر سے کیا ملے گا۔ گھر میں جا کر لوگ بد نظری کرتے ہیں، کوئی لڑکی کو دیکھ رہا ہے کوئی لڑکے کو دیکھ رہا ہے، کوئی فریج کی تحقیق بتا رہا ہے کہ آج میں نے فلاں فریج خریدا ہے۔ غیر اللہ کی گفتگو بیت اللہ میں ہو رہی ہے کیونکہ اپنے ملکوں میں غیر اللہ سے قلب خالی نہیں کیا، دل کی آنکھوں کا آپریشن نہیں کر دیا تو کعبہ میں بھی ان کو اللہ نہیں ملتا۔ اسی لئے ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید سے فرمایا تھا جو نفلی حج کرنے جا رہا تھا کہ فرض حج تو ادا کر لیا اب کہاں

نفل کے لئے جارہے ہو، پہلے اللہ کی محبت حاصل کرو، کعبہ والے سے جان پہچان کرو پھر کعبہ میں تمہیں کعبہ والا نظر آئے گا اور یہ شعر پڑھا۔

اے قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید
معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید

حکیم الامت کے وعظ میں یہ شعر ہے کہ اس اللہ کے ولی نے یہ کہا تھا کہ اے لوگو! کہاں نفل حج کے لئے چلے جارہے ہو معشوق یعنی اللہ تو ہمارے پاس ہے تم کہاں جارہے ہو ادھر آؤ ادھر آؤ۔ کعبہ سے تمہیں اللہ نہیں ملے گا اللہ اللہ والے سے ملے گا۔ پہلے مجھ سے اللہ کو حاصل کرلو، اللہ کی محبت سیکھو پھر نفلی حج یا عمرہ کے لئے جاؤ تو پھر تمہیں کعبہ کا مزہ آئے گا، پھر تمہیں کعبہ میں اللہ کی تجلیات نظر آئیں گی، مولانا فرماتے ہیں۔

حج کردن زیارت خانہ بود
حج رب البیت مردانہ بود

عام لوگ تو بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں لیکن خاصانِ خدا رب البیت کا طواف کرتے ہیں۔ ان کو بیت اللہ میں اللہ نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تجلیاتِ خاصہ کا ادراک ہوتا ہے۔

اس لئے کسی اللہ والے کے پاس چالیس دن رہ لو، ایک چلہ لگا لو

پھر دیکھو کہ سلوک اور پیری مریدی سے کیا ملتا ہے ورنہ رکھی پیری مریدی کا مزہ نہیں۔ انڈا اگر مرغی سے مرید ہو جائے لیکن اکیس دن اس کے پروں میں نہ رہے تو بتائیے اس میں جان آئے گی؟ مردہ کا مُردہ رہے گا۔ بہت سے مرید ایسے ہیں کہ جا کر پیر سے بیعت ہو گئے لیکن اس کی صحبت میں نہ رہے تو مُردہ کے مُردہ ہی رہے، نسبت عطا نہ ہوئی۔ یہ حکیم الامت کی بات پیش کر رہا ہوں۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انڈا اکیس دن تک تسلسل کے ساتھ مرغی کے پروں میں رہے تو بچہ پیدا ہوگا۔ پھر وہ چھلکے کو خود توڑ دے گا۔ اکیس دن کے بعد اب اسے شیخ کے احسان کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ مرغی صاحبہ ذرا میرا چھلکا توڑ دو میں اندر سے باہر آنا چاہتا ہوں۔ وہ خود چونچ مارے گا اور بزبانِ حال یہ شعر پڑھتا ہوا نکل آئے گا۔

کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا

اسی طرح شیخ کی خدمت میں تسلسل کے ساتھ کم از کم چالیس دن رہ لو پھر دیکھو گے کہ روح میں ایسی قوت آئے گی کہ تعلقات ماسوی اللہ کو خود توڑ دو گے۔ پھر شیخ کی بھی ضرورت نہیں رہے گی لیکن عمر بھر شیخ کا احسان مند رہنا پڑے گا کیونکہ اسی کی برکت سے حیاتِ ایمانی عطا ہوئی ہے۔ اگر شیخ نہ ہوتا تو مُردہ کے مُردہ ہی رہتے۔ اندر جو صلاحیت

ہوتی ہے وہ شیخ کی برکت سے ظاہر ہو جاتی ہے مثلاً مرغی کے پروں کے نیچے تین قسم کے انڈے رکھے گئے۔ ایک مرغی کا، ایک کبوتر کا، ایک بٹخ کا۔ تو ان انڈوں سے تین قسم کی شخصیتیں ظاہر ہوں گی۔ مرغی کے انڈے سے مرغی کا بچہ نکلے گا، کبوتر کے انڈے سے کبوتر کا اور بٹخ کے انڈے سے بٹخ کا بچہ نکلے گا۔ اور کبوتر اڑے گا اور بٹخ دریا میں تیرے گی۔ مرغی کو بھی حیرت ہوگی کہ یہ تو میرے ہی پروں سے نکلا تھا لیکن یہ اڑ رہا ہے اور وہ تیر رہا ہے اور مرغی نہیں تیر سکتی لیکن ان کو عمر بھر مرغی کا احسان ماننا پڑے گا کہ اس کی برکت سے ہمارا وجود ہوا۔ اسی طرح حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کے پروں سے مجدد پیدا ہوا لیکن حضرت ہمیشہ فرماتے تھے کہ حاجی صاحب کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ حضرت کا تخلص آہ تھا۔ فرماتے ہیں۔

خودی جب تک رہی اُس کو نہ پایا
جب اُس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے
تمہاری کیا حقیقت تھی میاں آہ
یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

مرغی کے پروں کی مثال سے حضرت حکیم الامت نے اللہ والوں کی صحبت کی اہمیت کو ثابت فرما دیا۔ مرغی پر ایک لطیفہ یاد آیا جو حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کانپور میں میرے شیخ کو سنایا

تھا کہ ایک شخص ایک مرغی لئے جا رہا تھا تو کسی نے کہا کہ او مرغی والے ! مرغی بیچے گا۔ یو پی کی زبان میں اگر کسی کو مرغی والا یا مرغی کا کہہ دیا جائے تو یہ گالی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ اس شخص نے مجھے گالی دی ہے لہذا اس نے جواب میں کہا کہ میں اس مرغی کا مالک نہیں ہوں۔ اس کے مالک سے پوچھوں گا کہ ایک ”مرغی کا“ خریدار ہے جس نے اس کے دام پوچھے ہیں۔ اس طرح ”مرغی کا“ کہہ کر اس نے اپنی دانست میں گالی کا بدلہ لے لیا۔ ہمارے بزرگ زندہ دل تھے، ایسے ایسے لطیفے سناتے تھے۔

تو اس شعر میں مولانا رومی نے فرمایا کہ اہل اللہ کی صحبت سے ہی اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور بدون صحبت اہل اللہ کے کوئی عارف باللہ نہیں ہو سکتا۔ غیر عارف کی عبادت کی کیت زیادہ اور کیفیت کم ہوتی ہے۔ غیر عارف اپنی عبادت سے ایک مہینے میں ایک دن کا راستہ طے کرتا ہے اور اللہ کا عاشق ہر سانس میں اللہ تک پہنچتا ہے، اس کی عبادت کی کیت کم لیکن کیفیت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ مولانا رومی ہیں۔ سوچو کہ ان کا کیا مقام رہا ہوگا جو فرما رہے ہیں کہ عارفین کی ہر سانس اللہ تعالیٰ کے ساتھ گذرتی ہے، ایک لمحہ کو وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ امت میں یہ شخص ایک منفرد انداز کا اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ مولانا رومی بہت پیارے آدمی ہیں۔

آزمودم عقل دور اندیش را

بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ارشاد فرمایا کہ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے عقل کو بہت آزمایا۔ عقل سے مراد یہاں عقل ناقص ہے، یعنی عقل مجرد من العشق، عقل محروم از نعمت عشق۔ لہذا ہم نے عقل ناقص مجرد من العشق کو بہت آزمایا لیکن اللہ نہیں ملا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ عقل سے اللہ کو پا جائیں لیکن عقل ناقص اللہ کے راستہ میں کامیاب نہیں ہوئی اس لئے ہم نے اپنے کو اللہ کا دیوانہ بنا لیا یعنی عقل میں عشق کی چاشنی لگادی تو عقل کامل ہو گئی اور ہمارا کام بن گیا۔ عقل کو جب عشق کا پھول ملتا ہے تب عقل دوڑتی ہے ورنہ آدمی جانتا ہے کہ نماز پڑھنا چاہئے لیکن بے نمازی بیٹھا رہتا ہے، جانتا ہے کہ حسیں کو نہیں دیکھنا چاہئے لیکن پاگلوں کی طرح دیکھتا رہتا ہے لیکن جب عشق عقل کا امام بن جاتا ہے اور عقل عشق کی پیروی کرتی ہے تو پھر اللہ تک پہنچتی ہے۔ بغیر اللہ کا دیوانہ و عاشق بنے کام نہیں بنتا۔

عاشقتم من بر فن دیوانگی

سیرم از فرہنگ و از فرزانگی

مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ کا دیوانہ بننے کا جو فن ہے میں اس پر عاشق

ہوں اور میں عقل ناقص و خام سے بہت زیادہ سیر ہو چکا ہوں۔ اب مجھے اللہ کا دیوانہ ہونا ہے اور جو اللہ کا دیوانہ ہوتا ہے پھر وہ غیر اللہ کا دیوانہ نہیں ہوتا۔ بیک وقت رات اور دن یکجا نہیں ہو سکتے، بیک وقت عود کی خوشبو اور پانخانہ جمع نہیں ہو سکتے، یا تو رات ہوگی یا دن ہوگا، یا خوشبو ہوگی یا بدبو ہوگی۔ یا تو دل تجلیات الہیہ سے متجلی ہوگا یا پھر اس میں غیر اللہ کے اندھیرے ہوں گے۔ یہ محال ہے کہ دل میں غیر اللہ ہو اور وہ دل اللہ کی تجلیاتِ خاصہ سے بھی مشرف ہو جائے۔ مُردہ اور زندہ ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اللہ تو زندہ حقیقی ہے جس دل میں مُردے ہوں گے، مرنے والے بے ہوں گے، مرنے والی لاشوں کی محبت ہوگی اس دل میں وہ زندہ حقیقی کیسے آئے گا۔ اگر ایک کمرہ میں مُردے لیئے ہوں تو جب آپ ایسے گھر میں رہنا پسند نہیں کرتے تو وہ زندہ حقیقی ایسے دل میں کیسے اپنی تجلیاتِ خاصہ سے متجلی ہوگا۔ اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا مقصد یہ ہے کہ حسینوں کا نمک حرام چکھنا چھوڑ دو، اس نمک حرامی سے توبہ کر لو۔ اگر اللہ والوں کے ساتھ رہ کر بھی کوئی نمک حرام چکھنا نہیں چھوڑتا، حسینوں کو، نامحرموں کو دیکھتا ہے اور اپنی عقل ناقص کی اتباع کر رہا ہے کہ اگر میں نے یہ نمک چھوڑ دیا تو زندگی کیسے گزرے گی لہذا کم از کم ایک ذرہ تو حسن کا حرام نمک کبھی کبھی چکھتا رہوں تو کان کھول کر سن لو کہ ہر گز اللہ کو نہیں پاسکتے۔ اللہ جب ملے گا کہ قلب و نظر کو مکمل

توفیق تقویٰ حاصل ہو اور دل کا ٹیسٹر اتنا حساس ہو جائے کہ حسینوں کے نمک آنے کے نقطہ آغاز اور زیر و پوائنٹ کو ریکارڈ کر لے کہ ایک ذرہ نمک حرام دل میں داخل ہو گیا جیسے بجلی کا تار شارٹ ہو رہا ہو تو ٹیسٹر میں فوراً روشنی آ جاتی ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں سے بجلی لیک یعنی خارج ہو رہی ہے۔ اسی طرح جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اتنا حساس بنادے کہ نمک حرام کا ایک ذرہ اگر داخل ہو تو فوراً اس کے قلب کے ٹیسٹر میں روشنی آجائے اور لکچ (بجلی کے خروج) کے اثرات شروع ہو جائیں اور اسی وقت توبہ کی توفیق ہو جائے کہ اے اللہ آپ مجھے معاف کر دیجئے کہ اتنی خوشی میرے قلب میں حرام آگئی۔ میں اس خوشی سے جو آپ کی ناخوشی کے راستے سے آئی معافی چاہتا ہوں تب سمجھ لو کہ اس بندے میں حیا اور شرافت آگئی اور یہ اللہ کا دیوانہ بن گیا، فن دیوانگی اس کو آگیا اور عقل ناقص و خام کی غلامی سے آزاد ہو گیا اور اگر یہ بات حاصل نہیں تو خانقاہ میں آنا جانا سب بیکار ہے۔ سن لو میری بات! ورنہ قیامت کے دن جواب دینا پڑے گا کہ دن رات تم یہی باتیں سن رہے تھے پھر عمل کیوں نہیں کیا۔ میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن پوچھے گا کہ تم کو میں نے مولانا اشرف علی حکیم الامت جیسا پیر دیا تھا تو تم نے اس کا کیا شکر ادا کیا تو حضرت رونے لگتے تھے کہ آہ میں کیا کہوں گا۔ آہ یہ وہ لوگ تھے جو شیخ پر فدا ہو گئے، شیخ کے ایک ایک ارشاد پر

جان دیتے تھے ان کو یہ خوف تھا کہ ہم سے شیخ کی قدر نہ ہوئی اور ہمارا کیا حال ہے کہ صریح نافرمانی کے بعد بھی ہمیں کوئی غم نہیں ہوتا۔

شیخ کی رفاقت کے معنی ہیں تَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ جس کی تفسیر ہے خَالِطُوهُمْ لِتَكُونُوا مِثْلَهُمْ شیخ کے دسترخوان پر سموسہ بریانی و گرین مرچ اڑانے اور ٹھنڈا پانی پینے کا نام رفاقت نہیں ہے۔ شیخ کی رفاقت و معیت یہ ہے کہ تم بس اسی جیسے ہو جاؤ، جس طرح وہ گناہوں سے بچتا ہے تم بھی بچنے لگو، جس طرح وہ حسینوں سے نظر بچاتا ہے تم بھی بچانے لگو، اس کی آہ تمہاری آہ ہو جائے، تمہاری آنکھیں بھی اس کی آنکھوں کی طرح اشکبار ہوں تب سمجھ لو کہ تم شیخ کے عاشق ہو اور اللہ کے طالب ہو اور اللہ پر دیوانہ بننے کا فن تمہیں آگیا۔

رو رو لے جاں زود زنجیرے بیدار

بار دیگر آدم دیوانہ وار

اَرَشَادَ شَرِیْطًا کہ مولانا فرماتے ہیں اے میری جان جلدی جا، جلدی جا اور اللہ کی محبت کی زنجیر لے آ کہ میں اب دیوانہ ہو رہا ہوں اور دیوانوں کو زنجیر میں باندھا جاتا ہے لہذا اس زنجیر محبت میں مجھے باندھ دے۔ اس زنجیر سے مبارک اور کوئی زنجیر نہیں کہ جو اللہ کے حضور میں مجھے سربستہ و پا گرفتہ پہنچا دے۔ اب تک جو ہوا

سو ہوا اب میں دیوانہ وار دوبارہ اللہ پر فدا ہو رہا ہوں۔

غیر آں زنجیر زلف دلبرم
گر دو صد زنجیر آری بردرم

اِنَّ شَدَّ فَتْرَہٗا بِاَکْثَرِ مَوْلَانَا فَرَمَاتے ہیں کہ اے دنیا والو اگر اللہ کی محبت کی زنجیر لاء گے تو میں اس میں خود گرفتار ہو جاؤں گا، خود اس میں بندھ جاؤں گا بلکہ باندھنے میں تمہاری مدد بھی کروں گا اور دل میں خوشی محسوس کروں گا کہ کہاں یہ میری قسمت کہ میں زنجیر شریعت اور زنجیر اتباع سنت میں گرفتار ہو رہا ہوں۔

زنجیر زلف دلبرم کے معنی ہیں میرے دلبر کے زلف کی زنجیر یعنی اتباع سنت اور اتباع شریعت اور اللہ کی محبت کے دستور و احکام و قوانین کی زنجیر۔ اے دنیا والو اللہ کی محبت کی اس زنجیر کے علاوہ اگر دو سو زنجیریں بھی لاء گے تو میں انہیں توڑ دوں گا۔ زنجیر غیر اللہ کو توڑنے کا اور زنجیر محبت و سنت و شریعت میں باندھنے کا کیا طریقہ ہے۔ (راقم الحروف کو مخاطب کر کے فرمایا کہ) میر صاحب اسے لکھ لو بلکہ اس کی کمپیوٹر میں کتابت کراؤ بہت محفوظ رکھنا اس مضمون کو اور آپ لوگ بھی پوری توجہ اور اہمیت سے اس کو سنیں کہ جب کسی نامحرم عورت یا کسی نمکین لڑکے پر پہلی نظر پڑنے پر ذرا سا بھی نمک دل میں آجائے اور آپ کا ٹیسٹر بتادے کہ ایک ذرہ آگیا ہے تو نظر ہٹا

کر فوراً توبہ کر لو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ خطا نہیں ہوگی، ہم یہ کہتے ہیں کہ توبہ میں دیر نہ ہو تاکہ آپ باخطا ہوتے ہوئے بھی با عطا رہیں۔ دیکھئے ہم خطا سے توبہ نہیں سکتے ورنہ پھر ہم فرشتے ہو جاتے۔ بس اِسْتَغْفِرُوا کے حکم پر عمل ہو جائے یہ بھی بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ﴾

اپنے رب سے مغفرت مانگو۔ معلوم ہوا کہ ہم سے خطا ہوگی جب ہی تو معافی مانگنے کا حکم دے رہے ہیں۔ فرشتوں سے کیوں نہیں فرمایا کہ مغفرت مانگو؟ اس لئے کہ اُن سے خطا نہیں ہوتی۔ معصوم مخلوق کے لئے یہ حکم نہیں ہے، یہ حکم گنہگاروں کے لئے ہے کہ جب خطا ہو جائے، پوری کوشش کے باوجود تقویٰ ٹوٹ جائے تو رونا شروع کر دو تو اس کا انعام کیا ہوگا؟

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ﴾

اللہ تعالیٰ صرف معاف ہی نہیں کریں گے اپنا محبوب بھی بنالیں گے۔ میں با خطا رہتے ہوئے با عطا رہنے کا نسخہ بتا رہا ہوں کہ معصیت کی حرام لذتوں کے اندر آنے کے نقطہ آغاز اور زیرِ پوائنٹ پر تنبیہ ہو جائے کہ اللہ مجھے معاف کر دیجئے۔ یہ ایک ذرّہ خوشی جو میرے قلب میں آیا ہے یہ آپ کی ناخوشی کے راستے سے آیا ہے۔ پس

ایسی خوشی کو ہم اپنے لئے لعنتی خوشی سمجھتے ہیں۔ جس خوشی سے آپ ناخوش ہوں ہم ایسی خوشی کو طلاق دیتے ہیں اور لعنت بھیجتے ہیں۔ آپ ہم کو معاف کر دیجئے اور اللہ سے ہمت بھی مانگئے کہ یا خدا ایسی ہمت اور توفیق دے دیجئے کہ حرام خوشیوں کے لفظ آغاز ہی پر ہم کو تنبیہ ہو جائے۔ ہمارا ترازو لکڑی تولنے والا نہ ہو جس میں ایک آدھ پاؤ رکھ دو تو پتہ نہیں چلتا۔ ہمارے قلب کے ایمان کی ترازو کو آپ سونے کی ترازو بنا دیجئے کہ ذرا سی مکھی بھی بیٹھ جائے تو ہل جاتی ہے۔ جوہری کہتے ہیں کہ جب ہم سونا تولتے ہیں تو سانس بھی نہیں لیتے کیونکہ سانس سے بھی وہ ہل جاتی ہے۔ ہمارے قلب کی ترازو کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اتنا حساس کر دے کہ حرام خوشی کا ایک ذرہ آجائے تو وہ ہل جائے اور فوراً ہی توبہ کی توفیق ہو جائے۔ پھر دیکھو زندگی کا مزہ، پھر جینے کی بہار دیکھو۔ جو اللہ پر مرے وہ جینے کی بہار پائے اور جو اپنی خواہشات پر مرے وہ دوزخی زندگی دنیا ہی سے لے گئے۔ بس جس کے قلب کی ترازو سونے کی ہو گئی سمجھ لو وہ اللہ کی محبت کی زنجیر میں بندھ گیا اور غیر اللہ کی ہر زنجیر کو وہ توڑ دے گا۔

سرنگو نم ہیں رہا کن پائے من
فہم کو در جملہ اجزائے من

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے دنیا

والو میں نے اپنا سر جھکا لیا ہے۔ اب میرے پاؤں کو رہائی دے دو اور میرے پیر کی زنجیر توڑ دو۔ اب میں دیوانہ بننا چاہتا ہوں اور تعلقات ماسوائے سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔ اب مجھے مت سمجھاؤ کہ اگر یہ ہوگا تو مگر کیا ہوگا۔ میرے جسم کے اجزاء میں اب سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ دنیا کے خوف سے اب میں اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا چاہے جان چلی جائے اب مجھے اللہ کو راضی کرنا ہے اور ایک سانس بھی ان کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

میرے قلب کو اللہ تعالیٰ نے اس شعر کی جو شرح عطا فرمائی شاید کہیں نہیں پاؤ گے اور وہ یہ ہے کہ جانور جب رسی تڑانا چاہتا ہے تو سر جھکا لیتا ہے۔ جنہوں نے جانور پالا ہے وہ جانتے ہیں کہ رسی تڑانے کے لئے جانور سر جھکا لیتا ہے۔ یہ علامت ہے کہ اب وہ قید سے عاجز آچکا، اس کے ہوش و حواس اب قابو میں نہیں اور رسی تڑا کر بھاگنا چاہتا ہے۔ اس سے طاقت آجاتی ہے تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو اب ہم بھی سر جھکا چکے، اب ہمیں ماسوائے کا ہوش نہیں، اب ہم تعلقات دنیوی کی رسی تڑانے والے ہیں۔ دنیا کی زنجیروں نے ہم کو بہت جکڑ رکھا تھا، اب ہم ان زنجیروں کو توڑ کے رہیں گے اور اللہ والے بن کے رہیں گے۔

جامع پوشاں را نظر بر گاذر است

روح عریاں را تجلی زیور است

اِنَّ شَاقَّ شَرِّ مَا يَأْكُلُ لِبَاسِ كَے عاشقین کی نظر دھو بیوں پر رہتی ہے کہ کون سا ڈرائی کلیئر کپڑے کو زیادہ چمکاتا ہے اور اللہ کے عاشقوں کی روح کا زیور اللہ کی تجلی ہے۔ اللہ کے جلوؤں سے ان کی روح منور ہے۔ یہ لباس تو جسم پر رہتا ہے مگر روح کا لباس اللہ کی تجلیات کا ہوتا ہے۔ یہ اپنی روح کو چمکانے میں ہیں اور وہ اپنے کپڑے کو چمکانے میں۔ اور روح کا چمکانا کیا ہے؟ طَهَارَةُ الْأَسْرَارِ مِنْ ذُنُوبِ الْأَغْيَابِ غیر اللہ کی گندگی سے باطن کو پاک کرنا۔ حسینوں سے نظر بچانے سے، گناہوں سے بچنے سے روح مچلی ہوتی ہے تب اللہ تعالیٰ اپنی تجلیات خاصہ سے اس میں متجلی ہوتا ہے۔ یہ تجلیات الہیہ روح کا زیور ہیں۔

اُزادیتا ہوں اب بھی تار تار ہست و بود اصغر
لباسِ زہد و تقویٰ میں بھی عریانی نہیں جاتی

بس اب دعا کریں کہ اے اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرما، اے اللہ ہمارے ظاہر کو بھی پاک فرمادیجئے اور ہمارے باطن کو بھی غیر اللہ کی نجاستوں سے پاک فرمادیجئے اور ہماری روح کو اپنی تجلیات خاصہ سے منور فرمادیجئے آمین وَ صَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ



مجلس درس مثنوی

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۹۸ء بوقت صبح چھ بج کر پینتالیس منٹ بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

تا بدانی ہر کہ را یزداں بخواند
از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

ارشاد فی مایہ کہ مولانا رومی فرماتے ہیں اے دنیا والو یقین کر لو کہ جس کو اللہ بلاتا ہے، اپنے خاص درد محبت اور اپنی خاص آہ و فغاں اور اپنی خاص تعلیم عشق کے لئے منتخب کرتا ہے تو کیا کرتا ہے۔

از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

اس کو دنیا کے ہر کام سے بے کار کر دیتا ہے، اپنے کام میں لگا کر سارے جہان کے کاموں سے بے کار کر دیتا ہے۔ اس کا اردو بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر کہتا ہے کہ یہیں بیٹھے رہو جانا مت۔ تم کو اس قابل بھی نہیں رکھوں گا کہ تم میرے دروازے سے بھاگ

جاؤ۔ یہ مطلب نہیں کہ سچ مچ اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دیتا ہے۔ یہ تو محاورہ ہے مطلب یہ ہے کہ مجبور محبت کر دیتا ہے۔ کسی کام میں اس کا دل ہی نہیں لگتا سوائے اللہ کے کاموں کے۔ اس طبقہ میں مولانا رومی ہیں، شمس الدین تبریزی ہیں، بابا فرید الدین عطار ہیں، سلطان نظام الدین اولیاء ہیں، سلطان نجم الدین کبریٰ ہیں، حافظ شیرازی ہیں، سعدی شیرازی ہیں وغیرہ وغیرہ ہزاروں نام ہیں۔

راہِ دہ آلودگاں را العجل در فرات عفو عینِ مختل

مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں کہ جو بندے گناہوں میں مبتلا ہو کر راہ سے بے راہ ہو گئے، آپ کو بھول گئے اے اللہ آپ ان کو فراموش نہ کیجئے، ان کو پھر راہ پر لے آئیے، اراۃ الطريق بھی کیجئے اور ایصال الی المطلوب بھی کیونکہ آپ کے جذب اور آپ کی مدد کے بغیر کوئی آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہم تو گناہ کر کے آپ کی محبت کے امتحان میں ناکام ہو گئے مثلاً اللہ تعالیٰ نے بعض شکلوں کو نمک اور حُسن دیا اور پابندی بھی عائد کر دی کہ ان کو نہ دیکھو، نا محرموں کو اور حسین مردوں کو دیکھ دیکھ کے دل مت لپچاؤ، پریشان نہ ہو، احتیاط کرو۔ غصہ بصر کا حکم نازل کیا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ انہیں لپلاؤں کی وجہ سے یعنی عیناً قلباً و قالباً ان سے دور رہنے کی وجہ سے ہم کو موٹی

مل رہا ہے کیونکہ نہ یہ ہوتے نہ ان کو دیکھنے کا تقاضا ہوتا، نہ تقاضے کو روکنے کا غم اٹھاتے۔ تو جب غم نہ اٹھاتے تو خدا بھی نہ ملتا اس لئے ان کے وجود کو بے کار مت سمجھو۔ یہ وجود لیلیٰ حصول مولیٰ کا ذریعہ ہے بشرط تقویٰ اور احتیاط۔ کیسے؟ جب ان کی طرف تقاضا ہو تو اس کو روکو غم اٹھاؤ، ان کو ہرگز مت دیکھو۔ اگر شیطان کہے کہ نہ دیکھنے سے جان نکل جائے گی تو یہ جواب دے دو۔

نہیں ناخوش کریں گے رب کو لے دل تیرے کہنے سے
اگر یہ جان جاتی ہے خوشی سے جان دے دیں گے

اور دوسرا شعر کیا ہے۔

نہ دیکھیں گے نہ دیکھیں گے انہیں ہرگز نہ دیکھیں گے
کہ جن کو دیکھنے سے رب مرا ناراض ہوتا ہے

اب شیطان کہے گا کہ اگر تم دیکھتے تو بہت مزہ آتا۔ اس کا جواب تیسرے شعر میں دے رہا ہوں۔ یہ سب میرے ہی شعر ہیں۔

ہم ایسی لذتوں کو قابلِ لعنت سمجھتے ہیں
کہ جن کو دیکھنے سے رب مرا ناراض ہوتا ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

لَعَنَ اللَّهُ النَّاْظِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ

اللہ تعالیٰ حرام نظر کرنے والوں پر بھی لعنت فرماتا ہے اور جو اپنے کو حرام نظر کے لئے پیش کرے اس پر بھی لعنت فرماتا ہے یعنی دیکھنے والے پر بھی لعنت برستی ہے اور دکھانے والے پر بھی۔ جو عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں ان پر بھی لعنت برستی ہے اور جو ان کو دیکھتا ہے اس پر بھی لعنت برستی ہے تو ذیل لعنت جمع ہو جائے گی ایک ناظریت کی لعنت اور دوسری منظوریت کی لعنت جس کو آج کل کی زبان میں کہتے ہیں لعنت پلس (+) لعنت۔ کیا کہیں مجبوراً انگریزی الفاظ بولنے پڑتے ہیں ورنہ لوگ سمجھتے نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر صرف روزہ نماز حج تلاوت کا حکم ہوتا اور یہ گناہ سے بچنے کا حکم نہ ہوتا تو آسانی ہو جاتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بتائیے کسی کے گھر میں روشنی پلس اور مائنس تار کے بغیر ہوتی ہے؟ دونوں تار ہوتے ہیں پلس اور مائنس، مثبت اور منفی تو اللہ تعالیٰ نے روزہ نماز تلاوت کا حکم دے کر ہمیں اپنا مثبت تار دیا اور گناہوں سے بچنے کا حکم دے کر منفی تار دیا تاکہ میرے بندوں کے قلب میں میری محبت کے چراغ جل جائیں۔ یہ دئے ایسے ہی تھوڑی جلتے ہیں، جب کوئی آگ دیتا ہے تب دیا جلتا ہے یعنی جب اپنی حرام خواہشات میں آگ لگا دیں گے، جب اپنی خواہشات اللہ پر فدا کریں گے تب اللہ کی محبت کا چراغ روشن ہوگا۔ مائنس اور پلس دونوں تار کی ضرورت ہے اور مائنس کا تار پلس کے تار سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ ضروری عبادت فرض، واجب، سنت

موکدہ ، تو بہت تھوڑی ہے لیکن گناہ نہ کرنے کی عبادت کے مواقع بہت زیادہ ہیں کیونکہ اس دور میں بے پردگی و عریانی کی فراوانی ہے اس لئے بس نگاہ بچالو تو پھر حلاوت ایمانی کی بھی فراوانی ہے ۔ لیکن اس میں دل کا خون کرنا پڑتا ہے مگر اسی خونِ آرزو سے اللہ ملتا ہے اس لئے گناہ نہ کرنے کی عبادت بہت بڑی عبادت ہے اسی لئے گناہوں سے بچنے والے کو اعبد الناس یعنی سب سے بڑا عبادت گزار حدیث پاک میں فرمایا گیا ۔ حرام سے بچنا لا الہ کی تکمیل ہے ۔ اسی لئے کلمہ میں لا الہ کو پہلے بیان فرمایا کہ پہلے غیر اللہ کو نکالو پھر اللہ ملے گا۔ لا الہ کو دل سے نکال دو پھر سارا عالم الا اللہ سے بھرا ہوا ہے۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ نیوٹاون میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں یہ سوال کیا گیا کہ پہلے استغفار کریں یا پہلے درود شریف پڑھیں یعنی درود شریف اور استغفار میں کیا چیز ہم پہلے پڑھیں ؟ حضرت نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی سوال کسی نے کیا تھا تو حضرت قطب العالم مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم عود کا عطر پہلے لگاتے ہو یا پہلے نہاتے ہو ۔ پہلے انسان نہا کر صاف کپڑا پہنتا ہے ، تو استغفار کرنا روح کو دھونا ہے پھر درود شریف کا عطر بعد میں لگاؤ اولئک ابائی فحنتی بمثلہم ۔ اسی طرح جب دل گناہوں سے آلودہ ہو گیا تو پہلے اس آلودگی کو دور کرو تب اللہ کا نور پاؤ گے ۔ اسی کو مولانا نے اس شعر

میں فرمایا ہے کہ اے اللہ جو گناہوں سے آلودہ ہو گئے آپ ان کو توفیق توبہ کا فالودہ دے دیجئے یعنی اے خدا جن بندوں کی جان گناہوں میں آلودہ ہو گئی تو جلدی سے ان کو راستہ دیجئے، کس چیز کا راستہ ۔

در فرات عنو عین مغتسل

آپ ان کو معافی کے دریائے فرات میں داخلہ دے دیجئے۔ یہاں مصر کا دریائے فرات مراد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا دریا مراد ہے جو عین مغتسل ہے۔ یعنی اپنے خاص چشمہ، رحمت میں ان کو نہانے کی اجازت دیجئے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو گناہ سے آلودہ ہو گئے ان کو توفیق توبہ عطا فرما کر اپنے آپ رحمت میں ان کو نہلا دیجئے اور گرم کشیکان طریق کو راہ دکھا کر اپنی رضا و خوشنودی کی منزل تک پہنچا بھی دیجئے۔

از دعا نبود مراد عاشقان

جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں

ارشاد فرمایا کہ دعا کرنے سے عاشقوں کی مراد یہ بھی ہوتی ہے کہ میری حاجت پوری ہو جائے مگر مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ان کی ایک اور بڑی پیاری نیت ہوتی ہے کہ اسی بہانے سے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کا موقع ملتا ہے۔ عاشقوں کی مراد دعاؤں سے صرف

حاجت روائی نہیں ہے بلکہ ایک مقصد اور ہے ۔

جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں

کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی اور بات چیت کا شرف مل جائے ۔ عاشقوں سے پوچھو اس کا مزہ کہ اپنے محبوب سے گفتگو میں کیا مزہ آتا ہے ۔ جب وہ یا اللہ یا اللہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی کتنا خوش ہوتا ہے ان اللہ بحب الملحمین فی الدعاء جب بندہ گزرگزا کر دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی دعا کے ایک ایک لفظ سے محبت ہوتی ہے لیکن پھر بھی بعض بندہ خاص کی دعا دیر سے قبول ہوتی ہے تاکہ وہ اور زیادہ دن تک اسی طرح مانگتا رہے کیونکہ اس کا گزرگزا اللہ کو محبوب ہوتا ہے ۔ ہر شخص اپنی محبوب چیز کو زیادہ دیر تک اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے یا نہیں ؟ مولانا رومی نے اس حدیث کو سمجھانے کے لئے دو مثالیں دی ہیں کہ کبھی کبھی دعاؤں کی قبولیت میں جو دیر ہوتی ہے اس کی وجہ اس بندہ کی محبوبیت ہے ، یہ نہ سمجھو کہ اللہ میاں کے یہاں اس کی قدر نہیں اس لئے اس کی دعا دیر میں قبول ہوتی ہے ۔ اس کی مولانا نے یہ مثال دی کہ کوا کا نمیں کا نمیں کرتا ہے تو آدمی جلدی سے روٹی دے دیتا ہے تاکہ جلدی بھاگ جائے ۔ اور اگر بلبل بولتا ہے تو اس کو پنہڑے میں رکھ لیتا ہے اور ایسے ہی ایک مثال اور بھی دی کہ اگر کوئی بڑھی عورت

بھیک مانگنے آجائے تو اس کو آدمی جلدی سے بھیک دے دیتا ہے۔ سو برس کی بڑھیا جس کی کمر جھکی ہوئی ہے گال پیچکے ہوئے ہیں کپڑے سب میلے جن سے بدبو آرہی ہے تو کہتا ہے کہ یہ پیسے لے جاؤ اے بڑھیا جلدی لے جاؤ۔ اور اگر کوئی جوان لڑکی بھک مٹگی آگئی، مولانا رومی اس سے مسئلہ نہیں بتا رہے ہیں، مثال دے رہے ہیں۔ انسان کی فطرت بتا رہے ہیں کہ اگر اللہ کا خوف دل میں نہ ہو تو اس سے کہے گا کہ ٹھہرو گرم گرم چپاتی لا رہا ہوں۔ شیطان نے اب اس کے چپت مارنا شروع کر دیا کیونکہ جب شیطان چپت مارتا ہے تب معشوقوں کے لئے چپاتی بنتی ہے۔ پھر کہتا ہے کہ ٹھہرو ابھی کباب گرم کر رہا ہوں، پھر کہتا ہے کہ نہیں ابھی ٹھہرو حلوہ بھی گرم ہو رہا ہے۔ اسی بہانے سے اس کو دیر تک رکھتا ہے۔ ایسا عمل کرنا تو جائز نہیں لیکن مثال دینی تو جائز ہے۔ یہ مثال اس لئے دے رہے ہیں کہ تمہاری سمجھ میں آجائے، رومانک دنیا کو مولانا رومی اللہ تعالیٰ کی محبت سمجھا رہے ہیں۔ یعنی جو اللہ کے پیارے ہوتے ہیں ان کو کبھی اللہ تعالیٰ دیر سے عطا فرماتے ہیں، اس طرح اپنے دروازے پر روکے رکھتے ہیں تاکہ زیادہ دیر تک یہ مجھ سے دعا مانگتا رہے، مومن کی دعا اور نالہ و آہ کو وہ محبوب رکھتے ہیں۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

امید نہ بر آنا امید بر آنا ہے
اک عرض مسلسل کا کیا خوب بہانہ ہے



الغیاث از ابتلایت الغیاث
شد ذکور از ابتلایت چوں اناث

اے اللہ ہم پناہ چاہتے ہیں تیرے ابتلاء سے تیرے امتحان سے کیونکہ
ہم تیرے امتحان کے قابل نہیں۔ اے خدا اگر آپ امتحان لینے پہ
آجائیں تو شاید ہی کوئی پاس ہو۔ جب آپ کا امتحان ہوا تو بڑے بڑے
مذکر موٹ ثابت ہوئے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو، کبھی ناز مت
کرو کہ ہم ایسے ہیں ویسے ہیں۔ اللہ کے حضور میں آہ و زاری سے یہ
راستہ ملے ہوگا۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ

اپنی سمجھ اور عقل کو تیز کرنے سے اللہ کا راستہ نہیں ملے گا۔

جز شکستہ می نہ گیرد فضل شاہ

اپنے نفس کو توڑ دو، بالکل مٹ جاؤ کہ اے اللہ ہم کچھ نہیں ہیں،
اتنے مٹ جاؤ کہ مٹنے کا بھی احساس نہ رہے اسی کو فنا کہتے
ہیں جیسے کوئی سو رہا ہے اور اس کو احساس ہو کہ میں سو رہا ہوں تو یہ

نہیں سو رہا ہے۔ غیند وہ ہے کہ غرق ہو جائے اور سونے کا احساس نہ رہے اسی طرح مٹا وہ ہے کہ یہ احساس بھی نہ رہے کہ میں نے اپنے کو مٹا دیا ہے، فنایتِ کاملہ یہ ہے کہ فنایت کا بھی احساس نہ رہے، اپنے کو کچھ نہ سمجھے، دل ٹوٹ جائے۔ اللہ کا فضل ٹوٹے ہوئے دلوں پر برستا ہے۔ اور یہ فنایت شیخ کی صحبت اور اس کی تربیت سے نصیب ہوتی ہے۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ اگر شیخ ڈانٹ بھی دے تو یہ سمجھو کہ ہماری کیا شان ہے، کوئی شان نہیں ہے، ہماری شان اس سے بگڑی نہیں اور بن گئی۔ شیخ کی ڈانٹ سے عزت اور بڑھ جاتی ہے اور فرمایا کہ متکبر اپنی شان سمجھتا ہے اور وہی شیخ کی ڈانٹ سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ ابھی کیا اپنی شان بنا رہے ہو، جب تک قیامت کا فیصلہ نہ ہو یہی سمجھو اے اللہ ہم کسی شان کے قابل نہیں۔ اور میں ایک بہت تجربہ کی بات بتاتا ہوں جس پر شیخ کی ڈانٹ پڑتی ہے اس کا ڈینٹ نکل جاتا ہے اور جو ڈانٹنے کی بات پر نہ ڈانٹے وہ شیخ نہیں خائن ہے۔ جب موٹر میں میڑھا پن آگیا تو میکینک جو ہے وہ کچھ ٹکنیک دکھائے گا اور ہتھوڑا مارے گا تاکہ موٹر کے میڑھے پن کی سیٹنگ اور فننگ ہو جائے۔ جس طرح ہتھوڑے سے موٹر کا ڈینٹ نکلتا ہے اسی طرح شیخ کی ڈانٹ سے نفس کا ڈینٹ نکلتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے اتنی ڈانٹ کھائی ہے اختر نے اپنے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کہ فلاں کام یوں کیوں کر دیا، یہ لوٹا یہاں کیوں رکھ دیا، آج

تم نے گندم پسایا اس میں جو کیوں نہیں ملایا تو میں نے ایک دن کہا کہ حضرت یہ جو دور دور سے آتے ہیں آپ کے پاس اور سر جھکا کے مراقبہ میں بیٹھے رہتے ہیں اور دو دن رہ کے چلے جاتے ہیں اور آپ ان کو بڑا پیار دیتے ہیں اور ہم رات دن رہتے ہیں ڈانٹ ہی کھاتے رہتے ہیں تو یہ لوگ تو بڑے فائدے میں معلوم ہوتے ہیں کہ کبھی کبھی آگئے دو دن مراقبہ کرنا آسان ہے کہ سر جھکائے بیٹھے رہے تو حضرت نے فرمایا کہ جو شیخ کی ڈانٹ کھاتا ہے وہ لعل ہو جاتا ہے۔ ایسی ایسی ڈانٹ کھائی ہے کہ کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا مگر میں نے اللہ کے لئے سب کچھ برداشت کیا۔ آج اسی کی برکت دیکھ رہا ہوں کہ کتنے عالم کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کوئی اشتہار دیا تھا؟ کسی کو میں نے بلایا تھا؟ دیکھ لو کتنے ملکوں کے لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ جس نے اللہ کے لئے اپنے بڑے کے ناز اٹھائے تو اس کے ناز اٹھانے والے اللہ عطا فرماتا ہے۔ اس کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کی حدیث سے ثابت کیا ہے کہ مَا اشْكُرُ مَنْ شَابَتْ شَيْخًا الْخَبَرُ جس جوان نے اپنے بڑوں کی عزت کی اللہ بھی اس کو ایسا رعب دے گا کہ لوگ اس کی عزت کریں گے۔ ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس کو دو نعمتیں ملیں گی۔ ایک عمر بڑھ جائے گی اور دوسرے اس کو باادب چھوٹے ملیں گے اور جس نے اپنے بڑوں کی شان میں بے ادبی کی اس کے چھوٹوں سے بھی اس کو

بے ادبی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں مالک کا احسان و فضل ہے کہ میرے چاہنے والے اللہ تعالیٰ نے سارے عالم میں پیدا فرمادے، جس نے اللہ والوں کی پیار کی نظر پائی تو مخلوق بھی اس کو پیار کرتی ہے۔ یہ تجربہ ہے لیکن مخلوق میں پیارا بننے کے لئے اللہ والوں سے پیار مت کرو۔ اللہ والوں سے پیار اللہ کے لئے کرو۔ اور ایک خاص بات یہ ہے کہ اللہ کی عطا کو اپنے کسی عمل اور مجاہدہ کا ثمرہ نہ سمجھو کہ ہم نے بزرگوں کی اتنی خدمت کی اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی۔ یہ عین ناشکری ہے بلکہ یہ سمجھو کہ ان کے کرم کا سبب ان کا کرم ہے، ان کی رحمت کا سبب ان کی رحمت ہے، ان کی عطا کا سبب ان کی عطا ہے کیونکہ ہمارا کوئی عمل اس قابل نہیں کہ قبول ہو، بس قبولیت کے لئے گڑگڑاتے رہو۔

بس دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ اے اللہ اپنی رحمت سے ہم سب کو ایسا ایمان ایسا یقین اور اپنی محبت نصیب فرما کہ ہماری زندگی کی ہر سانس آپ پر فدا ہو اور ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض کر کے حرام لذت درآمد نہ کریں۔ اے خدا ہماری اور ہماری اولاد و ذریات کی اور ہمارے دوستوں کی اور ان کے خاندان کی بھی اپنی رحمت سے اپنے اولیاء صدیقین کی سب سے آخری سرحد تک ہم سب کو پہنچا دے اور اولیاء صدیقین کے خط آخر تک پہنچا دے۔ یا اللہ ہم پناہ چاہتے ہیں کہ ایک سانس آپ کو ناراض کر کے آپ کی حرام

خوشیاں اپنے اندر لائیں۔ اے خدا ایسے کمینہ پن اور ایسی بے حیائی اور ایسی بے غیرتی سے ہماری روحوں کو پاک فرمادے۔ اللہ ہمہ وقت ہر سانس آپ پر فدا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرمادے ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض کرنے سے آپ ہی کی پناہ پکڑتے ہیں آپ ہی کی پناہ چاہتے ہیں اور اللہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں ہم کو نصیب فرما اور جملہ حاسدین اور اہل شر اور اہل دشمن جتنے اہل عداوت ہیں سب کی عداوت اور دشمنی کو خاک میں ملا دے۔ اے خدا اپنی رحمت سے ان کو نادم بھی فرمادے اے خدا ہم سب کو اتنا زیادہ اپنا پیار اور اپنی محبت اور اپنی طرف سے حجت عطا فرما کہ جتنے حاسدین ہیں ان کو نادمین فرما اور باکین فرما اور تائبین فرما اور ان کو معافی مانگنے کی توفیق بھی عطا فرما۔

و صلی اللہ علی النبی الکریم آمین یا رب العالمین

رَبِّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ شَقِيًّا



مجلس درس مثنوی

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۹۸ء بروز یکشنبہ (اتوار) بوقت
سلاٹھے چھ بجے صبح بمقام خانقاہ لدویہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

شہوت دنیا مثال گلخن است
کہ از و حمام تقویٰ روشن است

فَرْشِ دِلچاہِ گدازِ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو
ماءِ دافق سے پیدا کیا۔ دافق کے معنی ہیں کودنے والا۔ جس کی منی
میں اتنی طاقت ہو کہ کود کر کے نکلے اسی کے اولاد ہوتی ہے اور جو بہہ
کر نکلے پانی کی طرح رقیق ہو جائے تو ایسے لوگوں کے اولاد نہیں
ہوتی۔ جب انسان کا مادہ ہی کودنے والا ہے تو پھر اس کو اگر شہوت
ہوتی ہے کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کے مادہ تخلیقیہ اور
میٹرل کی بنیاد ہی میں اچھلنا کودنا ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ پس
طوفان شہوت اور گناہ کے تقاضے اس کی فطرت میں شامل ہیں تو اب
اسے کیا کرنا چاہئے؟ اللہ کے خوف سے اپنے کو بچائے اور گناہ کے
تقاضوں پر ہمت کر کے عمل نہ کرے کیونکہ اگر گناہ کا تقاضا ہی نہ ہو تو

تقویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ تقویٰ کا وجود ہی اس وقت ہوتا ہے جب کہ تقاضا گناہ کا پیدا ہو اور پھر اس کو روکو۔ اس روکنے سے جو غم کا جھکا لگے گا اسی سے نور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ نار شہوت کو روکنے سے نور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ شہوت کی نار کو جھکا دو تو نور ہو جاتی ہے۔ نور کا واؤ جھکا ہوا ہوتا ہے اور نار اکڑی ہوئی ہوتی ہے۔ نار میں الف ہے لہذا نار شہوت کو جھکاؤ اور اس کو قابو میں لاؤ پھر اسی سے نور تقویٰ پیدا ہو جائے گا۔ اگر کسی کے اندر بری خواہش اور گناہ کے تقاضے نہ ہوں تو وہ شخص متقی ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن بے وقوف لوگ ان تقاضوں سے گھبراتے ہیں حتیٰ کہ بعض نادان مرید بھی سمجھتا ہے کہ اتنے دن ہو گئے مرید ہوئے، اللہ اللہ بھی کر رہا ہوں لیکن گناہ کا تقاضا ختم نہیں ہو رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ سے مجھے فیض حاصل نہیں ہوا۔ یہ انتہائی نادان صوفی ہے۔ جو صوفی تقاضائے معصیت سے گھبراتا ہے اس نے شیخ سے کچھ نہیں سیکھا کیونکہ گناہ کا تقاضا ہونا گناہ نہیں، تقاضے پر عمل کرنا گناہ ہے۔ تقاضا روکنے سے جو غم آئے گا اسی سے تو اللہ ملے گا۔ اسباب قرب کو آپ اسباب بعد کیوں سمجھتے ہیں۔ اگر لکڑی بھی نہ رہے تو چولہا روشن کیسے ہوگا؟ اسی کو مولانا رومی اس شعر میں فرماتے ہیں کہ گناہ کے تقاضے ایندھن ہیں تقویٰ کا۔ تقویٰ کا حرام گرم ہی ہوتا ہے تقاضائے معصیت کو اللہ کے خوف کی آگ میں جلانے سے۔ اسی آگ سے نور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تقاضے تقویٰ کا

ایندھن اور میٹرل ہیں جو اس کو ختم کرنا چاہتا ہے بے وقوف ہے۔ اس لئے گناہوں کے تقاضوں کی شدت سے کبھی گھبراتا نہیں چاہئے جس کے دل میں تقاضے زیادہ ہیں سمجھ لو اس کو اللہ تعالیٰ نے ایندھن زیادہ دیا ہے اور ایندھن کا زیادہ ہونا نعمت ہے کیونکہ زیادہ ایندھن جلاؤ گے تو نور بھی زیادہ پیدا ہوگا۔ نفس میں تقاضے جتنے زیادہ ہوں گے اتنا ہی تقاضوں کو روکنے میں مجاہدہ زیادہ ہوگا اور جتنا مجاہدہ زیادہ ہوگا اتنا ہی زیادہ اور قوی تقویٰ کا نور پیدا ہوگا لہذا تقاضائے معصیت بالکل مضر نہیں بلکہ ان کو جلا دو تو یہی قرب و ترقی کا ذریعہ ہیں۔ اللہ کی محبت اور تقویٰ کی بریانی تقاضوں کے ایندھن سے تیار ہوتی ہے۔ اس لئے یہ تمنا نہ کرو کہ یہ ایندھن ہی ختم ہو جائے۔ اگر ایندھن نہ ہوگا تو بریانی کیسے کپے گی۔ جو گناہوں کے تقاضوں سے گھبراتا ہے اصل میں یہ لومڑی ہے طاقت چور ہے ہمت چور ہے۔ اس کو گناہوں کے تقاضوں سے گھبراہٹ اس لئے ہوتی ہے کیونکہ ان کو روکنے کے لئے ہمت استعمال نہیں کرتا۔ ان کو روک کر تو دیکھو کہ کتنا فور پا جاؤ گے۔ ایک دم ایسی پرواز عطا ہوگی کہ بڑے بڑے عبادت گزار اس مقام پر نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ کی روح کا جہاز ایک دم ٹیک آف کر جائے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ جب جہاز ٹیک آف کرتا ہے تو کتنا ایندھن خرچ ہوتا ہے؟ دو تین ہزار گیلن پٹرول اس وقت خرچ ہو جاتا ہے تو جو شخص اللہ کی طرف اڑنا چاہتا ہے اس کو پٹرول زیادہ چاہئے۔ اللہ نے اسباب

پیدا کر دیئے ، لیلّاؤں کو پیدا کر دیا ، حسینوں کو پیدا کر دیا تاکہ میرے بندے گناہ سے بچ کر اپنے دل پر غم اٹھائیں اور اسی سے ہم ان کو پُر دل اور پرواز کی طاقت دے دیں ۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ مشاہدہ بقدر مجاہدہ ۔ اللہ کے راستہ میں جو جتنا غم اٹھائے گا اتنی ہی بلند اس کی پرواز ہوگی ۔ اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہجڑے کو ولایت خاصہ نہیں مل سکتی کیونکہ اس کے اندر گناہوں کے تقاضے نہیں ہوتے ۔ ولایت عامہ ملے گی اور جنت میں بھی چلا جائے گا مگر ولایت خاصہ ، وہ خاص قرب جو اولیائے صدیقین کو عطا ہوتا ہے وہ انہیں کو عطا ہوتا ہے جن کے نفس میں تقاضے ہوں اور پھر انہیں روک کر غم اٹھاتے ہوں ۔ یہی ہے کف النفس عن الہوی ۔ اسی ہوی اور شہوت کو مولانا نے اس شعر میں ایندھن قرار دیا ہے جس کو جلانے سے یعنی ان کے مقتضا پر عمل نہ کرنے سے ہی تقویٰ کی بھٹی روشن ہوتی ہے ۔

آں چنانش انس و مستی داد حق

کہ نہ زنداں یادش آمد نے عشق

ارشادِ خداوندی کے مولانا کے اس شعر کا حاصل یہ ہے

کہ اللہ کے راستہ کے غم سے گھبراؤ مت ۔ اللہ کے راستہ کا غم اتنا قیمتی ہے کہ دنیا بھر کی خوشیوں سے زیادہ قیمتی ہے ۔ جتنی منزل قیمتی ہوتی

ہے اس کے راستے کی تکلیف بھی اتنی ہی قیمتی ہوتی ہے اور محسوس بھی نہیں ہوتی۔ تو اللہ کے قرب کی منزل اتنی قیمتی ہے کہ دنیا میں اس سے قیمتی کوئی منزل نہیں ہے۔ پس اللہ کے راستہ کا غم کتنا قیمتی ہوگا ان کے راستے کے کانٹے کتنے قیمتی ہوں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے دھمکی دی کہ اگر میری فرمائش پوری نہیں کرو گے تو ہم تمہیں قید خانہ میں ڈلوادیں گے۔ ہم بادشاہ کی بیوی ہیں۔ آپ نے اس سے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ سے رجوع کیا، اپنے رب کو پکارا رَبِّ السَّجْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ الخ اس آیت میں اشارہ ہے کہ ایسے وقت میں اللہ سے رجوع ہو جاؤ، جب زمین والے تم کو ستائیں تو آسمان والے سے فریاد کرو، زمین کے مقتناطیس جب ہم کو کھینچیں تو آسمان والے جاذب کو پکارو جس کی قوت جاذبہ سب سے بڑی ہے اور سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی جان پاک نے جو اعلان کیا تھا وہی اعلان کرو کہ

﴿رَبِّ السَّجْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ﴾

اے میرے پالنے والے تیرے راستہ کا قید خانہ مجھے پیارا ہے اس گناہ سے جس کی طرف یہ بادشاہ مصر کی عورت مجھے بلا رہی ہے اور مجھے دھمکی دے رہی ہے کہ اگر گناہ نہیں کرو گے تو تم کو قید خانہ میں ڈال دیں گے لیکن اے خدا تجھے ناخوش کرنے سے مجھے قید خانہ احب ہے،

تیری لذت قرب کے سامنے ساری دنیا کے رنج و صعوبتیں بیچ ہیں ،
 تیرے راستے کا غم سارے عالم کی خوشیوں سے مجھے عزیز تر ہے۔ تیری
 راہ کا قید خانہ اور قید خانے کا غم مجھے محبوب ہی نہیں بلکہ احب ہے
 اس خبیث بات سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں۔ اور
 یہاں جمع کا صیغہ بدعون کیوں نازل ہوا جبکہ بلانے والی واحد تھی یعنی
 صرف زلیخا بلا رہی تھی۔ تو حضرت حکیم الامت نے تفسیر بیان القرآن
 میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمع کا صیغہ اس لئے نازل کیا کیونکہ
 مصر کی عورتوں نے سفارش کی تھی کہ اے یوسف اس کی خواہش پوری
 کر دو لہذا گناہ میں تعاون کرنا ، مدد کرنا اور سفارش کرنا اتنا ہی جرم ہے
 جتنا اصل مجرم کا۔ اسی لئے رشوت کا دلانے والا اتنا ہی مجرم ہے جتنا
 لینے والا۔

اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی شان محبوبیت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ
 تعالیٰ اتنے پیارے ہیں کہ جن کے راستے کے قید خانے احب ہوتے
 ہیں تو ان کی راہ کے گلستاں کیسے ہوں گے۔ یہ جملہ جب اللہ تعالیٰ
 نے مجھے عطا فرمایا تو میری اردو کی لذت پر ندوہ کے علماء مست ہو گئے
 اور فرمایا کہ کیا استدلال ہے اور کیا شیرینی، زبان ہے کہ جن کی راہ
 کے قید خانے محبوب ہی نہیں احب ہیں ان کی راہ کے گلستاں کیسے
 ہوں گے ، جن کے راستے کی تلخیاں پیاری ہیں تو ان کی شیرینیاں کیسی
 ہوں گی ، جن کی راہ کے غم اور تکالیف احب ہیں تو ان کے نام کی

لذت کا کیا عالم ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہیں تو ان کے نام کی لذت بھی بے مثل ہے جو جنت میں بھی نہیں ملے گی خاص کر کے نظر بچانے کے غم پر حلاوت ایمانی کا جو وعدہ ہے یہ حلاوت ایمانی اس دنیا ہی میں ملتی ہے یہ جنت میں بھی نہیں ملے گی کیونکہ جنت میں نظر بچانے کا حکم ختم ہو جائے گا، وہاں شریعت نہیں رہے گی، وہاں سب فرشتوں کی طرح پاک ہو جائیں گے تو یہ مزہ دنیا ہی میں اٹھالو۔ نظر بچا کر یہ حلوۃ ایمانی لوٹ لو۔

اللہ کے نام پاک کی اسی لذت و مستی و حلاوت ایمانی کو جو سیدنا یوسف علیہ السلام کو عطا ہوئی مولانا اس شعر میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

آں چنانش انس و مستی داد حق

کہ نہ زنداں یادش آمد نے غشق

زنانِ مصر کی دعوت گناہ کو رد کرنے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی پاداش میں جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ میں داخل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی مستی دے دی کہ نہ انہیں قید خانہ یاد آیا نہ قید خانہ کی تاریکی یاد آئی۔ ان کی جانِ پاک پر اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ایسا خاص فیضان ڈالا کہ ان کو قید خانہ کا احساس بھی نہیں ہوا۔ یہ اللہ کی شان ہے۔ مولانا اس سے ہم کو یہ سبق دیتے ہیں کہ گناہوں کی عارضی لذت چھوڑنا غم کا قید خانہ ہے اگر ہم ارادہ کر لیں

اور ہمت سے کام لیں کہ گناہ نہیں کرنا ہے اور گناہ نہ کرنے کا غم اٹھانا ہے اور غم کے اس قید خانے کو دل و جان سے محبوب رکھنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو ناخوش کر کے حرام خوشیاں قلب میں در آمد نہیں کرنا ہیں، غیر اللہ کی شکل و صورت سے بچنے میں جان کی بازی لگانا ہے تو ان شاء اللہ بظہیل سرور عالم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اللہ تعالیٰ وہ مستی دینے پر قادر ہے کہ غم محسوس ہی نہ ہوگا اور ایسی مستی عطا ہوگی جس کا نشہ کبھی نہیں اترے گا۔

مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

خاصہ کال خمرے کہ از خم نبی ست
مستی او دائمی نے یک شعی ست

نبی علیہ السلام کے خم محبت و معرفت، خم سنت و شریعت سے جو عطا ہوتی ہے اس کا نشہ دائمی ہوتا ہے جو کبھی نہیں اترتا۔ دنیاوی شراب کی مستی تو ایک رات میں اتر جاتی ہے لیکن اللہ کی محبت کا یہ نشہ تلواریں سے بھی نہیں اترتا۔ نظر بچانے پر جو وعدہ ہے حلاوت ایمانی کا کہ تم آنکھ کی مٹھاس ہم پر فدا کردو ہم دل کی مٹھاس تم کو عطا کردیں گے، تم حلاوت بصارت ہم پر فدا کردو ہم حلاوت بصیرت تم کو دے دیں گے۔ یہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں جو بہت بڑے عالم اور ولی اللہ گذرے ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہم

سے آنکھوں کی حلاوت مانگی ہے کہ حرام نظر مت ڈالو ، حسینوں کو مت دیکھو تو اللہ تمہارے دل کو حلاوت ایمانی دے دے گا ۔ آنکھ کا مزہ لے لیا اور دل کو مست کر دیا ۔ اللہ نے حرام مستی کو حرام فرما کر ہمارا دل مست کر دیا ۔ دل کی مستی اور حلال مستی اور اللہ کی عطا فرمودہ مستی اور وہ مستی جس سے اللہ خوش ہے ، یہ مستی اللہ کے راستہ کا غم اٹھانے سے نصیب ہوتی ہے ، نظر بچانے کا غم اٹھانے سے ملتی ہے ، حسینوں سے دور رہنے کے غم پر ملتی ہے ۔ اسی پر میرا شعر ہے جس کو سن کر ایک بڑے عالم نے فرمایا کہ آپ کا یہ شعر نہایت حسین ہے ۔ وہ کیا شعر ہے ۔

میرے ایام غم بھی عید رہے

ان سے کچھ فاصلے مفید رہے

اللہ کے خوف سے حسینوں سے نظر بچائی تو دل میں غم آیا اور غم کے ساتھ ہی فوراً دل میں حلاوت ایمانی عطا ہوئی ۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں مَنْ تَرَكَهَا مَخَافَتِي يَجِدْ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ یہی حلوۃ ایمانی ہے جس سے اللہ کے عاشقوں کی ہر وقت عید ہے ، عام لوگوں کو تو سال میں ایک عید ملتی ہے اور عید کے دنوں میں حلوہ ملتا ہے لیکن خدائے تعالیٰ کے عاشقوں کو اور ان کے غلاموں کو بے پردگی اور عریانی کے اس دور میں ہر وقت نظر بچانی پڑتی ہے اس لئے ان کو ہر وقت حلوۃ ایمانی نصیب ہوتا ہے اس لئے ان کی ہر وقت عید ہے ۔ اگر دن میں سو بار

نظر بچائی تو سو دفعہ اس کی عید ہو گئی کیونکہ سو دفعہ حلوۂ ایمانی نصیب ہوا جس کی لذت قلب محسوس کرتا ہے۔ دنیا میں ایسی عید سوائے عاشقانِ خدا کے کسی کو نصیب نہیں۔ اس لئے خصوصاً غیر ملکی علماء سے کہتا ہوں کہ لندن ایر پورٹ ہو نیویارک ایر پورٹ ہو یا جرمن ایر پورٹ ہو نظر بچانے کے غم سے پریشان نہ ہوا کریں۔ یہ سوچیں کہ یہ حلوۂ ایمانی کا تکنیکی انتظام ہے۔ آج حلاوت ایمانی کی یہ دولت ایر پورٹوں پر، سڑکوں پر، بازاروں میں تقسیم ہو رہی ہے کہ نظر بچاؤ اور حلوۂ ایمانی سے مست ہو جاؤ، اس غم کو سر آنکھوں پر رکھو۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نظر کو بچانے سے نفس کو تو غم ہوتا ہے مگر روح میں اتنا ہی نور اسی وقت پیدا ہو جاتا ہے، جتنا آپ کے دل میں غم آیا اتنا ہی نور آپ کے دل میں داخل ہوگا مثلاً اگر نفس میں ایک کلو غم آیا تو فوراً ایک ہی کلو نور روح کے اندر پیدا ہو جائے گا۔ یہی حلاوت ایمانی ہے جس کے مزہ کو میں نے اس مصرع میں بیان کیا کہ۔

مرے ایم غم بھی عید رہے

اور دوسرے مصرع میں حسینوں سے بچنے کا فائدہ بیان ہوا ہے۔

ان سے کچھ فاصلے مفید رہے

حسینوں سے فاصلے مفید رہے کہ اس کی بدولت حلاوت ایمانی

نصیب ہوئی۔ دیکھئے ٹرک پر بھی لکھوا دیتے ہیں کہ فاصلہ رکھئے تاکہ ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے اور پٹرول پمپ والے بھی لکھ کر لگاتے ہیں کہ (No Smoking Please) عرب والے لکھتے ہیں ممنوع التدخين اور اردو والے لکھتے ہیں یہاں سگریٹ پینا منع ہے تاکہ ان کے پٹرول پمپ میں آگ نہ لگ جائے تو کیا ایمان والوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ حسن کے شعلوں سے دوری رہے تاکہ ایمان کے پٹرول پمپ میں آگ نہ لگ جائے۔ کیا اس دنیوی پٹرول کی قیمت ایمان سے زیادہ ہے؟ یہ حسن ایمان میں ایسی آگ لگا دیتا ہے جیسے چنگاری پٹرول میں لہذا ان آگ جیسے گالوں کو مت دیکھو۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔

دیکھ ان آتشیں رخوں کو نہ دیکھ
ان کی جانب نہ آنکھ اٹھا زنہار
دور ہی سے یہ کہہ الہی خیر
وقنا ربنا عذاب النار

نامحرم عورتوں یا حسین لڑکوں کے لال لال گال جہنم کی آگ ہیں یا اللہ ہمیں جہنم کی آگ سے بچا کیونکہ ان کے گال بھی لال ہیں اور دوزخ کی آگ بھی لال ہے لہذا یہ لال گال لال آگ تک پہنچانے والے ہیں۔ اس لئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کو نہ دیکھو اور پناہ مانگو۔ جو لوگ نظر کی حفاظت نہیں کرتے ساری عمر کے حج اور

عمرے ، تبلیغ کے اور خائفوں کے چلے ، ذکر و اذکار اور تلاوت اور رات بھر تہجد کے سجدے سب ضائع ہو جاتے ہیں کیونکہ عبادت کے نور کو گناہوں کی ظلمت کھا جاتی ہے ۔ عام لوگ کہتے ہیں کہ بھی ہم نے نہ لیا نہ دیا صرف دیکھ لیا اور آپ اتنا شور مچا رہے ہیں ۔ ارے بھی ہم شور نہیں مچاتے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

﴿يَغْضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾

اے ایمان والو! نظر کو نیچی کر لو اگر بد نظری میں نقصان نہ ہوتا تو بھلا! اللہ پاک منع فرماتے؟ کیا کوئی ابا مفید چیز سے اپنے بچوں کو منع کرے گا؟ اللہ پاک تو ارحم الراحمین ہیں ۔ بھلا ارحم الراحمین ہم کو مفید چیزوں سے منع کرے گا؟ اگر اس میں ضرر نہ ہوتا تو اللہ پاک منع نہ فرماتے ۔ ان کا منع فرمانا دلیل ہے کہ اس میں ضرر ہی ضرر ہے اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں ، اگر بد نظری مفید ہوتی تو آپ یہ ارشاد نہ فرماتے کہ زنا العین النظر بد نظری آنکھوں کا زنا ہے ۔

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ بد نظری کے بعد حلاوت ایمانی سلب ہو جاتی ہے اور عبادت کا مزہ بھی نہیں آتا ۔ تلاوت کرے گا مگر اس کی تلاوت بے کیف ہوگی کیونکہ دماغ میں وہی صورت ہوگی ، سجدہ کرے گا مگر اس کا سر خدا کے حضور میں نہیں ہوگا ۔ ایک بد نظری

کرنے والے نے بتایا کہ میں نے ڈش انٹینا، دیکھ لیا ننگی فلم تھی اور دیکھنے والا سید زادہ تھا اس نے کہا کہ چھ ماہ ہو گئے لیکن جب سجدہ کرتا ہوں تو اسی ننگی عورت کی شر مگاہ پر میرا سر ہوتا ہے۔ سبحان ربی الاعلیٰ زبان سے کہتا ہوں مگر سر وہیں ہوتا ہے کیونکہ دماغ سے کسی وقت اس کا دھیان نہیں نکلتا۔ بتائیے بد نظری کرا کے شیطان نے سجدہ کہاں کرادیا، جو سر خدا کے حضور سے مشرف ہوتا اس کو کتنی گندی جگہ پر ذلیل کر دیا۔ پس اب خود فیصلہ کر لیجئے کہ اللہ کے راستہ میں ذرا سا غم اٹھا کر وہ کیف وہ مستی بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ انبیاء و اولیاء کو عطا فرماتا ہے جس کے بعد غم کے قید خانے کی صعوبتیں بھی لذیذ ہو جاتی ہیں یا خدا کے قہر و عذاب کی یہ لعنتی مستی بہتر ہے جس کے بعد تڑپنا بے چین رہنا اور اللہ کے عذاب میں گرفتار رہنا نصیب ہوتا ہے اور دل بھی ایسے شخص کا لعنتی ہو جاتا ہے۔ جب آنکھ لعنتی کام کرے گی تو دل کہاں سے جنتی ہوگا۔ عمل کر کے تو دیکھو یہ راستہ خالی علوم کا نہیں ہے، یہ خالی معلومات کا راستہ نہیں ہے عمل کر کے دیکھو۔ لاکھ ہم تعریف کریں کہ مرغی کی یخنی پیو، بہت طاقتور ہے اور کوئی مرغی کے سوپ یعنی یخنی کا طریقہ بتا رہا ہے اور سب لوگ لکھ رہے ہیں مگر فائدہ کسی کو نہیں ہوگا جو پئے گا اسی کو فائدہ ہوگا۔ ملفوظات نوٹ کرنے سے کام نہیں بنتا۔ اللہ کے نام کا غم اٹھا کر دیکھو کہ کیا ملتا ہے؟ اللہ کے دوستوں کے غم اور مجاہدہ کی تعریفیں کرتے رہو اور خود غم

نہ اٹھاؤ، جب موقع آئے لو مڑی بن جاؤ اور پاگل کی طرح دیکھنے لگو، اس وقت معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ شخص کبھی اللہ اللہ بھی کر رہا تھا، کبھی یہ شخص اہل اللہ کی صحبت میں بھی رہا تھا لہذا ان مرنے والی لاشوں کے ڈسپجر کی خاطر خلاف پیغمبر کام مت کرو، کمینہ پن کی کوئی حد ہوتی ہے، جن کے بال سفید ہو گئے ہیں ان کو تو زیادہ ہوشیار رہنا چاہئے۔ آمینہ میں اپنی داڑھی دیکھو اور اپنے نفس سے کہو کہ اے کمینہ نفس تو گناہ کرتے کرتے بڑھا ہو گیا، بتا کیا تیرے پاس حرام مزے کا کوئی اشاک ہے، کیا حرام مزہ کا کوئی ذرہ باقی ہے۔ حرام کا مزہ حلال کا سکون بھی چھین لیتا ہے لہذا بہت بڑا نسخہ بتا رہا ہوں جلد ولی اللہ بننے کا کہ فرض واجب اور سنت موکدہ ادا کر لو اور نظر بچا کر، گناہوں سے بچ کر دل کا خون کر لو یہ بہت مختصر راستہ ہے اللہ کا دوست بننے کا۔ اسی کو ایک شاعر کہتا ہے ۔

آو دیار دار سے ہو کر گذر چلیں

سنتے ہیں اس طرف سے مسافت رہے گی کم

یعنی اپنے نفس کی خواہشات کو دار پر چڑھا دو آپ بہت جلد اللہ کو پا جائیں گے۔ اور آپ کے قلب کی خوشی کے عالم کا وہ عالم ہوگا کہ سارا عالم آپ کے قلب کے اس عالم کو جان بھی نہیں سکتا۔ ایک لاکھ حج و عمرہ کا ثواب سر آنکھوں پر لیکن ایک نظر بچانے کی لذت

قرب کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آج کے زمانہ میں جو نظر بچالے وہ ولی اللہ ہو جائے گا، بس فرض واجب سنت موکدہ نہ چھوڑے کیونکہ فرض، واجب اور سنت موکدہ ہمارے ایمان و اسلام کا اسٹرکچر ہے، جب اسٹرکچر ہی نہیں رہے گا تو فنشنگ کہاں کرو گے؟ حفاظت نظر کی فنشنگ سے آپ کا ایمان چمک جائے گا۔ اس غم سے آپ غرق فی النور ہو جائیں گے اور دل میں اللہ کی محبت کا اتنا درد پیدا ہوگا اور آپ کے جلے بھنے دل سے ایسی خوشبو آئے گی کہ آپ کے ذریعہ سے لاکھوں انسان ولی اللہ بن جائیں گے۔ لہذا یاد رکھو جب کوئی حسین سامنے آجائے تو اس کے بڑھاپے کا خیال کر کے آنکھ بند کر کے سوچو کہ اس کی عمر نوے سال کی ہو گئی اور اس معشوق یا معشوقہ کی کمر جھکی ہوئی، آنکھوں پر بارہ نمبر کا چشمہ لگا ہوا، عورت ہے تو سمجھ لو کہ اس کے پستان ایک ایک فٹ نیچے لٹکے ہوئے ہیں، منہ کے دانت بھی سب باہر آچکے ہیں پائریا الگ ہے، سارے بال سفید ہو گئے ہیں، چوٹیاں جھڑ گئیں بس تھوڑے سے بال رہ گئے مثل بڑھے گدھے کی دُم کے۔ یہ مراقبہ ہے، یہ قوت متخیلہ اللہ نے ہمیں کیوں دی ہے؟ تاکہ میرے بندے میری فرماں برداری میں اس کو استعمال کریں۔ یہ تھوڑی کہ عورتوں کے خیال سے معشوقوں کے خیال سے قوت متخیلہ کو پلید کیا جا رہا ہے۔ بس جس کی جوانی آپ کو فتنے میں ڈال دے فوراً اس کا بڑھاپا سوچو لیکن نظر بچا کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیکھتے ہوئے

سوچنے سے آپ کی سوچ کا سوچ ہی خراب ہو جائے اور ایسی ظلمت چھا جائے کہ دنیائے عشق مجازی کے آخری اسٹیشن کی گندگیاں نظر ہی نہ آئیں اور مقدس دازھیوں اور گول ٹوپوں کے ساتھ ان گندے مقامات میں گر کر ذلت و خواری کی انتہا کو پہنچ جائیں۔ نظر ابلیس کا تیر ہے زہر میں بجھا ہوا۔ لاکھ جج و عمرہ کیا لیکن کسی عورت پر نظر ڈال دی تو وہیں ثواب کا سارا اشاک ختم کر دیا۔ اس لئے نفلی جج و عمرہ سے زیادہ تقویٰ سیکھو۔ اللہ تعالیٰ سے دوستی کی بنیاد تقویٰ پر ہے، نفلی جج و عمرہ پر نہیں ہے اور تقویٰ اللہ والوں کی غلامی سے ملتا ہے، تھوڑا کماد مگر حفاظت کرو کہ ڈاکو نہ لے جائے تو ایسا شخص مالدار ہے اور ایک شخص نے کمایا بہت لیکن اپنے مال کی حفاظت نہیں کی اور ڈاکو لے گئے تو وہ تلاش اور مسکین اور مستحق زکوٰۃ ہے۔ بس فرض واجب اور سنت موکدہ کوئی ادا کر لے چاہے کوئی نفل یا کوئی وظیفہ نہ پڑھے لیکن ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرے تو یہ ولی اللہ ہے۔ اتنا آسان راستہ اللہ کا ولی بننے کا اور کہاں پاؤ گے۔ بولو بھئی کام نہ کرو، حرام کام مت کرو جس کام سے اللہ ناخوش ہے وہ کام نہ کرو، اللہ کی ناخوشی کو اپنے اوپر حلال مت کرو، حرام لذتوں سے مانوس نہ رہو، اللہ کے نام پر اس طرح فدا ہو جاؤ کہ حرام خوشیاں، حرام لذتیں آپ کو راس نہ آئیں، مالک پر ہر وقت نظر رکھو، خدا کو بھول جانا یہ دلیل ہے کہ یہ شخص مٹنی میں پھنسا ہوا ہے، مٹنی کی چیزوں سے مست ہے۔ بس مٹنی کے

کھلونوں کا غم نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ کے غم کو سر آنکھوں پر رکھ لو، اس غم سے راہ فرار مت اختیار کرو کہ یہی لومڑی پن ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وَ لَا يَرْوُعُ رَوْغَانُ الشَّعَالِ مردان خدا اللہ کے راستہ سے لومڑیوں کی طرح فرار اختیار نہیں کرتے۔ اللہ کے راستہ کے غم کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ یہ غم قسمت والوں کو اللہ دیتا ہے، یہ غم خوش نصیبوں کو ملتا ہے، اپنے دوستوں کو اللہ یہ غم دیتا ہے اور نافرمانی کے حرام مزے دشمنوں کو ملتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی بڑے مزے میں ہیں، ان کو اللہ اتنی دنیا دے رہا ہے اور مولوی بے چارے مسجدوں کی چٹائیاں توڑ رہے ہیں، تہجد پڑھ رہے ہیں، اللہ کو یاد کر رہے ہیں، نظر بچانے کا غم اٹھا رہے ہیں، حسینوں کی دعوت گناہ کو ٹھکرا کر خون حسرت پی رہے ہیں، میں کہتا ہوں کہ جو لوگ اللہ کو خوش کر رہے ہیں اور حرام خوشیوں سے اپنے کو بچا کر غم اٹھا رہے ہیں اللہ نے ان کے دل کو خوش کیا ہوا ہے کیونکہ وہ مالک ارحم الراحمین ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی بندہ اللہ کو خوش کرے اور اللہ اس کو خوش نہ کرے، ناممکن ہے کہ کوئی بیٹا ابا کو خوش کرے اور ابا اس کو خوش نہ رکھے، جب مخلوق کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان کیا ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ والوں کے پاس بیٹھ کے دیکھ لو۔ اگر بے چین دل لے کر جاؤ گے تو چین و سکون لے کر اٹھو گے۔ جب فریج میں یہ شان ہو سکتی ہے کہ اس میں گرم بوتل

رکھ دو تو ٹھنڈا کر دیتا ہے تو اللہ والوں کے قلب میں یہ اثر نہ ہوگا کہ بے چین دل ان کے پاس آکر سکون پا جائیں؟ اس کے برعکس جن ظالموں نے نافرمانی کی حرام خوشیوں سے اپنے نفس کو خوش کیا ہوا ہے، حسینوں پر بد نظری کر کے اپنے دل میں حرام مزدوں کا اشاک کیا ہوا ہے ان کے دل کی بے چینی کا مشاہدہ ان کے پاس بیٹھ کر کر لو کہ اگر تم بھی بے چین نہ ہو جاؤ تو کہنا۔ اس پر میرا قطعہ سنو جس میں اس اشکال کا جواب ہے اور جو مولانا رومی کے مذکورہ شعر کی بہترین شرح بھی ہے۔

دشمنوں کو عیش آب و گل دیا
دوستوں کو اپنا درد دل دیا

دشمنوں کو آب و گل یعنی پانی اور مٹی کے کہاب اور مٹی کی بریانی اور مٹی کی غورتیں اور عیاشیاں دے دیں کہ جتنی کر سکتے ہو کر لو لیکن دوستوں کو اپنا درد محبت عطا فرمایا۔ دشمنوں کو آب و گل اور دوستوں کو درد دل عطا فرمایا لیکن دونوں میں فرق کیا ہے؟

ان کو ساحل پر بھی طغیانی ملی
ہم کو طوفانوں میں بھی ساحل دیا

وہ ایر کنڈیشنوں میں خود کشی کر رہے ہیں اور اولیاء اللہ غموں کے طوفانوں میں ساحل کا سکون رکھتے ہیں کیونکہ ان کے قلب کو سکینہ

حاصل ہے اس لئے کسی ولی اللہ نے کبھی خود کشی نہیں کی۔ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں کہ کسی ولی نے خود کشی کی ہو۔ ولی اللہ تو درکنار ان کے غلاموں نے بھی کبھی خود کشی نہیں کی۔

بس آخر میں اپنے نفس سے بھی اور آپ سب سے بھی کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں مومن کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔ جب حسینوں سے، بد نظری سے، نافرمانی سے بے چینی ہی پائی ہے تو اس بے چینی پیدا کرنے والے سوراخ میں دوبارہ انگلی مت ڈالو۔ یہ حسین سب مٹی ہیں، مٹی کے نقش و نگار ہیں، مٹی کے رنگ و روغن ہیں، مٹیوں کو بہت دیکھ چکے اب خالق ارض و سماء سے دل لگا کر دیکھو، ان کے راستہ کا غم اٹھا کر دیکھو اگر دونوں جہان کی لذتوں سے بڑھ کر مزہ دل میں نہ پاؤ تو کہنا کہ اختر کیا کہہ رہا تھا۔ وہ کریم مالک ہے جو ایک پھول کے بدلہ میں گلستاں دیتا ہے۔ اپنی خوشیوں کا ایک پھول ان پر فدا کر دو تو اپنے قرب کا گلستاں برسادے گا لہذا اللہ کی دولت قرب کو لوٹ لو اور دیر مت کرو ورنہ ایک دن عمل کا زمانہ ختم ہو جائے گا۔ جب آنکھ بند ہوئی اور قلب کی حرکت فیل ہوئی اس دن کچھ نہ کر سکو گے۔ اگر اب نہیں تو پھر کب وقت آئے گا ان پر فدا ہونے کا، کیا کوئی یقین دہانی اور گارنٹی ہے کہ کب تک جیو گے۔

نہ جانے بلا لے پیا کسی گھڑی
تو رہ جائے تکتی کھڑی کی کھڑی



بہچو فرخے میل او سوئے سما
منتظر بہادہ دیدہ بر ہوا

ارشادِ قدسِ صابِ گد مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک پرندے کا بچہ آج ہی پیدا ہوا ہے، پر بھی ابھی نہیں آئے، صرف بازو ہیں، ابھی اڑ نہیں سکتا مگر اس کی نظر آسمان کی طرف رہتی ہے کیونکہ مستقبل میں اس کی قسمت میں اڑنا ہے اس لئے وہ آسمان کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ اور جتنے جانور ہیں سب نیچے دیکھتے ہیں۔ گائے، بیل وغیرہ جب پیدا ہوتے ہیں تو زمین کی طرف دیکھتے ہیں اور جب بڑھے ہو جاتے ہیں تب بھی زمین ہی کی طرف دیکھتے ہیں کیونکہ ان کی قسمت میں پرواز نہیں ہے تو جانور مت بنو کہ ہر وقت مٹی کی چیزوں کو ڈھونڈ رہے ہو، ہر وقت حسینوں کو تلاش کر رہے ہو، مٹی کے اجسام پر فدا ہو رہے ہو، زمین کی چیزوں سے مست رہنا اور خدا کو بھول جانا دلیل ہے کہ یہ شخص مٹی میں پھنسا ہوا ہے۔

جن کی قسمت میں اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز مقدر ہے وہ زمین پر

رہتے ہوئے زمین پر نہیں رہتے ، ان کی نگاہیں مثل پرندے کے آسمان کی طرف لگی رہتی ہیں ، ہر وقت منتظر ہیں کہ کب موقع ملے اور کب میں اللہ کی طرف اڑ جاؤں ۔ مرتبہء جسم میں وہ زمین پر نظر آتے ہیں مرتبہء روح میں وہ ہر وقت عرش اعظم پر ہیں ۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

ظل او اندر زمیں چوں کوہ قاف
روح او سمرغ بس عالی طواف

اللہ والوں کا جسم مثل پہاڑ کے زمین پر نظر آتا ہے لیکن ان کی روح ہر وقت عرش اعظم کا طواف کرتی ہے ، ہر وقت قرب خاص سے مشرف رہتی ہے ، کسی وقت وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتے ۔

خامش اند و نعرہ تکرار شاں
می رود تا یار و تحت یار شاں

وہ خاموش بیٹھے ہیں لیکن ان کے باطن کے نعرہ ہائے عشق عرش اعظم اور مالک عرش اعظم تک پہنچ رہے ہیں ۔ اسی حقیقت پر میرا شعر ہے ۔

زمین پر ہیں مگر کیا رابطہ ہے عرش اعظم سے
نہیں آتے نظر لیکن پر پرواز آہوں کے

وہ سب کے ساتھ رہ کر بھی خدا کے ساتھ رہتے ہیں
مگر کچھ اہل دل ہی آشنا ہیں ایسے رازوں کے

اس کے برعکس جو لوگ مثل جانور کے ہیں وہ اللہ کو فراموش کر کے
زمین کی چیزوں سے اور مٹی کے جسموں کی حرام لذتوں اور حرام
خوشیوں سے مست ہیں۔ مُردہ لاشوں کی بدبو سے مست ہونے والے
کیا جانیں کہ زندہ حقیقی کے نامِ پاک میں کیا خوشبو، کیا لذت اور کیا
نشہ ہے جس سے اہل اللہ کی جانیں جو شہباز معنوی ہیں ہر لمحہ ایسی
مست ہیں کہ ان کی مستی و کیف و خوشی بیان کرنے سے سارے جہان
کی زبانیں قاصر ہیں۔

وہ کر گس جو کسی مُردہ پہ ہوتا ہے فداِ اختر
وہ کیا جانے کہ کیا رتبے ہیں ان کے شاہدوں کے
جدھر دیکھو فدا ہے عشقِ فانی حسنِ فانی پر
فدا اللہ پر ہیں قلب و جاں اللہ والوں کے

لہذا اللہ کی طرف اُڑنے کی کوشش کرو جس کے پاس جانا ہے اور ایک
دن جس کو منہ دکھانا ہے، بس ایک لمحہ ان کو ناراض نہ کرو، کبھی خطا
ہو جائے تو رو کر معافی مانگ لو۔ اللہ کی طرف ایک دم اُڑنے کا یعنی
ولی اللہ بننے کا اس سے آسان نسخہ کوئی اور نہیں۔ خانقاہ اسی کا نام ہے

یہ وہ چمن ہے جہاں طائرانِ بے پر و بال
بسوئے عرش بیک دم اُڑائے جاتے ہیں

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم

مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

ارشادِ فردا پیا کک قلاش کہتے ہیں تہی دست ، غریب اور مسکین کو۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ میں اگرچہ قلاش و مسکین و تہی دست ہوں لیکن اس ساقیِ الست کی شرابِ محبت سے مست ہوں اور اس کے پیمانہء محبت پر فدا ہوں جس نے عالمِ ازل میں اَلْسَتْ بِرَبِّكُمْ فرما کر اپنی محبت کی چوٹ دلوں پر لگا دی تھی اور اپنی شرابِ محبت ارواح کو پلا دی تھی۔ یہ وہی چوٹ لگی ہوئی ہے اور اسی شرابِ محبت کی مستی ہے کہ بغیر دیکھے ہوئے بندے اللہ پر فدا ہو رہے ہیں۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔

دل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے

تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

اور میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے ۔

نہ کبھی تھے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ ذوقِ شراب ہے

لبِ یادِ چو سے تھے خواب میں وہی ذوقِ مستیِ خواب ہے

یعنی بوقتِ آفرینش اللہ تعالیٰ نے اَلْسَتْ بِرَبِّكُمْ فرما کر ہماری ارواح کو

اپنی شانِ ربوبیت کی تجلی دکھا دی اور ہمارے خمیر میں اپنی محبت کی ختم
ریزی فرمادی یعنی ہمارے مضغہ دل پر اپنی محبت کی چوٹ لگا کر پھر اس
دنیا میں بھیجا کہ جا تو رہے ہو لیکن ہمارے بن کے رہنا ۔

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جاسکی لے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری منی میں شامل کی

یہ اسی چوٹ کا اثر ہے جو آج ہم ان کی محبت میں مست ہیں ۔ اللہ کے
نام میں جو شیرینی و کیف و مستی ہے دونوں جہان کی لذتیں اس کے
سامنے بیچ ہیں ۔ جن کو یہ حلاوت ذکر نصیب ہو گئی ان سے پوچھو کہ
ان کے نام میں کیسا مزہ ہے ۔ اللہ کی محبت میں اگر مزہ نہ ہوتا تو انبیاء
علیہم السلام کے سر نہ کٹتے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرماتے
کہ ثم اقتل ثم احیا ثم اقتل ثم احیا ثم اقتل اے اللہ میں محبوب رکھتا
ہوں کہ میں آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں ، پھر قتل
کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں ، پھر قتل کیا جاؤں ۔ مولانا رومی فرماتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ اتنے پیارے ہیں کہ جب ان کا عشق خونیں چلہ اپنی کمان
پر چڑھاتا ہے تو ہزاروں سر ایک پیسہ کے عوض فروخت ہو جاتے ہیں ۔

صد ہزاراں سر بہ پولے آں زماں
عشق خونیں چوں کند زہ بر کماں

جہاں وہ پاؤں رکھتا ہے وہاں پر سر برستے ہیں

لیکن اہل دنیا اللہ کے نام کی لذت کو اور ان کی محبت کے مزہ کو سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ ان کے دیوانے جو بظاہر مفلس و قلاش نظر آتے ہیں اپنے سینوں میں ایسی دولت لئے ہوئے ہیں کہ ان کی لذت قرب اہل ظاہر کی عقل نارسا و فہم و ادراک سے بالاتر ہے بلکہ ہر عاشق کی نسبت مع اللہ کا رنگ الگ ہے، ہر عاشق کی آہ الگ ہے، ہر ولی کو ایک شانِ تفرّد حاصل ہے لہذا ایک ولی بھی دوسرے ولی کی باطنی لذت اور اس کے قرب کی تفصیلات کیف سے بے خبر ہوتا ہے۔ اجمالاً ایک دوسرے کے صاحبِ نسبت ہونے کا تو علم ہوتا ہے لیکن اس کے باطن کو کیا لذتِ قرب حاصل ہے وہ ایک دوسرے پر مخفی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبت کی لذت ہر ایک کو الگ الگ دیتے ہیں اور ایک دوسرے سے چھپا کر دیتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾

نکرہ تحت النفی ہے جو فائدہ عموم کو دیتا ہے یعنی کوئی نہیں جانتا جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہم مخفی طور پر اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی کہ جس طرح ماں اپنے بچہ کو دودھ دیتی ہے تو دودھ کی شیشی پر کپڑا پٹی دیتی ہے تاکہ اس

کے پیارے بچوں کی نظر اس کے پیارے بچے کو نہ لگ جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیاروں کو اپنے قرب کی لذت چھپا کر دیتے ہیں تاکہ ان کے پیاروں کی نظر ان کے پیاروں کو نہ لگ جائے، ایک ولی کی نظر دوسرے ولی کو نہ لگ جائے۔ اس لئے ایک ولی کی باطنی کیفیات کی تفصیلات کا علم دوسرے ولی کو بھی نہیں ہوتا۔ عبدو معبود کے درمیان یہ اتصال و ربط خفی ایک سر بستہ راز ہوتا ہے جو دوسرے بندہ پر پوشیدہ ہوتا ہے جس کو خواجہ صاحب نے یوں تعبیر فرمایا ہے ۔

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

لیکن اہل دنیا کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں۔ وہ تو ہمیں دیوانہ ہی کہیں گے کہ دیکھو ان مولویوں کو اور داڑھی والوں کو کہ اللہ کو دیکھا نہیں اور اللہ پر فدا ہو رہے ہیں۔ اس کا جواب مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں ۔

تن بجاں جنبہ نمی بینی تو جاں
لیک از جمیدن تن جاں بداں

جسم جان کی وجہ سے حرکت کرتا ہے مگر تم جان کو نہیں دیکھتے ہو لیکن جسم کی حرکت کو دیکھ کر بغیر دیکھے جان کے وجود کو تسلیم کرتے

ہو۔ اگر بغیر دیکھے کسی چیز کا تسلیم کرنا خلاف عقل ہے تو دیکھے بغیر جان کے وجود کو بھی تسلیم نہ کرو۔ اسکول کے ایک دہریہ استاد نے ایک بچہ سے کہا کہ جس چیز کو ہم دیکھتے ہیں اسی کو تسلیم کرتے ہیں، بغیر دیکھے کسی چیز کے وجود کو ماننا حماقت ہے لہذا جو لوگ بغیر دیکھے اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، احمق ہیں۔ وہ بچہ کسی اللہ والے کا تھا۔ اس نے کہا ماسٹر جی آپ یہ کیا بات کر رہے ہیں۔ اگر آپ کی بات کو میں صحیح مان لوں تو مجھے آپ کو بے عقل کہنا پڑے گا کیونکہ آپ کی عقل تو مجھے نظر نہیں آتی۔ ماسٹر جی اپنا سامنہ لے کے رہ گئے۔

ایک شخص نے حکیم الامت سے کہا کہ ہم اللہ سے کیسے محبت کریں کیونکہ اللہ تو نظر نہیں آتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کو اپنی جان سے محبت ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ڈاکو تمہاری جان نکالنے آجائے تو اس سے لڑو گے یا آسانی سے کہہ دو گے کہ یہ جان حاضر ہے لے جا؟ کہا کہ نہیں صاحب! جان بچانے کے لئے جان لڑا دوں گا۔ فرمایا کہ جان کو کبھی دیکھا بھی ہے؟ کہا کبھی نہیں دیکھا۔ فرمایا جیسے بغیر دیکھے جان سے محبت کرتے ہو تو بغیر دیکھے اللہ سے محبت کیوں نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں روح عطا فرما کر ایمان بالغیب کی ایک دلیل خود ہمارے اندر رکھ دی کہ جس طرح اپنی جان پر ایمان بالغیب لاتے ہو اور بغیر دیکھے اپنی جان کو تسلیم کرتے ہو اور اس سے اتنی

محبت کرتے ہو کہ جان کی حفاظت میں جان لڑا دیتے ہو، اسی طرح بغیر دیکھے اللہ پر ایمان لانا اور اللہ سے محبت کرنا کیا مشکل ہے۔ ہمارے اندر یہ دلیل رکھ کر اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کا پرچہ آسان کر دیا اور گنجائش انکار باقی نہ رکھی۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

مری ہستی ہے خود شاہد وجود ذات باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ روح کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کے لئے دنیا میں اور بھی بہت سے نظائر، مثالیں اور نمونے پیدا فرمادئے جن کے مخفی وجود کو تم بغیر دیکھے ہوئے محض ان کے آثار و نشانات و علامات سے تسلیم کرتے ہو اور اس طرح تسلیم کرتے ہو کہ اس کے انکار کو خلاف عقل اور حماقت سمجھتے ہو۔ اب مولانا کے بعض نظائر اور دلائل ایمان بالغیب کے متعلق سنئے۔ فرماتے ہیں۔

خاک را بنی بہ بالا اے علیل
با درانے جز بہ تعریف و دلیل

خاک کو فضا میں اڑتا ہوا دیکھ کر تم آنکھوں سے دیکھے بغیر ہوا کے وجود کو تسلیم کرتے ہو اور اس کے وجود پر عقلی دلیل قائم کرتے ہو کہ خاک اپنے مرکز اور مستقر یعنی کرۂ ارض سے فضا میں بغیر ہوا کے

نہیں اڑ سکتی، خاک کا فضا میں اڑنا ہوا کے وجود پر دلالت کرتا ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ مجھے ہوا دکھاؤ تو تم اس پر قادر نہیں ہو سکتے بلکہ معترض سے کہو گے کہ عقل کے ناخن لو، آثار و علامات ہوا کے موجود ہونے کا ثبوت ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس کی عقلی دلیل کے لئے تم میرا یہ شعر پیش کرو گے۔

پس یقین در عقل ہر دانندہ است
ایں کہ با جبیدہ جنبا نندہ است

مولانا فرماتے ہیں کہ ہر عقل رکھنے والا اس بات کو جانتا ہے کہ ہر متحرک کا کوئی محرک ہے یعنی ہر حرکت کرنے والی چیز کا کوئی محرک ہے جو پس پردہ اس کو حرکت دے رہا ہے کیونکہ کوئی شئی خود بخود حرکت نہیں کر سکتی لہذا جہاں کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی نظر آئے یہ دلیل ہے کہ کوئی اس کو حرکت دینے والا ہے۔ پس جس طرح خاک کو فضا میں متحرک دیکھ کر بغیر دیکھے یقین کرتے ہو کہ اس کو حرکت دینے والی چیز ہوا ہے۔ اسی طرح روح جو محرک ہے اجسام کی اس کا جسم میں موجود ہونا اور خارج میں زمین و آسمان، شمس و قمر، سیارات و نجوم، سمندر اور دریا، انقلابات موسم، لاکھوں ٹن پانی لے کر شرقاً غرباً شمالاً جنوباً چلنے والی ہوائیں غرض پوری گردش کائنات دلیل ہے کہ اس متحرک کا محرک حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہے جن کے وجود پر بغیر

دیکھے ایمان لانا عقلاً ثابت ہو گیا۔

اس کے بعد مولانا ایمان بالغیب کے ثبوت کے لئے ایک اور استدلال پیش کرتے ہیں کہ ۔

تیر پیدا میں و نا پیدا کماں

جان ہا پیدا و پنہاں جان جاں

اسی طرح اڑتا ہوا تیر دیکھتے ہو اور کمان نظر نہیں آتی لیکن بغیر دیکھے کمان کے وجود کو تسلیم کر لیتے ہو کیونکہ عقل فیصلہ کرتی ہے کہ تیر کمان ہی سے اڑتا ہے، بغیر کمان کے خود نہیں اڑ سکتا۔ اسی طرح جسم کی حرکت سے جان کا وجود تو ظاہر ہے کیونکہ جان ہی جسم کی محرک ہے، اگر روح نہ ہو تو جسم حرکت نہیں کر سکتا لیکن جان کے اندر ایک جانِ جاناں پنہاں ہے جس کی برکت سے جان میں حیات ہے لہذا روح کا وجود روح الارواح کے مخفی وجود پر دلالت کرتا ہے چنانچہ جب اس خالق الارواح کا حکم ہو جاتا ہے تو روح جسم سے نکل جاتی ہے اور جسم بے جان ہو جاتا ہے۔

مولانا رومی ایمان بالغیب کی ایک اور نظیر پیش کرتے ہیں کہ ۔

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل نبود

جوش مل دیدی کہ آنجا مل نبود

اے لوگو! کیا تم نے پھول کی خوشبو کہیں ایسی جگہ سونگھی کہ جہاں پھول ہی موجود نہ ہو اور جوش شراب کہیں دیکھا جہاں شراب ہی موجود نہ ہو۔ پس تم پھول کی خوشبو سے پھول کے وجود پر بغیر دیکھے دلیل قائم کرتے ہو اور کسی کو جوش شراب اور نشہ میں دیکھ کر بغیر دیکھے شراب کے وجود پر یقین کر لیتے ہو۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ان مثالوں کے علاوہ دنیا میں اور بھی سینکڑوں نظائر موجود ہیں جہاں بغیر دیکھے محض آثار و علامات سے تم ان کا وجود تسلیم کرتے ہو مثلاً کہتے ہو کہ خدا کی قسم آج میرے دل میں بڑی خوشی ہے اور کبھی کہتے ہو کہ خدا کی قسم آج مجھے بڑا غصہ آرہا ہے، کبھی کہتے ہو کہ خدا کی قسم آج میرے دل میں بہت غم ہے اور کبھی کہتے ہو کہ فلاں شخص پر آج مجھے بہت رحم آرہا ہے۔ قسمیں اٹھا رہے ہو لیکن بتاؤ کہ کیا کسی نے کبھی خوشی دیکھی ہے کہ یہ ہوتی کیسی ہے، نیلی ہوتی ہے کہ پھلی ہوتی ہے اور غم کیسا ہوتا ہے اور کبھی غصہ کو کسی نے دیکھا ہے کہ کس ہیئت اور کس شکل کا ہوتا ہے۔ محض علامات سے آنکھوں کے مشاہدہ کے بغیر ان کے وجود پر ایمان لاتے ہو۔ چہرہ کے تبسم سے دل کی خوشی اور چہرہ کی افسردگی اور اشکبار آنکھوں سے غم کا وجود تسلیم کرتے ہو۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے وجود پر خود تمہارا جسم شاہد ہے اور عالم کا ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ زمین و آسمان، سورج اور چاند، دریا و پہاڑ، نجوم و سیارات، انقلاب موسم و

تصریفِ ریح یعنی کرہ ہوا میں نیچی تصرف کہ ہزاروں میل کی رفتار سے ایک سمت کو چلتی ہوئی ہوا کے رُخ کا آن واحد میں دوسری سمت کو ہو جانا اور کروڑوں ٹن پانی کا بادلوں کے کندھوں پر فضا میں معلق ہونا اور ماہرینِ موسم کے اندازوں کے خلاف بادلوں کا ایسے مقامات پر برسا جہاں بارش کا احتمال بھی نہیں ہوتا کیا یہ سب نشانیاں حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت نہیں کرتیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں مخفی موجودات پر محض ان کے آثار و علامات سے ایمان بالغیب لانے والو! آہ اللہ پر ایمان لانے میں تمہاری عقل کہاں چلی جاتی ہے جب کہ سارے عالم میں ان کی نشانیاں اس طرح روشن ہیں جیسے آفتاب پر اس کی روشنی دلیل ہے۔ فرماتے ہیں۔

خود نباشد آفتابے را دلیل
جز کہ نور آفتاب مستطیل

آسمان پر چمکتے ہوئے آفتاب کے وجود پر خود اس کی روشنی دلیل ہے

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلالت باید ازوے رو متاب

آفتاب کا طلوع خود اس کے وجود کی دلیل ہے اگر کوئی نادان اس کے وجود کا انکار کرتا ہے اور دلیل طلب کرتا ہے تو اس کا چہرہ آفتاب کی

طرف کردو اور کہو کہ اب اس سے اپنا منہ کیوں پھیرتا ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ہمارے جسم کے اندر اور باہر کائنات میں اپنی اس قدر نشانیاں رکھ دی ہیں جو اظہر من الشمس ہیں تاکہ کل قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یا اللہ آپ پر ایمان بالغیب لانا بہت مشکل تھا۔

یہ ہیں مثنوی کے علوم جن پر ساری دنیا کے علماء وجد کرتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا نصیحت فرماتے ہیں ۔

گر تو اور امی نہ بنی در نظر
فہم کن اما بہ اظہار اثر

اگر اس دنیا میں تم اللہ تعالیٰ کو اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہو لیکن ان کی مخلوقات اور نشانیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کر سکتے ہو کہ اس کی مصنوعات و آثار و نشانیاں سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ، سمندروں کا ایک ایک قطرہ، درختوں کا ایک ایک پتہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی خبر دیتا ہے۔ اسی لئے ایمان والوں کی شان اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں

﴿يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾

بیان فرمائی کہ ہمارے خاص بندے آسمانوں اور زمینوں میں تفکر کرتے

ہیں چونکہ اس عالم ناسوت میں ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے کیونکہ یہ عالم محدود ہے اور حق تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے اور غیر محدود محدود میں کیسے آسکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس عالم میں اپنے آپ کو دکھادیں تو سارا عالم فنا ہو جائے کیونکہ اس عالم کی تخلیق مادہ سے ہوئی ہے اور مادہ میں مشاہدہ تجلیات الہیہ کا تحمل نہیں۔ اسی لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

تَفَكَّرُوا فِي خَلْقِ اللَّهِ وَلَا تَتَفَكَّرُوا
فِي اللَّهِ فَإِنَّكُمْ لَم تَقْدِرُوا قَدْرَهُ

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرو، اللہ کی ذات میں غور مت کرو کیونکہ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ تمہاری عقل محدود اس ذات غیر محدود کے احاطہ سے قاصر ہے، فہم محدود میں ذات غیر محدود کا ادراک محال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرو کیونکہ تم بھی مخلوق ہو اور یہ عالم بھی مخلوق ہے اور مخلوق کی رسائی مخلوق تک ہو سکتی ہے کہ کائنات کے عجائبات کو دیکھ کر اور ان میں غور کر کے تم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کرانے کے لئے یہ عالم پیدا فرمایا ہے۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالم علم سے جس کے معنی ہیں نشانی۔ پس سارا عالم ان کی نشانی ہے، اس عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنی نشانیاں بکھیر دیں تاکہ میری نشانیوں میں تم مجھ کو پا جاؤ۔ اسی کو مولانا صفر

گوئندی فرماتے ہیں ۔

میرے سوال و صل پہ پیہم سکوت ہے
بکھرا دئے ہیں کچھ مہمہ و انجم جواب میں

یہ عالم عالم امتحان ہے اس لئے اپنی نشانیاں ظاہر فرما دیں اور ان
نشانوں کے پردے میں خود کو چھپا دیا تاکہ امتحان باقی رہے اور اہل
عقل اور اہل نظر ان نشانوں کو دیکھ کر ہم پر فدا ہو جائیں ۔ مولانا اصغر
گوئندی فرماتے ہیں ۔

ردائے لالہ و گل پردہ مہمہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے

یہاں حق تعالیٰ ہم سے ایمان بالغیب چاہتے ہیں ۔ مولانا رومی حق تعالیٰ
کی طرف سے حکایت فرماتے ہیں ۔

یومنون بالغیب می باید مرا
تا بہ بستم روزن فانی سرا

اے میرے بندو! میں تم سے ایمان بالغیب چاہتا ہوں لہذا اس عالم فانی
میں میں نے کوئی سوراخ اور دریچہ نہیں رکھا جس سے تم مجھے دیکھ
سکو۔

میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

تھے کہ اس عالم میں ایمان بالغیب اور اعمالِ صالحہ سے ہماری آنکھیں بنائی جا رہی ہیں اور جب آنکھیں بنائی جاتی ہیں تو آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے، کچھ نظر نہیں آتا، آخرت میں یہ پٹی ہٹا دی جائے گی اور آنکھیں کھول دی جائیں گی اور وہاں ان آنکھوں میں اللہ تعالیٰ مشاہدہ تجلیات الہیہ کی صلاحیت پیدا فرما دیں گے۔ اور حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ حدیث احسان میں ہے اَلْ نُّعْبُدُ اللّٰهَ كَمَا نَنْتَظِرُہُ۔۔۔ الخ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ تو فرماتے تھے کہ اس دنیا میں كَمَا نَنْتَظِرُہُ رہے گا کیونکہ یہاں آنکھیں بنائی جا رہی ہیں جنت میں كَمَا نَنْتَظِرُہُ کے کاف کی پٹی ہٹا دی جائے گی وہاں اُنك سے دیکھو گے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر اس دنیا میں پردہ عالم غیب اٹھا دیا جاتا تو مشاہدہ امور غیب سے انتظام معاش درہم برہم ہو جاتا اور پھر امتحان بھی نہ رہتا تو اہل ایمان کو جزا اور اہل طغیان کو سزا کس چیز پر ملتی۔ ایمان بالغیب کی بعض حکمتیں حق تعالیٰ نے انسان کی عقل کو عطا فرمائیں لیکن پوری حکمت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔



مجلس درس مثنوی

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۹۸ء بروز دوشنبہ بوقت
ساڑھے چھ بجے صبح بمقام خانقاہ الدلویہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

گر بہر زخمی تو پر کینہ شوی
پس چرا بے صیقل آئینہ شوی

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں کہ
اگر شیخ کی ہر ڈانٹ سے تم پر کینہ ہو گئے یعنی تمہارے اندر کینہ بھر گیا
کہ بھئی یہ تو بڑے سخت ہیں جب دیکھو لتاڑتے رہتے ہیں تو سنو شیخ
یوں ہی نہیں لتاڑتا، پہلے تاڑتا ہے کہ مرید کے اندر کیا مرض ہے پھر
اسی تاڑ کے مطابق لتاڑ آتی ہے۔ میری اردو میں اللہ تعالیٰ نے لذت
دی ہے کہ الحمد للہ میری تقریر میں کوئی گھبراتا نہیں ہے۔ یہ اللہ
تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میری تقریر کو اللہ تعالیٰ نے لذت بخشی۔ تو شیخ
پہلے مرض کو تاڑتا ہے پھر اسی تاڑ کے مطابق لتاڑتا ہے اور بعد میں
مرہم بھی لگاتا ہے۔ جو زخم ڈالتا ہے وہ مرہم بھی دیتا ہے۔

درد از یار است و درماں نیز ہم

دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

میرے دل و جاں شیخ پر قربان ہوں کہ جو درد دیتا ہے وہ درماں اور علاج بھی کرتا ہے کیونکہ شیخ کی ڈانٹ بھی اللہ کے لئے ہوتی ہے تاکہ مرض جاتا رہے ، طبیب کا نشتر مواد اور فاسد مادہ کو خارج کرنے کے لئے ہوتا ہے ورنہ ہر اللہ والے کے دل میں اپنے مریدین کا اکرام ہوتا ہے ۔ جب اللہ والے ڈانٹتے ہیں تو بعد میں اس کے لئے دعائیں بھی بہت کرتے ہیں اور اس کی تلافی بھی کرتے ہیں تاکہ دوسروں کے دل میں اس کی عزت بڑھ جائے جیسے حضرت حکیم الامت نے خواجہ صاحب کو ڈانٹا اور اگلے دن صبح خواجہ صاحب سے فرمایا کہ خواجہ صاحب آپ میرے ساتھ ٹہلنے چلیں گے جبکہ حضرت سیر کے لئے کسی کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے ۔ یہ خواجہ صاحب کا خصوصی اکرام تھا۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ شیخ کی ڈانٹ سے اگر تم پر کینہ ہو جاؤ گے تو بغیر قلعی تمہارا دل کیسے آئینہ بنے گا ۔

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل

کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل



خوش سلامت ما بہ ساحل با زبر

اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

اِنَّ شَدَّ فَرْصَايَاكَ جِهًا دَرِيَا اور سمندر ختم ہوتا ہے
 اس کو ساحل کہتے ہیں یعنی کنارہ۔ مولانا دعا فرما رہے ہیں کہ اے خدا
 ہم کو سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچا دیجئے یعنی اپنے راستہ میں نفس
 و شیطان کے طوفانوں سے بچاتے ہوئے ہماری کشتی کو عافیت و سلامتی
 کے ساتھ کنارے لگا دیجئے تاکہ ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو جائے اور ہماری
 کشتی ایمان و تقویٰ پار ہو جائے اور آپ راضی ہو جائیں۔

اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

اور یہ دوسرا مصرع موقع علت میں ہے کہ یہ فریاد ہم آپ سے کیوں
 کرتے ہیں؟ کیونکہ خشکی پر بھی حکومت آپ کی ہے اور دریا اور سمندر
 بھی آپ کے دستِ قدرت کے تحت ہیں۔ عربی میں ید کے معنی
 قدرت کے آتے ہیں جیسے بِيَدِ الْمَلِكِ کیونکہ طاقت کا استعمال ہاتھوں
 سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے عربی زبان میں طاقت و قدرت کو ید سے
 بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

مولانا عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ آپ کا دستِ قدرت خشکی
 اور سمندر ہر جگہ پہنچا ہوا ہے، خشکی پر بھی آپ ہم کو سلامت رکھ
 سکتے ہیں اور دریا میں ڈوبی ہوئی کشتی کو بھی پار کر سکتے ہیں، بحر و بر
 آپ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ دنیا دو حصوں ہی میں تقسیم ہے،
 مخلوق یا بحری ہوگی یا برسی ہوگی اب اگر کوئی کہے کہ پہاڑی مخلوق بھی تو

ہے۔ تو پہاڑ بھی خشکی میں داخل ہیں۔ پس بحر و بر پر آپ ہی کی حکومت ہے اس لئے ہم کو دونوں جگہ عافیت سے رکھئے۔

کاہلم چوں آفریدی اے ملی
روزیم دم زراہِ کاہلی

اے خدا جب آپ نے مجھے کاہل یعنی کمزور پیدا کیا ہے کہ دنیا کے کاموں میں میرا دل نہیں لگتا تو مجھ کو روزی بھی آسان راستے سے عطا فرمائیے۔

ہر کہ را پاہست جوید روزے
ہر کہ را پانہست کن دل سوزے

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ نے پاؤں دئے ہیں، قوت و طاقت عطا فرمائی ہے وہ چل پھر کر تلاشِ روزی کرے اور جو بے دست و پا ہے وہ نالہ و فریاد میں دل سوزی کرے۔

چوں زمیں را پانہ باشد جود تو
ابر را راند بسوئے اود تو

اے اللہ جب آپ نے زمین کو پاؤں نہیں دئے تو آپ کا جود و کرم بادلوں کو مسخر کر کے وہاں بھیجتا ہے کہ جاؤ اس پیاسی زمین پر بارش

برسادیو۔

طفل را چو پا نباشد مادرش
آید و ریزد وظیفہ بر سرش

جب دودھ پیتا بچہ پاؤں سے چلنے کے قابل نہیں ہوتا، چل کر ماں کے پاس نہیں جاسکتا تو آپ کا کرم ماں کے دل میں ممتا اور شفقت کا جوش پیدا کرتا ہے اور ماں خود اس کے پاس آتی ہے اور اس کی خوراک اس کو پہنچاتی ہے یعنی اس کو دودھ پلاتی ہے۔

روزئے خواہم بناگہ بے تعب
کہ نہ دارم من ز کوشش جز طلب

اے اللہ ہم آپ سے اس چھوٹے بچہ کی سی روزی مانگتے ہیں جو اچانک اور بے گمان و بے مشقت غیبی طور پر مل جائے کیونکہ ہم کمزور و بے دست و پا ہیں، محنت و مشقت کے قابل نہیں اس لئے آپ سے مانگتے ہیں اور دعا و طلب میں آہ و دل سوزی کرتے ہیں۔

لیکن ان اشعار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مولانا رومی ہم کو دنیا سے ناکارہ، کابل اور لپانج بننے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ مولانا کی مراد اس سے یہ ہے کہ اہل اللہ تفویض و توکل و فنایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں اور انہماک فی الدنیا نہ ہونے سے عوام ان کو کابل سمجھتے

ہیں جیسے بعض اہل دنیا بھی کابل ہوتے ہیں۔ دونوں کی ظاہری صورت ایک سی معلوم ہوتی ہے لیکن اہل دنیا کی کابلی اور اہل آخرت کی کابلی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل دنیا کی کابلی نفس کی راحت پسندی اور آرام طلبی کے سبب ہوتی ہے اور اہل آخرت کی کابلی اسباب دنیا میں انہماک نہ ہونے سے ہوتی ہے جس کا سبب تفویض و توکل اور اپنے ارادوں کو مرضیات الہیہ میں فنا کر دینا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

کابلی را کردہ اند ایشاں سند

کار ایشاں را چوں یزداں می کند

عارفین نے تفویض و توکل کو جو بظاہر کابلی نظر آتی ہے اپنا سہارا اس لئے بنا لیا ہے کہ ان کے کام اللہ تعالیٰ کر دیتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں :

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾

جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے کاموں میں آسانی فرمادیتے ہیں وَ يَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

کار دنیا را زکل کابل تراند در ره عقبی زمره گو می برند

اب مولانا اہل دنیا اور اہل آخرت کی کابلی کا فرق بیان کرتے ہیں جس سے اہل دنیا کی کابلی کا مذموم ہونا اور اہل آخرت کی کابلی کا محمود ہونا ثابت فرماتے ہیں کہ اللہ والے دنیا کے کاموں میں تو کابل نظر آتے ہیں مگر آخرت کے کاموں میں وہ ایسے عالی حوصلہ، مستعد اور سرگرم ہیں کہ اپنی رفتار سے چاند پر بھی سبقت لے جاتے ہیں یعنی امتثال اوامر الہیہ اور اجتناب عن المعاصی میں ان کی سرگرمی و جانبازی کا اہل دنیا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ اہل دنیا کو اعمال آخرت کی اہمیت نہیں اس لئے دنیا میں منہمک نہ دیکھ کر وہ اہل اللہ کو کابل سمجھتے ہیں۔ اعمال کی بنیاد اور اساس دراصل یقین پر ہے۔ اہل دنیا چونکہ دنیا پر یقین رکھتے ہیں اس لئے دنیا کے اعمال میں وہ سرگرم و مستعد ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ایک شخص اپنی فیکٹری اور کارخانے کے لئے ساری رات جاگتا ہے، یہ مشقت اسے آسان ہے لیکن دو رکعت پڑھنا بھاری ہیں اور اہل آخرت کو کیونکہ آخرت پر یقین ہے اس لئے یہ یقین ان کو سرگرم اعمال آخرت رکھتا ہے اور دنیا کے کاموں میں منہمک نہیں ہونے دیتا کیونکہ دنیا کی حقارت و فنایت کا یقین ان کو ہمہ وقت مستحضر رہتا ہے۔ اسی لئے اہل دنیا ان پر کابلی کا الزام لگاتے ہیں لیکن موت

کے وقت دونوں قسم کے اعمال کی سرگرمیوں کا انجام نظر آجائے گا کہ کون کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے اور کون ناکامی کے گڑھے میں گر رہا ہے۔

فَسَوْفَ تَرَىٰ إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ

أَفَرَسَ تَحْتَ رَجْلِكَ أَمَ حِمَارُ

غفقریب دیکھ لو گے جب غبار چھٹے گا کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر۔ اس وقت اہل آخرت کی خوشی کی اور اہل دنیا کے غم کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

پس اہل آخرت یعنی اہل تقویٰ بن جاؤ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آپ کو روزی مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ملے گی یعنی ایسی جگہ سے ملے گی کہ آپ کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ اس کے لئے نہ اسمبلی کی ممبری کے لئے الیکشن لڑنا ضروری ہے نہ زکوٰۃ کمیٹی کی چیرمینی حاصل کرنے کی کوشش ضروری ہے کہ یہ سب دنیا داری ہے۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ دیکھو اپنے اپنے طریقے ہیں جس کو جہاں فائدہ نظر آئے وہ اُسی طرف چلا جائے لیکن ہمارے بزرگوں کا جو طریقہ ہے وہ اتنا حساس ہے کہ اس کے ساتھ سیاست جمع نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے یہاں لکھا ہوا ہے کہ حدود خانقاہ اور حدود مدرسہ میں سیاسی گفتگو منع ہے۔ اگر کسی کو سیاست کے طریقوں سے مناسبت ہے اور اس کو اس بارے میں شرح صدر ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہی

میرے لئے مفید بھی ہے اور ضروری بھی ہے تو وہ مجھ سے برادرانہ
تعلق رکھے لیکن مربیانہ و شاگردی کا تعلق نہ رکھے کیونکہ ہمارے
بزرگوں نے منع کیا ہے کہ ہم اہل سیاست میں سے ہوں۔ لہذا ایک
راستہ اختیار کرو۔ دو مسلک پر بیک وقت کوئی نہیں چل سکتا، ایک
ٹانگ ایک کشتی پر دوسری ٹانگ دوسری کشتی پر نہ رکھو ورنہ انجام ظاہر
ہے۔ جو مسلک تمہاری سمجھ میں آئے اس پر چلے جاؤ۔ اگر اہل سیاست
سے مناسبت ہے تو اُدھر چلے جاؤ اور اگر خالص اہل اللہ کے راستہ سے
یعنی شعبہ تربیت و اصلاح اور شعبہ تزکیہ نفس پر یقین ہے تو اُدھر
آجاؤ اور پھر اُدھر نہ جاؤ اور اس طبقہ کا نام اہل عشق و اہل محبت ہے۔
اس طبقے میں جلال الدین رومی، شمس الدین تبریزی، جنید بغدادی، بابا
فرید الدین عطار، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، شیخ عبدالقادر جیلانی،
شہاب الدین سہروردی، شیخ بہاء الدین نقشبندی اور دوسرے ہزاروں
اولیاء اللہ ہیں، یہ طبقہ عاشقوں کا ہے۔ اس طبقہ کا نام اختر نے رکھا
ہے عاشق عشق و مستی، ناواقف انتظامِ ہستی۔ انتظامِ ہستی سے مناسبت
ہے تو وہاں چلے جاؤ لیکن اگر اللہ کی محبت سیکھنی ہو تو اہل اللہ کے پاس
چلے آؤ لیکن پھر تمہیں اہل دنیا کی کرسی کھینچنے کے لئے ایکشن لڑنے کی
اجازت نہ ہوگی کیونکہ ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کرسی
والوں کی تربیت کریں گے، ان کی کرسی چھیننے کی کوشش نہیں کریں
گے پھر وہ ہماری سنتے ہیں اور جب ہم ان کی کرسی کھینچتے ہیں تو پھر وہ

گالیاں دیتے ہیں۔ جس مولوی کو گالیاں ملیں گی تو اس سے قرآن و حدیث کون سیکھے گا؟ کرسی کھینچنا اور بے اور کرسی والوں کی تربیت کرنا اور ہے۔ ہمارے حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ تھا کہ جو اہل حکومت ہیں ان کو دین پہنچاؤ اور ان کی تربیت کرو جتنا تم سے ہو سکے لیکن اگر تم ان کا مقابلہ کرو گے اور جھنڈا لے کر ان کی کرسی چھیننے کی کوشش کرو گے تو پھر وہ تم کو مولوی صاحب نہیں کہیں گے مولیٰ صاحب کہیں گے، تمہاری تضحیک و اہانت کریں گے یہاں تک کہ مار پٹائی ہو جاتی ہے اور یہ کوئی سنی سنائی بات نہیں ہے مشاہدات ہیں۔ اخباروں میں دیکھا جاتا ہے کہ مولانا صاحب کو پولیس والے کھینچ رہے ہیں، ڈنڈے مارے جارہے ہیں، لاشی چارج ہو رہی ہے۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں یا جہاد ہے یا صبر۔ اگر قوت ہے اور قوت بھی وہ جس کو شریعت قوت کہتی ہے تو جہاد کرو اور قوت نہیں ہے تو صبر کرو۔ یہ لاشیاں کھانا، جتنے جلوس نکالنا، نعرے مارنا، بھوک ہڑتال کرنا، جیل جانا یہ دین نہیں ہے، یہ تو یہود و نصاریٰ کے نکالے ہوئے طریقے ہیں ورنہ بتائیے پہلے بھی بہت ظالم بادشاہ ہوئے ہیں لیکن کوئی ایک مثال دے دو کہ کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا سلف صالحین میں کسی نے بھوک ہڑتال کی ہو یا جلوس نکالے ہوں یا نعرے مار کر لاشیاں کھائی ہوں۔ یہ سب یورپ کی ایجاد ہے اور تعجب یہ ہے

کہ جو لوگ یورپ دشمنی کے علمبردار ہیں وہ ان طریقوں کو اپنا کر یورپ کی اتباع کرتے ہیں اور دین کے احکام کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اسی لئے ایک مشہور پادری نے کہا تھا کہ جو لوگ سیاسی تحریکات میں ہیں ان سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اپنے حصول مقصد کے لئے وہ ہمارے ہی طریقوں کو اپنا رہے ہیں اور حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی کے بارے میں کہا کہ ہمارا اصل دشمن یہ شخص ہے کہ کسی بڑی سے بڑی مصلحت کی خاطر وہ اپنے دین کے ادنیٰ سے ادنیٰ حکم کو نہیں چھوڑتا۔

غرض جو عالم سیاست میں پڑا پھر اس سے دین کا کام نہیں لیا جاتا کیونکہ عوام دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب ڈنڈے کھا رہے ہیں اور نعرے لگا رہے ہیں تو ان کے دل سے ایسے عالم کی عظمت نکل جاتی ہے، جب عالم کی بے قدری ہوگی تو کون اس سے دین سیکھے گا۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگ کرسی کی وجہ سے مخالف ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے کبھی دین نہیں سیکھتے۔ اس لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ جو شیخ کے منصب پر فائز ہو اس کو لوگوں کے درمیان فیصلے بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ فیصلہ کسی کے حق میں ہوگا تو کسی کے خلاف ہوگا اور جس کے خلاف ہوگا وہ کبھی تم سے دین نہیں سیکھے گا، نہ تم سے اصلاح لے گا، نہ تربیت چاہے گا۔ اپنے بزرگوں کا یہ راستہ ہے، یہ راستہ بالکل تقویٰ کا ہے اور وہ راستہ لقوہ کا ہے جہاں کوئی پردہ نہیں،

تصویر بھی کھینچواؤ، بڑے بڑے اشتہار لگاؤ کہ فلاں مولانا صاحب انکیشن میں کھڑے ہیں داڑھی لئے ہوئے اور فلاں مولانا صاحب نا محرم عورتوں سے سیاسی مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو وہی رنگ پسند ہے تو ہم اس کو نہیں روکتے مگر پھر مجھ سے تعلق نہ رکھے کیونکہ یہ ہمارا راستہ بہت حساس راستہ ہے، اللہ کی محبت کا مضمون اتنا حساس اور اتنا وسیع ہے کہ یہ چندے بازی کے ساتھ بھی جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شیخ تقریر کے بعد مسجد میں کہے کہ صاحبو! میرا مدرسہ ہے آپ لوگ چندے نکالو تو پھر اس کی تقریر دوبارہ لوگ سنیں گے بھی نہیں۔ اور اس کی تقریر کا سارا اثر ختم ہو جائے گا پس اگر اللہ والا بننا ہے تو اللہ والوں کے راستہ پر چلنا پڑے گا کیونکہ۔

مستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہو کر تیرے دیوانے گئے
لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے
آہ کو نسبت ہے کچھ عشاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے

رہ گیا پیٹ کا مسئلہ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جو پیٹ بنا سکتا ہے وہ روٹی بھی کھلا سکتا ہے، جو سر بنا سکتا ہے وہ ٹوپی بھی پہنا سکتا ہے۔

پیٹ مہنگا ہے یا بوٹی، سر زیادہ مہنگا ہے یا ٹوپی۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ نادانوں کو ایسا رزق دیتا ہے کہ بڑے بڑے دانشور محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ اس کو شیخ سعدی نے فرمایا۔

بہ ناداں آہنچاں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیراں بماند

مولانا نے ایک مجذوب کا قصہ لکھا ہے کہ وہ یہی دعا مانگا کرتا تھا کہ اللہ میاں مجھ کو بغیر محنت مشقت کے روزی عطا فرمائیے اور جب نہیں پاتا تھا تو کچھ کام کاج بھی کر لیتا تھا کہ شاید اللہ کو یہی منظور ہے کہ رگڑے کھلا کر روزی دیں گے۔ مگر مانگتا ہی رہتا تھا۔ تین سال کے بعد ایک دن ایک گائے اس کے گھر میں گھس آئی اس نے کہا کہ بس آج میری روزی آگئی۔ بھولا بھالا سیدھا سادا سا تھا اس کو یقین آگیا کہ میری تین سال کی دعا آج قبول ہوگئی بس فوراً دروازہ بند کیا، گائے ذبح کی اور اس کی دست اور ٹانگ کو دیوار پر ٹانگ دیا اور روزانہ تھوڑا تھوڑا کاٹ کر کھاتا تھا۔ جس کی گائے تھی وہ تلاش کرتے کرتے ایک دن اس کے گھر میں آگیا اور دیکھا کہ گائے کے دست و بازو ننگے ہوئے ہیں اور مجذوب آرام سے کھا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ کس کی گائے ہے؟ مجذوب نے کہا ہمیں کیا معلوم، ہم تو تین سال سے مانگ رہے تھے کہ اللہ میاں ہمیں خود بخود روزی دے دیجئے تو یہ گائے خود

بخود آگئی۔ گائے والے نے عدالت میں مقدمہ کر دیا۔ جج نے دیکھا کہ یہ آدمی سیدھا سادا ہے، یہ چوری نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ کوئی خاص معاملہ ہے۔ اس نے تحقیقات کے لئے جاسوس لگا دئے کہ معلوم کرو کہ اس گائے پر اس کا کوئی شرعی حق تو نہیں بنتا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس کے دادا کا حق گائے والے کے دادا نے مار لیا تھا، گائے دراصل اس کے دادا کا ترکہ تھی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بھولے بھالے بندوں کو اس طرح روزی دیتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ کی بات نہیں ہے۔ وہ مجذوب بھولا بھالا تھا، غیر مکلف تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کا حق اس طرح دلا دیا لیکن ہر شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ بدون دلیل شرعی دوسرے کی گائے ذبح کر ڈالے یعنی دوسرے کی چیز ہتھیالے اور اپنے نفس کو فریب دے کہ اس میں میرے باپ دادا کا حصہ ہوگا۔ عقل و فہم والوں کے احکام الگ ہیں اور سیدھے سادے مجذوبوں کے احکام الگ ہیں۔

موسیا آداب دانا دیگر اند

سوختہ جانے روانا دیگر اند

مولانا رومی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چرواہے کے قصہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت فرماتے ہیں کہ اے موسیٰ اہل ہوش و خرد

کے لئے آداب دوسرے ہیں اور میرے بھولے بھالے بندے جو مجذوب ہو گئے ان کے آداب اور ہیں۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ مجاذیب کی عقل عام عقول کی بہ نسبت ذرا سی کم کردی جاتی ہے جس سے وہ احکام کے مکلف نہیں رہتے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ہوتے ہیں۔ عام آدمیوں کو غیر مکلف کی نقل جائز نہیں، ان کو احکام شریعت کی اتباع ضروری ہے۔

ارشاد فرمایا کہ چونکہ آج کل بنگلہ دیش سے مہمان آئے ہوئے ہیں اور مچھلیاں اہل بنگال کی معشوق ہیں تو میں نے سوچا کہ ان کی خاطر سے ایک شعر مچھلی والا پیش کر دوں کیونکہ وہ مہمان ہیں اور مہمان کا اکرام کرنا چاہئے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس شعر کو بہت پسند فرماتے تھے کہ۔

دائم اندر آب کار ماہی است

مار را با او کجا ہمراہی است

ہر وقت پانی میں رہنا مچھلیوں کا کام ہے، ہر وقت باخدا رہنا، ہر وقت اللہ کی مرضی پر چلنا، ہر وقت اللہ پر اپنی جان فدا کرنا یہ اللہ والوں کا کام ہے۔ پانی چاہے کتنا ہی ٹھنڈا اور بخ ہو آپ نے کبھی کسی مچھلی کو کھانتے ہوئے نہیں سنا ہوگا۔ پانی ٹھنڈا ہو یا گرم ہو مچھلی پانی ہی میں

رہے گی۔ سانپ کو یہ مقام کہاں مل سکتا ہے کہ مچھلیوں کا ساتھ دے اور ہر وقت پانی میں رہے۔ کچھ دیر تو وہ پانی میں رہے گا لیکن پھر خشکی میں آکر بدن کو سکھائے گا کیونکہ سانپ میں زہر ہے اور مچھلیوں میں زہر نہیں ہے۔ مولانا کا اشارہ یہ ہے کہ تمہارا دل جو اللہ کے قرب کے راستہ میں نہیں لگ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے اندر گناہوں کا زہر موجود ہے، تم مثل سانپ کے ہو، مولانا فرماتے ہیں تم گناہوں کی اور اخلاقِ رذیلہ کے زہر کی قحطی نکلوا دو اور مچھلی پن سیکھو، اخلاقِ ماہیاں سیکھو یعنی اللہ والوں کے اخلاق سیکھو پھر تمہیں اللہ کے دریائے قرب کے علاوہ کہیں مزہ نہیں آئے گا، پھر اللہ کی محبت کے کاروبار کے سوا کہیں تمہارا دل نہیں لگے گا۔ لیکن سانپ میں مچھلی پن خود بخود نہیں آسکتا، غافل اور نافرمان دل اللہ والا دل خود بخود نہیں بن سکتا، سیکھا جاتا ہے۔ اللہ والا وہی ہوتا ہے جو ایک زمانہ تک کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اللہ کی محبت سیکھتا ہے۔ چاہے دس سال تک کسی مدرسہ میں رہ لو، چاہے دس سال تک دین کی محنت میں چلے لگا لو، چاہے کبھی کبھار کسی بزرگ کی صحبت میں بھی جاتے رہو لیکن اللہ نہیں ملے گا جب تک کہ ایک زمانہ ہمہ وقت کسی اللہ والے کی صحبت میں نہ رہو گے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسے انڈیا کیس دن تک مسلسل مرغی کے پروں کے نیچے گرمی لیتا ہے پھر اس میں روح آجاتی ہے اسی طرح زندگی میں

ایک بار کم از کم چالیس دن مسلسل کسی اللہ والے کی صحبت میں بہ نیت اصلاح رہ لو ان شاء اللہ حیاتِ ایمانی اور نسبت مع اللہ علیٰ سطح الولاية نصیب ہو جائے گی لیکن جس طرح انڈے کے لئے مرغی کے پروں کے نیچے اکیس دن کا تسلسل ضروری ہے کہ اگر مرغی کو اچانک کشمیر یا فیصل آباد یا سکھر جانا پڑا تو انڈوں کو بھی ساتھ جانا پڑے گا ورنہ مرغی اور انڈے میں فصل ہو جائے گا تو انڈے میں حیات نہیں آئے گی۔ معلوم ہوا کہ صحبت میں تسلسل ضروری ہے اسی طرح کم سے کم چالیس دن تک کسی شیخ کے ساتھ رہ لو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اصلاح کی نیت ہو، ارادہ ہو، یُرِيدُونَ وَجْهَهُ ہو۔ اگر اللہ مراد ہوگا تو اللہ ضرور ملے گا اور جب اللہ مراد ہوگا تو اِذَا ثَبِتَ الشَّيْءُ ثَبِتَ بِلَوْ اِزْمَہ ہر شئی اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ جب اللہ مراد ہوگا تو اللہ کو خوش کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دے گا اور حرام لذتوں سے اپنے قلب و جان کی حفاظت کرے گا اور بد پرہیزی نہیں کرے گا۔ جب مریض کا ارادہ پکا ہو جائے کہ شفا حاصل کرنی ہے تو ڈاکٹر جن جن چیزوں کا پرہیز بتائے گا ہرگز نہیں کھائے گا۔ اگر پیش لگی ہوئی ہے، دست پر دست آرہے ہیں اور ڈاکٹر نے کہا کہ نہاری پایہ اور مرچ والی چیزیں اور کباب وغیرہ مت کھانا تو اگر وہ عاشقِ کباب بھی ہے اور عاشقِ نہاری بھی ہے لیکن اگر صحت اس کی مراد ہے تو سب کا اہتمام کر گے مالا ما علیہ سب سے بچے گا۔ ایسے ہی جب اللہ تعالیٰ

مطلوب ہوتا ہے تو وہ شخص بد پرہیزی نہیں کرتا اور گناہوں سے بچنے میں ہر تکلیف اٹھا لیتا ہے جس کی برکت سے سانپ خصلت بھی مچھلی ہو جاتا ہے اور ہر وقت حق تعالیٰ کے دریائے قرب میں غرق رہتا ہے۔
مولانا رومی نے اللہ والوں کی شان میں فرمایا کہ ۔

ماہیان قعر دریائے جلال

یہ اللہ والے حق تعالیٰ کے دریائے قرب کی گہرائی کی مچھلیاں ہیں۔ جو مچھلیاں پانی کی اوپری سطح پر رہتی ہیں سورج کی گرمی سے پریشان ہو جاتی ہیں اور جو دریا کی گہرائی میں رہتی ہیں سورج کی تمازت سے محفوظ رہتی ہیں اسی طرح خاصانِ خدا عبادت و ذکر و تلاوت اور گناہوں سے حفاظت کی برکت سے غرق فی النور ہوتے ہیں اور گناہوں کی گرمی سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جعلی پیر جو حقیقت میں سانپ ہیں لیکن بظاہر مچھلی بنے ہوئے ہیں وہ ہر وقت دریائے قرب میں نہیں رہ سکتے۔ کچھ دیر مریدوں کو دکھانے کے لئے اور ان سے دنیا بٹورنے کے لئے ان کے سامنے اللہ اللہ کرتے ہیں لیکن جب اپنی تنہائیوں میں جاتے ہیں تو تاش کھیلتے ہیں چرس پیتے ہیں۔
چوں مخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

ان کی مثال سانپ کی سی ہے جو کچھ دیر پانی میں مچھلی پن دکھاتا ہے پھر گھبرا کر پانی سے نکل کر خشکی میں اپنا جسم سکھاتا ہے۔

مجلس درس مثنوی

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۹۹۸ء بوقت ساڑھے چھ بجے
صبح بروز سہ شنبہ (منگل) بمقام خانقاہ امدادیہ اشرافیہ گلشن اقبال ۲ کراچی

گر مرادت را مذاق شکر است

نامرادی ہم مراد دلبر است

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ تیری مراد میں اگرچہ مٹھاس اور ذائقہ
و لذت شکر کی سی ہے اور تیری وہ مراد اور آرزو تیرے لئے چینی کی
طرح میٹھی ہے لیکن اللہ نے تجھ کو جو نامراد رکھا یہ اللہ تعالیٰ کی مراد
ہے اور وہ تیرا دلبر اور محبوب ہے اور محبوب کی مراد پر عاشق کو اپنی
مراد کو فدا کر دینا چاہئے۔ لہذا راضی برضا رہو اور جیسے رکھیں ویسے
رہو، اگر اللہ تعالیٰ نامراد رکھتا ہے تو اسی میں راضی رہو۔ تجھ کو جو
نامراد رکھا تو اگرچہ تیری مراد پوری نہیں ہوئی لیکن اللہ کی مراد تو
پوری ہوئی۔ پس اللہ کی مراد بہتر ہے یا تیری مراد بہتر ہے۔ پھر اللہ
کی مراد سے کیوں خوش نہیں رہتا جو علیم و خبیر ہے تیرے مزاج سے
واقف ہے۔ اگر اللہ تیری مراد پوری کر دیتا تو تو اسی میں مست رہتا

اور اللہ کو یاد بھی نہ کرتا ، نہ دین کا کام کرتا ، نہ کہیں دعوت الی اللہ کے لئے جاتا ، نہ کہیں تقریر کرتا ۔

میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بزرگ تھے وہ مقام نامرادیت پر فائز تھے ، وہ اللہ کی مراد تھے۔ جب اللہ کسی کو اپنا بناتا ہے تو غیر کا نہیں ہونے دیتا ، اس کے ہر ارادہ میں خلل اندازی کرتا ہے کہ تیری مراد پوری نہیں ہونے دوں گا کیونکہ تو ایسا بے وقوف ہے کہ پھر تو مجھے چھوڑ کر اپنے چکر میں رہے گا۔ تو وہ بزرگ جو مقام نامرادی پر فائز تھے ان سے کسی شخص نے کہا کہ حضور چلئے میرے کارخانے اور فیکٹری کا سنگ بنیاد رکھ دیجئے۔ فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تیری فیکٹری فیل ہو جائے کیونکہ میں مقام نامرادیت پر فائز ہوں۔ جہاں میرا ہاتھ لگے گا وہیں نامرادی آئے گی اور تیرا بھی کام بگڑ جائے گا اس لئے مجھے وہاں نہ لے جا۔ اللہ نے مجھے اپنا مراد بنایا ہے ، میری مرادوں کو وہ نامراد کرتا رہتا ہے۔ میری نامرادی مخلوق کے ساتھ ہے ، حق تعالیٰ کا میں مراد ہوں۔ میرے ساتھ رہو گے تو اپنی مرادوں میں تو بامراد نہ بنو گے لیکن مرادِ خالق بن جاؤ گے ، اللہ کے پیارے بن جاؤ گے ، اللہ کی مراد بن جاؤ گے۔ لہذا دنیا کی مراد چاہتے ہو تو کوئی اور انتظام کرو۔ ہمیں کیوں اپنی دنیا کے لئے گھسیٹتے ہو کہ یہاں چلو ، وہاں چلو۔ ہمارے صحراؤں سے ہمارا خروج نہ کراؤ ہم سکوتِ صحرا میں اپنے اللہ کی یاد میں مست ہیں تم یہیں آ جاؤ

اور اللہ کی محبت سیکھو۔

اگر ساری دنیا میں کسی کو نامرادی ہو لیکن جب وہ اللہ کا مراد ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور سارے غموں کا نعم البدل ہے اور اس کا کوئی بدل نہیں۔ لہذا ایسے شخص کے دل میں اپنی نامرادی پر حسرت و غم نہیں ہوگا بلکہ وہ سمجھ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے مجھے اپنا بنانا چاہتے ہیں اس لئے مجھ کو نامراد فرماتے ہیں کیونکہ ہماری بامرادی آب و گل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آب و گل میں نہیں پھنسانا چاہتے، اپنی تجلیاتِ قرب سے اپنے اس بندہ کو متجلی رکھنا چاہتے ہیں پھر سارے عالم کو اس ایک بندہ سے اللہ متجلی کرتا ہے۔ بہت راز کی بات آج فاش کر رہا ہوں لہذا اگر کوئی مراد پوری نہ ہو تو سمجھ لو کہ میرے محبوب حقیقی کی مراد یہی ہے کہ یہ میرا مراد رہے کہیں اپنی مرادوں میں مشغول نہ ہو جائے۔ اگر اپنی مرادوں میں یہ مشغول ہو گیا تو پھر اللہ کی مراد کیسے بنے گا۔ اللہ تو چاہتا ہے کہ یہ سفر میں رہے، اس سے دین پھیلایا جائے اسی لئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ اے اللہ علماء کے رزق کو سارے عالم میں منتشر فرمادیجئے۔ جب یہ جگہ جگہ اپنا رزق کھانے جائیں گے تو میرا دین بھی پھیلائیں گے۔ نشرِ رزق العلماء ذریعہ ہوگا نشرِ علم دین کا اس لئے دعوتِ علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ثمرہ ہے لہذا مولانا لوگوں کو مرغا کھلا کر کوئی اپنا احسان نہ جتائے۔

نامرادی کا مزہ بظاہر تو کڑوا ہے ۔ دنیا دار تو اس سے گھبرائے گا کہ میں نامرادی نہیں چاہتا ، یہ علماء و اولیاء کے لئے مبارک ہو ، ہماری تو ہر مراد اللہ پوری کر دے ۔ یہ نامرادی کا راستہ حتماء اور بے وقوفوں کے لئے نہیں ہے ، وہ کیا جانیں کہ جس کو اللہ غیر سے نامراد کر کے اپنا مراد بنائے گا اس کے قلب کو کیا مستی دے گا ۔ وہ تو اعلان کرے گا ۔

بادہ در جوش گدائے جوش ماست
چرخ در گردش اسیر ہوش ماست

سارے عالم کی شراب میری مستی کی گدا ہے ۔ یہ مولانا روم ہیں ، کیوں انہوں نے سارے عالم کے مے خانوں کو لاکارا ، اپنے میکدہ عشق غیر فانی سے اعلان نشر کیا کہ سارے عالم کی شراب میرے جوش و مستی کی گدا اور بھک منگی ہے اور آسمان اپنی گردش میں میرے ہوش کا قیدی ہے کیونکہ میں تجلیاتِ خالقِ ارض و سماء رکھتا ہوں اس لئے وسعتِ ارض و سماء میرے اندر تنگ ہے ۔ آسمان و زمین میرے ہوش کا ایک جز ہیں اور جز اپنے گل کے سامنے چھوٹا ہوتا ہے ۔ آسمان و زمین کیا حقیقت رکھتے ہیں کہ اپنے طول و عرض پر فخر کریں ۔

ان کی نظر کے حوصلے رشکِ شہانِ کائنات
وسعتِ قلب عاشقانِ ارض و سماء سے کم نہیں

یہ میرا ہی شعر ہے اور یہ شعر بھی ۔

دامن فقر میں مرے پنہاں ہے تاج قیصری
ذرّۂ دردِ غم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

لوگ حقیر سمجھتے ہیں کہ ان مولویوں اور صوفیوں کے پاس کیا ہے ؟
میں کہتا ہوں کہ اولیاء کا دامن فقر دیکھو جس میں قیصر روم و سلاطین
کائنات کے تخت و تاج پوشیدہ ہیں ۔ تمہیں کیا پتہ ، اس کا نشہ قلب
میں ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ اللہ والوں کے اور ان کے غلاموں کے ظاہری
دامن میں تاج قیصری اور موتی دے دیتا تو پرچہ آؤٹ ہو جاتا اور عالم
غیب عالم غیب نہ رہتا اور جب پرچہ آؤٹ ہو جاتا ہے تو امتحان دوبارہ
ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عالم غیب رکھا کہ پرچہ آؤٹ نہ ہو اور
یہاں جو پرچے آؤٹ ہوتے ہیں اس کی وجہ حکومت کی کمزوری ہے ،
یہاں رشوت دے کر پرچہ آؤٹ کر دیتے ہیں لیکن اللہ کے یہاں کون
ہے جو گڑبڑی کر سکے اس لئے اللہ تعالیٰ کا عالم غیب قیامت تک عالم
غیب رہے گا ، کوئی شخص عالم غیب کا پرچہ آؤٹ نہیں کر سکتا اس لئے
اللہ تعالیٰ چھپا کر دل میں دیتے ہیں ، اللہ والوں کی مستیاں دل میں ہوتی
ہیں جن کو دوسرا نہیں جان سکتا لیکن جو اہل عقل و اہل بصیرت ہیں وہ
پہچان لیتے ہیں کہ ان اللہ والوں کے دل کو کوئی دولت حاصل ہے اس
لئے ان کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور ان کے دل سے کچھ پاتے ہیں ۔

دیوانہ وہ ہے جو دوسروں کو دیوانہ بنادے تو سمجھ لو کہ اس کی دیوانگی عالم شباب پر ہے اور بڑے بڑے علماء اپنی دستارِ فضیلت لئے ہوئے اور بڑے بڑے ایم ایس امریکہ اور یورپ کی ڈگریاں لئے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں ۔

خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

مخلوق دیوانہ کے پیچھے پھر رہی ہے اور دیوانہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے ورنہ یہیں دیکھ لو کہ یہاں کون سی دنیا بٹ رہی ہے مگر کوئی ایسی بات ہے ، ہمارے بزرگوں کا فیض ہے جو آپ لوگ آرہے ہیں ۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مصرع ہے ۔

کچھ کھو رہے ہیں شوق سے کچھ پارہے ہیں ہم

یعنی گناہوں کے تقاضوں کو ہم شوق سے کھو رہے ہیں کہ کوئی نافرمانی نہ ہو اس کھونے سے ہم اللہ کو پارہے ہیں غیر اللہ کو کھو رہے ہیں اور مولیٰ کو پارہے ہیں اور مولیٰ اپنے عاشقوں کو دونوں جہان میں سرفراز رکھتا ہے ۔ وہ اپنے عاشقوں کو ضائع نہیں کرتا

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾

اللہ اپنے عاشقوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ، کہاں مُردہ لاشوں پر جاتے ہو ۔ دونوں میں کوئی نسبت نہیں اس لئے وہ لوگ انتہائی بے

وقوف اور احمق ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دنیا پر مر رہے ہیں۔ اس لئے اللہ پر مرنا سیکھو اور یہ بھی اللہ والوں ہی کے صدقہ میں آئے گا۔ حوصلہ شاہبازی کس سے آئے گا؟ باز شاہی سے اور باز شاہی کیسے بنو گے؟ صحبت کی برکت سے۔ دنیا میں کوئی ولی اللہ نہیں ہوا جب تک کسی ولی اللہ کی صحبت نہیں ملی۔ دیسی آم کو لنگڑے آم کے متعلق ایک لاکھ کتابیں پڑھا دو، ایم ایس کرادو لیکن ایک لاکھ کتابوں کے باوجود دیسی ہی رہے گا لیکن اسے کوئی کتاب نہ پڑھاؤ لنگڑے آم کی قلم لگا دو آہستہ آہستہ وہ خود لنگڑا آم بن جائے گا۔

اور ایک بہت بڑی بات اور بتادوں کہ اگر کوئی مرید اپنی بے وقوفی سے اپنے شیخ کے بلند مقام کو نہ پہچانتا ہو اور شیخ بھی خود اپنی ولایت کے مقام کی بلندی سے ناواقف ہو لیکن اس کی صحبت میں ولایت سازی کی خاصیت ضرور ہوگی کہ اس کی برکت سے مرید کامیاب ہو جائے اور ولایت نصیب ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر جو خاصیت رکھی ہے اس کا اثر ظاہر ہوگا جیسے کوئی نہ جانتا ہو کہ آگ کیا چیز ہے اور آگ کو بھی اپنے آگ ہونے کا علم نہ ہو لیکن اس میں یہ خاصیت ضرور ہوگی کہ ۔

جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

بعض بندے اللہ کے ولی ہوتے ہیں لیکن انہیں بوجہ اپنی سادگی طبع کے

خود بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ہم کس درجہ کے دلی اللہ ہیں لیکن ان کے فیض سے کوئی محروم نہیں رہتا۔

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا

ما چو مرغان حریص بے نوا

اَلرَّشَاءُ فَدَہَا بِاِیَاکَ دَامَ کے معنی ہیں جال اور دانہ سے مراد ہے گندم و چاول وغیرہ کے دانے جن کو شکاری چڑیوں کو جال میں پھنسانے کے لئے استعمال کرتا ہے گویا وہ دانہ چڑیوں کو جال میں پھانسنے کا آلہ ہے۔ چڑیا سمجھتی ہے کہ یہ میرا چارہ ہے اور بھوک میں کھانا شروع کرتی ہے اور جال میں پھنس جاتی ہے۔ مولانا رومی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا گناہوں کے ہزاروں جال بچھے ہوئے ہیں اور ان کے پیچھے شیطان مثل شکاری کے ان میں ہم کو پھنسانے کے لئے بیٹھا ہوا ہے۔ حدیث پاک میں ہے اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ عورتیں شیطان کا جال ہیں جن سے وہ گناہوں میں پھنسا دیتا ہے۔ اس زمانہ میں شیطان نے عورتوں کو بے پردہ کر کے قدم قدم پر یہ جال بچھا دئے، اُن کے گال اور بال دکھا کر پھر وہاں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ منشا یہ ہے کہ جتنی باتیں بھی اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں وہ سب شیطان کے دام و دانہ میں شامل ہیں خواہ وہ عورتیں ہوں خواہ حسین لڑکے ہوں خواہ حرام مال ہو وغیرہ۔ جس چیز سے بھی شہوت

نفس سے مغلوب ہو کر گناہ میں مبتلا ہو جائے وہی شیطان کا جال ہے اور اس زمانہ میں چونکہ بے پردگی و عریانی عام ہے اس لئے شیطان کا سب سے بڑا جال حسین صورتیں ہیں۔

مولانا اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ شیطان نے گناہوں کے ہزاروں جال اور دانے ساری کائنات میں بچھا دیئے ہیں اور ہم مسکین و غریب اور بے نوا چڑیوں کی طرح ہیں جنہیں بھوک اور پیاس لگی ہوئی ہے اور وہ دانہ کھانے کے لئے بے قرار ہیں اسی طرح ہمارے اندر بھی شہوتِ نفس اور خواہشاتِ نفسانیہ کے شدید تقاضے ہیں اور سامنے گناہوں کے دام و دانے ہیں اس لئے ہمیں سخت خطرہ ہے کہ کہیں ہم جال میں نہ پھنس جائیں۔ آگے فرماتے ہیں۔

گر ہزاراں دام باشد بر قدم
چوں تو بامائی نہ باشد ہیچ غم

اے خدا اگر ہزاروں جال ہمارے قدم پر ہوں لیکن اگر آپ اپنی رحمت اور مدد کے ساتھ ہمارے ساتھ ہیں یعنی اگر آپ ہمارے نگہبان ہیں، پاسبان ہیں مددگار ہیں تو ہمیں ان جالوں کا کوئی خوف نہیں، آپ ہماری حفاظت کے لئے کافی ہیں کیونکہ اگرچہ نفس امارہ بالسوء ہے یعنی کثیر الامر بالسوء ہے، بُرائیوں کا بہت زیادہ حکم کرنے والا ہے لیکن یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر

﴿إِلَّا مَا رَجَمَ رَبِّي﴾

کا سایہ ہمیں حاصل ہو، اس کے شر سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا
سوائے اس کے جسے اللہ کی رحمت کا سایہ حاصل ہے۔

﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾

جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت و دوام پر دلالت کرتا ہے یعنی کوئی شخص نفس
کے شر سے نہیں بچ سکتا جب تک اسے خالق نفس امارہ بالسوء کا
استثنیٰ إِلَّا مَا رَجَمَ رَبِّي نصیب نہ ہو۔ اگر نفس امارہ بالسوء ہے تو الا ما
رحم ربی کا یہ استثنیٰ بھی خالق نفس امارہ کا ہے پس اس استثنیٰ کے
ہوتے ہوئے نفس امارہ بالسوء کی کیا مجال جو ڈنک مار سکے۔ علامہ
آلوسی فرماتے ہیں ما رحم ربی کا ما مصدریہ ظرفیہ زمانیہ ہے جس کے
معنی ہوئے ای فی وقت رحمة ربی یعنی جب اللہ کی رحمت کا سایہ ہو
تو نفس کی کیا مجال ہے کہ وہ ہمیں ضرر پہنچا سکے۔ مولانا کی دعا کا یہی
مضمون ہے کہ اے اللہ اگر آپ کی رحمت کا سایہ ہم پر ہو تو نفس و
شیطان ہمیں گناہوں کے زیر دام نہیں کر سکتے۔

موش تا انبار ما حفرہ زدہ است

واز فتنش انبار ما خالی شدہ است

ارشد فرمایا گھکھیت میں جہاں غلہ کا ڈھیر رکھا

ہوتا ہے اسے کھلیان کہتے ہیں وہاں چوہا زمین میں نیچے نیچے سوراخ کر کے دور تک راستہ بنالیتا ہے اور دھیرے دھیرے سارا غلہ غائب ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح چوہا غلہ کا چور ہے اسی طرح ہمارا نفس بھی چور ہے۔ جب سے ہمارے نفس کے چوہے نے ہماری نیکیوں کے کھلیان اور خزانے میں خفیہ راستہ بنالیا ہے تو اس کے اس فن اور کید و مکر سے ہماری سب نیکیاں ضائع ہو گئیں مثلاً کہیں دکھاوا کرا دیا، کہیں تکبر کرا دیا، کہیں ظلم کرا دیا جس سے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں جیسے ایک حاجی نے کہا کہ اے نوکر میرے مہمان کو اس صراحی سے پانی پلا دے جو میں دوسرے حج میں مدینہ شریف سے لایا تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظالم نے ایک جملہ میں دونوں حج ضائع کر دئے۔ یہی نفس کی چوری ہے جس سے نیکیوں کے خزانے خالی ہو جاتے ہیں مثلاً کراچی میں بیٹھے بیٹھے کسی نے غیبت کر دی اور جس کی غیبت کی ہے وہ لاہور میں ہے تو گویا اس نے نیکیوں کا مال مفت میں لاہور بھیج دیا یعنی اس کی نیکیاں لاہور والے کے اعمال نامہ میں چلی گئیں اور اسے خبر بھی نہیں کہ میرا کتنا بڑا نقصان ہو گیا۔ محنت کی کمائی مفت میں گنوائی۔ غیبت اسی لئے حرام ہے کہ مفت میں اپنی نیکیاں ضائع ہوتی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن غیبت کرنے والے کی نیکیاں جس کی غیبت کی ہے اس کے اعمال نامہ میں ڈال دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو اس کے گناہ

اس غیبت کرنے والے کے اعمال نامے میں ڈال دئے جائیں گے اور حدیث پاک میں ہے الْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزَّانَا غِیْبَتِ زَنَا سے بھی اشد ہے ۔ صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول غیبت زنا سے کیوں اشد ہے ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زنا حق اللہ ہے ۔ اللہ سے معافی مانگ لو ، معاف ہو جائے گا ، جس سے زنا کیا ہے اس سے معافی مانگنا فرض نہیں لیکن غیبت بندوں کا حق ہے ، لاکھ استغفار و توبہ کرتے رہو جب تک وہ بندہ معاف نہیں کرے گا معاف نہیں ہوگا ۔ لیکن حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ تشریح ہے کہ غیبت حق العباد اس وقت ہے جب اس بندہ کو اطلاع ہو جائے جس کی غیبت کی گئی ہے ۔ اگر اس کو اطلاع نہیں ہوئی تو اس سے معافی مانگنا ابھی ضروری نہیں ہوا کیونکہ ابھی تو اس کو اطلاع نہیں ہوئی ، اب اگر اس سے معافی مانگے گا تو اس کو اطلاع ہوگی اور اس کو تکلیف ہوگی کہ اس شخص نے میری غیبت کی ہے ۔ اس صورت میں غیبت کی تلافی یہ ہے کہ جس مجلس میں غیبت کی ہے ان سب لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے اپنی نالائقی کا اعتراف کرے کہ مجھ سے سخت نالائقی ہوئی کہ میں نے فلاں کی غیبت کی ، ان میں دوسری بہت سی خوبیاں بھی ہیں میں توبہ کرتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرے ۔ اس طرح غیبت کا گناہ معاف ہو جائے گا لیکن اگر اس شخص کو

اطلاع ہو گئی ہے تو اس سے معافی مانگنا ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے معاف کئے یہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ اسی لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت زنا سے اشد ہے کیونکہ یہ حق العباد ہے۔

زنا کے حق اللہ ہونے کا قانون اسلام کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اگر عیسائی اور یہودی اس قانون کو بناتے تو کہتے کہ جس سے زنا کیا ہے اس سے جا کر معافی مانگو اور اس سے کتنے فتنے پیدا ہو جاتے مثلاً وہ عورت کسی ملک کی وزیر یا صدر ہے اور مختلف ممالک کے صدر مملکت بیٹھے ہوئے ہیں کہ اس کی رہائش گاہ کے سامنے کئی لوگ معافی مانگنے کے لئے آکھڑے ہوئے کہ محترمہ فرسٹ ایر میں جب ہم آپ کے ساتھ پڑھ رہے تھے تو کچھ غلطیاں ہو گئی تھیں لیکن اس وقت تو ہمیں اللہ کا خوف نہیں تھا اس لئے آپ کے ساتھ کچھ غلط حرکتیں کر بیٹھے لیکن اب ہمارے دل میں خوف خدا آگیا ہے لہذا آپ ہمیں معاف کر دیجئے۔ بتائیے اس میں کس قدر بے عزتی اور ذلت ہوتی۔ زنا کو اللہ تعالیٰ نے اپنا حق رکھ کر اپنے بندوں کی عزت و آبرو رکھی ہے کہ بس مجھ سے معافی مانگ لو، یہی دلیل ہے کہ اسلام بالکل سچا مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا دین ہے ورنہ انسانی عقل زنا کو حق العباد قرار دیتی۔

اسی طرح بعض نادان اور کم فہم لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں زنا کی سزا بہت سخت ہے کہ سنگسار کر دو یعنی پتھر مار مار کر ختم کر دو اور

حکم یہ ہے کہ مجمع بھی لگا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اسلام کے اس قانون میں بھی بہت بڑی رحمت ہے۔ اگر ایک واقعہ بھی ایسا ہو جائے یعنی اس حکم پر ایک بار عمل کر لیا جائے تو پورا ملک زنا سے بچ جائے گا۔ اور یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ زنا کو ثابت کرنا مشکل کر دیا کہ چار گواہ ہوں اور اس طرح دیکھیں جیسے سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے۔ کون ہے جو چار گواہوں کی موجودگی میں ایسی حرکت کرے گا اور گواہی کے لئے جس حالت میں دیکھنے کی شرط ہے وہ بھی انتہائی مشکل۔ تو اس کے ثبوت کو مشکل کر دیا تاکہ میرے بندے مصیبت سے بچ جائیں۔ کیا یہ رحمت نہیں ہے۔

اور مزید رحمت یہ ہے کہ عدالت میں اگر جج پوچھے کہ کیا تم نے ایسا کیا تھا تو انکار کرنا اقرار کرنے سے افضل ہے۔ یہاں جھوٹ بولنا بچ بولنے سے افضل ہے۔ یہاں جھوٹ بولنے کو اللہ نے پسند کر لیا کہ جھوٹ بول کر اپنی جان بچالو بس مجھ سے معافی مانگ لو، میں تمہیں معاف کر دوں گا، مجھے تم سے محبت ہے ہم تمہاری جان لینا نہیں چاہتے۔

آہ اسلام کا ہر قانون رحمت ہی رحمت ہے مثلاً روزہ میں اگر کوئی بڑھا آدمی بھول کر کھا رہا ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کو کھانے دو، یاد بھی نہ دلاؤ کہ تمہارا روزہ ہے۔ کیا یہ کرم اور مہربانی نہیں ہے اور اگر جوان بھول کر کھا رہا ہو تو اس کو روزہ یاد دلا دو۔

اسی طرح حکم ہے کہ اگر بخار ہے اور پانی نقصان کرتا ہے تو تیمم کرلو۔ اگر ڈاکٹر کہتا ہے کہ آپ اگر تیمم کریں گے تو تین دن میں اچھے ہو جائیں گے اور اگر گرم پانی سے وضو کریں گے تو بجائے تین دن کے چار دن میں اچھے ہوں گے تو ایسی صورت میں بھی تیمم جائز ہے۔ ایک ہے اشتداد مرض یعنی مرض کا بڑھ جانا، اور ایک ہے امتداد مرض یعنی مرض میں تو شدت و اضافہ نہ ہو لیکن فائدہ دیر میں ہو، صحت دیر سے ہو تو اس صورت میں بھی تیمم کو جائز کرنا کیا یہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت نہیں ہے۔

خیر یہ تو درمیان میں دین کے بعض احکامات کے رموز و اسرار اللہ تعالیٰ نے بیان کرادئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کا ہر حکم مبنی علی الرحمة ہے۔

شعر مذکورہ جس کی تشریح بیان ہوئی اس کا حاصل یہ ہے کہ گناہوں سے نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں اور آدمی ولایت خاصہ سے محروم رہ جاتا ہے کیونکہ ولایت کی بنیاد تقویٰ ہے اس لئے اگلے شعر میں مولانا رومی نصیحت فرماتے ہیں۔

اول اے جاں دفع شر موش کن
بعد ازیں انبار گندم کوش کن

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے میری جان پہلے کسی اللہ والے کی صحبت

میں رہ کر نفس کے چوہے کے شر سے حفاظت کی ترکیب سیکھ لے اس کے بعد نیکیوں کا گندم جمع کرنے کی فکر کر کیونکہ جتنا نیکیاں کمانا ضروری ہے اتنی ہی اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس کی اصلاح کرانا ہے تاکہ گناہ چھوٹ جائیں، اور نیکیوں کا نور باقی رہے۔

دین پر استقامت اور اعمال کی بقاء کے لئے اہل اللہ کی صحبت اتنی ضروری ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت فرماتے ہیں کہ میں جب دین کی محنت کے لئے جاتا ہوں تو مخلوق میں اختلاط اور زیادہ میل جول سے نفس میں کچھ کشافت اور گندگی سی آجاتی ہے اس کو دور کرنے کے لئے میں اہل اللہ کی خانقاہوں میں جاتا ہوں تو دل مجلی ہو جاتا ہے جیسے موٹر کار طویل سفر پر جاتی ہے تو پرزوں میں کچھ میل کچیل لگ جاتا ہے لہذا اس کی یونٹنگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور صفائی کے لئے کار کو کارخانے میں جس کو ورکشاپ کہتے ہیں بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح دل کی یونٹنگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس کی ورکشاپ خانقاہیں ہیں کیونکہ نفس چور ہے اس میں خفیہ طریقہ سے کچھ بڑائی کچھ دکھاوا آجاتا ہے۔ جن کا مشائخ اور علماء سے تعلق نہیں ہوتا ان کی گفتگو سے پتہ چل جاتا ہے اور ان کی زبان سے بڑائی کی باتیں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے دل میں کیا مرض پیدا ہو گیا۔ اس لئے

چاہے کوئی مدرس ہو، معلم ہو، مبلغ ہو، مصنف ہو تزکیہ نفس بغیر اہل اللہ کی صحبت اور تعلق کے نہیں ہوتا۔ ایک صاحب نے خود بتایا کہ میں اللہ کے فضل سے دین کے لئے کچھ وقت لگا کر جب کراچی واپس آیا تو مجھے تمام لوگ نہایت حقیر معلوم ہوئے کہ یہ سب غافل ہیں، انہیں دین کی فکر نہیں، علماء پنکھوں میں بیٹھ کر بخاری شریف پڑھا رہے ہیں، اور ہم لوگ دریائے سندھ کے کنارے جنگلوں میں جا کر دین پھیلا رہے ہیں، لیکن وہ ایک اللہ والے سے بیعت تھے انہوں نے اپنے شیخ کو اپنا یہ حال بتایا کہ مجھے تو بڑے بڑے علماء تک شیطان نظر آرہے ہیں۔ ان بزرگ نے کہا کہ سب سے بڑے شیطان تو تم ہو کیونکہ تمہارے دل میں تکبر پیدا ہو گیا۔ تم نے اپنے نفس کو منانا نہیں سیکھا۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اپنے سے بہتر سمجھو اور اپنے کو سب سے کمتر سمجھو بلکہ جب تک خاتمہ ایمان پر نہیں ہو جاتا خود کو کافروں سے اور جانوروں سے بھی کمتر سمجھو اور تمہارا حال اتنا خراب ہو گیا کہ عام مسلمان تو کجا تم علماء کو جو وارثین انبیاء ہیں، حقیر سمجھ رہے ہو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے

لَا يَدْخُلُ الْحَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ۔

(صحیح مسلم باب تحریم الکبر و بیانہ)

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بڑائی ہوگی اور ایک روایت میں ہے کہ وَلَا يَجْزِي رِئَحَهَا دَاخِلُهُ تُو در کنار

جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ اہل اللہ سے تعلق کتنا ضروری ہے۔ اگر اس شخص کا کوئی شیخ نہ ہوتا تو یہ تو ہلاک ہو گیا تھا کیونکہ شیطان نے دل میں تکبر ڈال دیا تھا لیکن شیخ کی ڈانٹ سے سارا تکبر نکل گیا۔ یہ تکبر اتنا بڑا اینٹم بم ہے کہ حج اور عمرے تہجد و تلاوت و ذکر و نوافل سب کو اڑا دیتا ہے۔

اسی طرح چاہے کتنا ہی بڑا عالم ہو، محدث ہو، شیخ الحدیث ہو، بخاری پڑھا رہا ہو اگر اللہ والوں سے اصلاحی تعلق نہ ہوگا تو آپ اس کے علم و عمل میں فاصلے دیکھیں گے۔ چاہے علم کا سمندر ہو اگر اصلاح نہ کرائی ہوگی تو آپ دیکھیں گے کہ ہوائی جہاز میں ایر ہو سنس سے مسکرا مسکرا کر اور اس کی طرف دیکھ کر باتیں کر رہا ہوگا اور زَنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت لَعْنُ اللّٰهِ الشَّاطِرَ وَالْمَنْظُورُ إِلَيْهِ کا علم اس کی طاق نسیان میں ہوگا۔

مولانا رومی نے اس شعر میں یہی نصیحت فرمائی ہے کہ جتنا نیکیاں کمانا ضروری ہے ان کی حفاظت کا اہتمام بھی اتنا ہی ضروری ہے جو نفس کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوتا اور نفس کی اصلاح موقوف ہے صحبت اہل اللہ پر۔



مجلس درسِ مثنوی

۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۹۹۸ء بروز چہار شنبہ
(بدھ) ۷ بجے صبح در خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

نالہ کردم کہ تو علام الغیوب
زیر سنگِ مکرِ بد مارا مکوب

اے خدا میں آپ سے رو رو کر نالہ و فریاد کر رہا ہوں اور میرے
رونے اور نالہ و فریاد کرنے کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ آپ علام الغیوب
ہیں، میرے سب بھیدوں سے واقف ہیں، میری نالائقیوں سے اور
میرے گناہوں سے باخبر ہیں، میرا کوئی حال آپ سے پوشیدہ نہیں،
مخلوق سے تو ہم اپنا حال چھپا سکتے ہیں لیکن کون ہے جو آپ سے اپنی
کسی حالت کو چھپا سکے لہذا جب آپ کو ہمارا سب حال معلوم ہے تو
آپ سے رونے اور معافی مانگنے کے سوا چارہ نہیں۔ اسی لئے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعا سکھائی کہ اللہ سے یوں مانگا کرو کہ
اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِيْ فَاِنَّكَ بِنِيْ عَالِمٌ اے اللہ آپ مجھے رسوا نہ کیجئے کیونکہ

آپ مجھے خوب جانتے ہیں، آپ کو میرے ہر غیب اور ہر گناہ کا علم ہے اور جس کو کسی کی کمزوریوں کا اور نالائقیوں کا علم ہو وہ جب چاہے اسے رسوا کر سکتا ہے پس صرف اپنے کرم سے مجھے رسوا نہ کیجئے کیونکہ مجھے رسوا کرنا ہے آپ کے لئے کچھ مشکل نہیں وَلَا تُعَذِّبْنِي فَإِنَّكَ عَلَيَّ قَادِرٌ اور مجھے عذاب نہ دیجئے کیونکہ آپ مجھ پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ میں آپ کی قدرت قاہرہ کاملہ غالبہ سے بھاگ کر کہاں جاسکتا ہوں، جہاں جاؤں گا وہ آپ کی زمین ہوگی اور جہاں بھاگوں گا وہ آپ کا آسمان ہوگا لہذا جب آپ مجھ پر ہر طرح قادر ہیں تو تَفَضَّلْ عَلَيْنَا بِغُنُونِ الْأَلَاءِ مَعَ اسْتِحْقَاقِنَا بِأَقَابِنِ الْعِقَابِ طرح طرح کے عذابوں کے مستحق کو عذاب نہ دیجئے اور کیونکہ آپ کریم ہیں تو بجائے عذاب کے مجھ پر اپنی نعمتوں کی بارش کر دیجئے۔

تو مولانا رومی بارگاہِ خداوندی میں عرض کر رہے ہیں کہ اے علام الغیوب جب آپ ہمارے تمام بھیدوں سے اور ہمارے گناہوں کے تمام حوادث و واقعات سے لیا و نہارا باخبر ہیں تو نفس و شیطان کے مکر اور بُری تدبیروں کے پتھر کے نیچے ہماری کٹائی نہ ہونے دیجئے، گناہوں پر اصرار کی نحوست سے گناہوں کے تقاضوں میں شدت آگئی ہے لہذا اے اللہ ہماری مدد فرمائیے اور مجاہدہ شدیدہ کو آسان فرمادیجئے۔ ان تقاضوں سے ہم کو بہت تکلیف ہے کیونکہ ہم دل سے چاہتے ہیں کہ ہم سے گناہ نہ ہو، ہم گناہوں سے بچنا چاہتے ہیں۔

لہذا اس کا کیا علاج ہے؟ حدیث پاک میں ہے کہ جب کفر کا وسوسہ آئے تو کہو اَمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہِ اسی طرح جب گناہ کا خیال آئے یا کسی حسین اور نمکین شکل پر نظر پڑ جائے اور قلب کا قبلہ مولیٰ کی طرف سے ہٹ کر ایک اعشاریہ بھی لیلیٰ کی طرف مائل ہونے لگے تو فوراً پڑھو اَمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہِ مگر نظر ہٹا کر۔ یہ نہیں کہہ دیکھے بھی جارہے ہیں اور پڑھے بھی جارہے ہیں کیونکہ اس وقت آپ کا یہ قول بلا عمل ہوگا بلکہ جو عمل صادر ہو رہا ہے حرام نظر کا وہ موجب لعنت ہے اور جب لعنت بر سے گی تو یہ پڑھنا کیسے موثر ہوگا لہذا حسینوں سے نظر ہٹا کر اَمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہِ کہنا ایمان باللہ و ایمان بالرسول کی عملی و قلبی تصدیق ہے کیونکہ عمل قلب کی تصدیق کو ظاہر کرتا ہے کہ ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر تو ان شاء اللہ آپ کا قلب بلا دلیل لیلیٰ سے ہٹ کر پھر مولیٰ کی طرف آجائے گا۔ یہ جامع صغیر کی حدیث ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کی برکت سے قلب غیر اللہ کے وسوسوں سے پاک ہو جائے گا اور اللہ کی عظمت اور رسولوں کی عظمت دل میں آجائے گی۔ عظمت خداوندی اور عظمت رسالت کی برکت سے غیر اللہ کے کیڑوں اور وساوس کے جراثیم پر ڈی ڈی فی چھڑک جائے گی یعنی غیر اللہ سے دل پاک ہو جائے گا۔

یا کریم العفو ستار العیوب انتقام از ماکش اندر ذنوب

ارشاد فرمایا کہ کریم کے معنی ہیں الذی يعطی بدون الاستحقاق والمنة وہ ذات جو بغیر استحقاق عطا فرمادے، جس کا حق نہ بنتا ہو اسے بھی دے دے، جو عطا و بخشش کا مستحق نہ ہو اسے بھی محروم نہ کرے۔ مولانا رومی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اگرچہ ہم معافی کے قابل نہیں ہیں مگر چونکہ آپ کریم ہیں اس لئے ناقابل معافی کو معافی دے دیجئے اور ہمارے گناہوں کے آثار و نشانات کو بھی مٹا دیجئے۔ عفو کے معنی ہیں اِمْحَاءُ آثَارِ الذُّنُوبِ جس کو اللہ معاف کرتا ہے اس کے گناہوں کے آثار و نشانات اور گناہوں کی شہادتوں اور گواہیوں کو بھی مٹا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

إِذَا تَابَ الْعَبْدُ أَنْسَى اللَّهُ الْخَفِظَةَ ذُنُوبَهُ
وَأَنْسَى ذَالِكَ جَوَارِحَهُ وَمَعَالِمَهُ مِنَ الْأَرْضِ
حَتَّى يُلْقَى اللَّهُ وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَاهِدٌ مِنَ اللَّهِ بِذَنْبٍ

جب بندہ اللہ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبینَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ کی گواہی کو مٹا دیتا ہے۔ گناہ کا پہلا اثر جو قائم ہوتا ہے وہ کرانا کاتبین کی گواہی ہے کہ وہ ہمارے اعمال نامہ میں اس گناہ کو لکھ لیتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں تو فرشتوں کو وہ گناہ بھلا دیتے ہیں اور اعمال نامہ سے خود مٹا دیتے ہیں اور گناہ کے دوسرے گواہ خود ہمارے اعضاء ہیں

﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ
وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

قیامت کے دن ہمارے ہاتھ پاؤں گواہی دینے لگیں گے کہ اے اللہ ہم فلاں فلاں گناہ کیا کرتے تھے۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

چشم گوید کردہ ام غمزہ حرام
گوش گوید چیدہ ام سوء الکلام

آنکھ کہے گی کہ میں نے حرام اشارہ بازی کی ہے اور کان کہے گا کہ میں نے بُری بُری باتیں سنی ہیں ، گانا سنا ہے ، لوگوں کی غیبت سنی ہے وغیرہ

لب بگوید من چنیں بوسیدہ ام
دست گوید من چنیں دزدیدہ ام

ہونٹ کہیں گے کہ ہم نے حرام بوسے لئے ہیں اور ہاتھ کہیں گے کہ ہم نے فلاں فلاں کا مال چرایا ہے ۔ لیکن بندہ جب توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اعضاء کی گواہی کو بھی مٹا دیتے ہیں اور حق العباد کی توبہ یہ

ہے کہ بندہ کا حق واپس کرے یا اس سے معاف کرائے۔ اور تیسری گواہی اعمالنامے ہیں وَ إِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ پس توبہ کی برکت سے جب اللہ تعالیٰ فرشتوں ہی کو بھلا دیں گے تو اعمالنامہ سے مٹانا خود لازم آتا ہے اور گناہوں کا چوتھا گواہ زمین کا وہ ٹکڑا ہے جہاں بندہ گناہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾

جب زمین اپنی خبریں بیان کرے گی۔ صحابہ نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کی پشت پر جو اعمال کئے جلدے ہیں زمین ان کی گواہی دے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ توبہ کی برکت سے زمین کی گواہی کو بھی ختم کر دیں گے اور بندہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے خلاف کوئی شاہد اور گواہ نہ ہوگا۔

مولانا رومی عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ معافی دینے میں آپ بے حد کریم ہیں اور جس کو آپ معاف فرمادیتے ہیں اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے مغفرت کے معنی لکھے ہیں ستر القبيح و اظهار الحمیل جس کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیتے ہیں اس کے عیوب کو چھپا دیتے ہیں اور اس کی نیکیوں کو ظاہر فرمادیتے ہیں پس اے اللہ ہمارے عیوب اور گناہوں کو بھی مخلوق کی نظر سے چھپا دیجئے

کیونکہ آپ کی ہر صفت غیر محدود ہے اس لئے آپ کا پردہ ستاریت بھی غیر محدود ہے اور ہمارے گناہوں کی تعداد کما و کیفاً محدود ہے چاہے لاکھوں کروڑوں اور اربوں میں ہو۔ تعداد کا استعمال محدود پر ہوتا ہے، غیر محدود کو دائرہ تعداد میں نہیں لایا جاسکتا اس لئے ہمارے گناہوں کی تعداد کتنی ہی اکثریت میں ہو لیکن آپ کی غیر محدود مغفرت کے سامنے اقلیت میں ہے کیونکہ کثیر محدود اپنی اکثریت کے باوجود غیر محدود کے سامنے اقلیت میں ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک کی دعا ہے :

اَللّٰهُمَّ اِنَّ رَحْمَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ

اے اللہ آپ کی رحمت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے پس ہمارے محدود گناہوں کو اپنے غیر محدود پردہ ستاریت میں چھپا دیجئے جیسے کسی چیونٹی پر کوئی مصیبت آرہی ہو، مثلاً تیز بارش یا کوئی اور بلا آرہی ہو اور وہ کسی کریم سے کہے کہ اپنی دس گز کی چادر میں مجھ کو چھپا لیجئے، اس میں کہیں ذرا سی پناہ دے دیجئے کیونکہ آپ کی دس گز کی چادر کا چھوٹا سا گوشہ بھی میرے وجود کو چھپانے کے لئے کافی ہے اور مجھے اس میں چھپانا آپ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ ستار العیوب ہیں، غیر محدود پردہ ستاریت کے مالک ہیں، میرے محدود لیکن کثیر گناہوں کو اپنے غیر محدود پردہ ستاریت میں چھپا دیجئے۔ اگلے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

انتقام از ما مکش اندر ذنوب

میرے گناہوں کی وجہ سے اے اللہ آپ مجھ سے انتقام نہ لیجئے کیونکہ
فَإِنَّكَ عَلِيُّ قَادِرٌ آپ مجھ پر پوری طرح قادر ہیں اور ایسے قادر ہیں کہ
جس طرح چاہیں مجھ پر عذاب نازل کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے
کہ جیسے چیونٹی کسی ہاتھی سے کہے کہ صاحب مجھے معاف کر دیجئے
کیونکہ میں آپ کے انتقام کے قابل نہیں ہوں۔ اگر آپ بلا ارادہ ہی
مجھ پر اپنا پیر رکھ دیں تو میرا برادہ نکل جائے گا اور میرا وجود ہی ختم
ہو جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ہاتھی کیا چیز ہے، بے شمار
ہاتھی بھی اس کے سامنے کچھ نہیں۔ اس لئے مولانا رومی اللہ تعالیٰ
سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم آپ کے انتقام کے قابل نہیں،
ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیجئے اور ہم سے انتقام نہ لیجئے کیونکہ
ہمارے گناہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، ہمارے گناہوں سے
ہم کو ہی ضرر پہنچتا ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ
خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ:

يَا مَنْ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوبُ وَلَا تَنْقُضُهُ الْمَغْفِرَةُ

فَاغْفِرْ لِي مَا لَا يَضُرُّكَ وَحَبْ لِي مَا لَا يَنْفُضُكَ

اے وہ ذات جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور معاف
کرنے سے جس کے خزانہء مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی پس میرے

ان گناہوں کو بخش دیجئے جو آپ کو کچھ مضر نہیں اور مجھے وہ مغفرت عطا فرمائیے جو آپ کے یہاں کم نہیں ہوتی۔

از شراب قہر چوں مستی دہی

نیست ہارا صورت ہستی دہی

ارشادِ شریفِ اکبرؑ قہر کے معنی ہیں عذاب۔ شراب قہر کے معنی ہیں گناہوں کی مستی جو موجب عذاب ہوتی ہے جس کی دلیل

﴿إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾

ہے کہ قوم لوط والے اپنے نشہ میں مست ہو رہے تھے جس کے بعد عذاب نازل ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ ایک شراب قہر ہے اور ایک شراب مہر ہے یعنی اللہ کی محبت کی شراب۔ وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾

اللہ تعالیٰ جس کے لئے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں۔ یہ شرح صدر ہی شرابِ محبتِ الہیہ ہے جس کی علامت کیا ہے؟ اس کی علامات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں کہ جس کو یہ شرابِ محبت عطا ہوتی ہے تو فانی چیزوں سے اس کا دل ہٹ جاتا ہے، دنیائے فانی سے اس کا دل اُچاٹ ہو جاتا

ہے اور آخرت کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور موت سے پہلے موت کی تیاری کی اس کو توفیق ہو جاتی ہے ۔

اس کے برعکس مسلسل نافرمانی و طغیان و سرکشی و فسق و فجور کے سبب اللہ تعالیٰ جس سے انتقام لینا چاہتا ہے ، جس کو برباد کرنا چاہتا ہے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اس کو قہر و عذاب کی شراب پلا دیتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گناہوں کی چیزوں میں اس کو بڑا نشہ اور مستی آتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ظلم سے پاک ہے بلکہ یہ اس کی نافرمانی و سرکشی کا ثمرہ ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر جو مہر لگا دی اس کا سبب ان کا کفر ہے کیونکہ انہوں نے ارادہ کر رکھا تھا کہ ہمیشہ کفر ہی پر قائم رہنا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنے قہر و غضب و عذاب کی شراب پلاتا ہے اس کی علامت کیا ہوتی ہے ۔

نیست ہارا صورت ہستی دہی

اس کے دل میں فانی چیزوں کی بڑی اہمیت آ جاتی ہے ، دنیائے فانی اس کو بڑی حسین اور مہتمم بالشان معلوم ہوتی ہے کہ آہ کیسی پیاری شکل ہے ، فانی چاکلیٹ پر وہ پاگلیٹ ہو جاتا ہے ۔ پس جن شکلوں کو دیکھ کر

دل میں مستی آنے لگے تو سمجھ جاؤ کہ یہ قہر الہی ہے ، یہ اللہ کی محبت کی شراب نہیں ہے بلکہ ہشیار ہو جاؤ کہ یہ اللہ کے عذاب کی شراب آرہی ہے ، فوراً اللہ کے خوف اور عذاب اور جہنم کا مراقبہ کرو اور ان کے مستقبل کی فنایت اور قبرستان میں ان کے فنا ہو جانے کو یاد کرو اور سوچو کہ زندگی ہی میں ان کی شکل ایسی بگڑ جائے گی کہ آپ ان کو دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے ۔ ایک سولہ سال کی کم عمر حسینہ کو اگر دیکھ بھی لیا تو پھر اسی کو اتنی سال میں کس حال میں دیکھو گے لہذا جوانی ہی میں اس کے بڑھاپے کو سوچو تو اپنی جوانی اس پر فدا نہیں کرو گے ۔ اس پر میرا شعر ہے ۔

ان کے بچپن کو ان کے بچپن سے
پہلے سوچو تو دل نہیں دو گے



مجلس درس مثنوی

۱۶ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۹۸ء بروز جمعرات بوقت
سازھے چھ بجے صبح در خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

گرز چاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آب پاک

ارشادِ فرمایا گئے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر کسی
کنویں سے تم روزانہ مٹی نکالتے رہو گے تو ایک دن تم کو پاک و صاف
پانی مل جائے گا۔ اس شعر میں پورا سلوک ہے، پورا تصوف اور پوری
فقیری ہے۔ جب میں معارفِ مثنوی لکھ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو
خواب میں اس کی شرح عطا فرمائی کہ پانی کھودتے وقت چار منزلیں آتی
ہیں۔ سب سے پہلے سوکھی مٹی نکلتی ہے جس میں پانی کا نشان تک
نہیں ہوتا مگر تواتر سے اہل تجربہ پر یقین کرتے ہوئے آدمی کام کرتا
ہے اور سوکھی مٹی نکالتا رہتا ہے، آٹھ دس فٹ تک خالی سوکھی مٹی
آتی ہے لیکن وہ مایوس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جب مٹی میں تھوڑی

تھوڑی نمی آتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے کہ اب معلوم ہوتا ہے پانی کی منزل قریب آرہی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک زمانہ آئے گا کہ مٹی اور پانی پچاس پچاس فیصد آنے لگتا ہے یعنی آدھا پانی آدھی مٹی جس کو کچھڑ کہتے ہیں، اس منزل تک جب آدمی پہنچتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اب ہم پانی کو پاگئے لیکن اہل تجربہ کہتے ہیں کہ ابھی صبر نہ کرنا، کچھڑ پر قناعت نہ کرنا، ابھی اور کھدائی کرو، اور محنت و مجاہدہ کرو یہاں تک کہ پھر بالکل صاف پانی آجاتا ہے۔ یہ چار منزلیں ہو گئیں۔

میرے قلب میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ سلوک کے بھی چار منازل ہیں۔ شروع شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے میں آپ کو مزہ نہیں آئے گا، خشک مٹی معلوم ہوگی مگر مولانا فرماتے ہیں کہ تم نام لیتے رہو کچھ عرصہ بعد اللہ کے دریائے قرب کی نمی آنے لگے گی، آپ کے جسم کی مٹی اللہ کے نام کی تھوڑی تھوڑی لذت محسوس کرنے لگے گی اس وقت آپ خوش ہو جائیں گے کہ منزل قریب آرہی ہے۔ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ آدھا پانی آدھی مٹی آنے لگے گی، یہ کچھڑ والا زمانہ ہے کہ طاعتوں کے انوار ابھی ظلمات معاصی سے ممزوج ہیں، قرب کا آب صاف ابھی نصیب نہیں ہوا لیکن یہ حالت بھی سالک کو مست کر رہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند

صاف گر باشد ندانم چوں کند

یہ مولانا رومی ہیں ، بہت بڑے شخص ہیں فرماتے ہیں کہ خاک ملا ہوا گھونٹ تمہیں مست کر رہا ہے ، تم اپنی ان نیکیوں سے مست ہو رہے ہو جن میں ابھی گناہوں کی مٹی کی آمیزش ہے تو جس دن تم اللہ کے قرب کا صاف پانی پیو گے میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہارا کیا حال ہوگا ، ابھی قرب ناقص سے جب تم اتنے مست ہو رہے ہو تو جس دن گناہوں سے بالکل پاک ہو جاؤ گے اور اللہ کا قرب خاص نصیب ہوگا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ تم پر کیا کیفیت طاری کرے گا لہذا اس جرمِ خاک آمیز پر قناعت نہ کرو ، ابھی اور محنت کرو ، مجاہدہ کر کے ہر نافرمانی چھوڑ دو ، ایک حرام لذتِ قلب میں نہ آنے دو تو دریائے قرب کا صاف پانی تمہیں مل جائے گا اور پھر دل کو ایسی مستی و خوشی عطا ہوگی جس کی لذت کو ساری دنیا کی لغت بیان نہیں کر سکتی لیکن یہ باتیں خالی علوم کی نہیں ہیں اعمال کی ہیں ۔ علوم کا مزہ جب ہے جب عمل ہو اور عمل کا مزہ جب ہے جب اخلاص ہو اور اخلاص کا مزہ جب ہے جب تابعِ صدق ہو ، تابعِ رضائے الہی ہو ۔ اللّٰهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَا نَحِبُ وَتَرْضَى ۔

آں یکے در کنجِ مسجدِ مست و شاد

واں یکے در باغِ ترش و نا مراد

اگر شاد و فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ایک

شخص مسجد کے گوشہ میں بیٹھا ہوا اللہ کی یاد میں مست ہے اور دوسرا شخص باغ میں بیٹھا ہوا ہے ، چاروں طرف اسباب راحت ہیں لیکن غمگین ہے کیونکہ دل میں غم ہے ۔ دل کا چین اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ وہ اسباب راحت میں بے چین کر سکتا ہے اور اسباب غم میں خوش رکھ سکتا ہے ، وہ جھوپڑی میں چین دے سکتا ہے اور محل میں بے چین رکھنے پر قادر ہے ، چٹنی روٹی میں چین دے سکتا ہے اور بریانی و کباب میں دل پر عذاب دے سکتا ہے ، مولانا رومی فرماتے ہیں کہ وہ کانٹوں میں ہنسا سکتا ہے اور پھولوں میں رُلا سکتا ہے ۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر خوش رہنا چاہتے ہو تو اسباب راحت جمع کرنے کی فکر نہ کرو خالق اسباب کو راضی کرو تو بغیر اسباب راحت کے چین پا جاؤ گے۔ جس لمحہ اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ کرو گے اسی لمحہ سے دل کی خوشی کا آغاز ہو جائے گا ، جو اللہ کی طرف چلتا ہے اللہ کے قرب کی ٹھنڈک شروع ہو جاتی ہے ۔ ہمارے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہم لوگ دلی جا رہے تھے کہ راستہ بھٹک گئے اور اس سڑک پر آگئے جو دریا کی طرف جا رہی تھی ۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ یہ راستہ دریا کو جا رہا ہے کیونکہ ہوا میں ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے ۔ اسی طرح جو شخص اللہ کا نام لینا شروع کرتا ہے ، اللہ کی طرف چلنا شروع کرتا ہے اطمینان اور چین کی ٹھنڈک اس کے دل میں آنی شروع ہو جاتی ہے

کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے ذکر میں یہ خاصیت ہے کہ بے چین اور پریشان دل جب میرا نام لیتا ہے تو اس کو اطمینان نصیب ہو جاتا ہے

﴿آلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾

اے اے ماہر! یہ حروف تنبیہ کہلاتے ہیں۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں فرماتے تھے کہ خبردار! اپنے کانوں سے غفلت کی روئی نکال دو، خوب غور سے سن لو کہ اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو چین ملے گا، روپے پیسے سے چین نہیں ملے گا، محلوں اور بلڈنگوں سے چین نہیں ملے گا، بریانی اور کباب سے چین نہیں ملے گا، دل کا چین اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے ورنہ منہ میں کباب ہوگا اور دل پر عذاب ہوگا۔ چاہے ساری دنیا کے اسباب راحت اور اسباب خوشی جمع کر لو اگر اللہ ناخوش ہے تو کسی چیز سے چین نہیں پاسکتے۔ دلوں کا چین صرف اللہ ہی کی یاد میں ہے۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بویا بھی پھر ہمیں تخت سلیمٰں تھا

چنائی پر ملے گا تخت شاہی
اگر حاصل کرو عشق الہی

کھلا کیا راز سلطانِ بلخ پر
فقیری لی ہے دے کر تاج شاہی

یہ دونوں شعر اختر کے ہیں جو آپ سے خطاب کر رہا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد سے قلب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے لیکن اللہ کی یاد کیا ہے؟ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے اللہ کو راضی رکھنا اور اللہ کی نافرمانی کر کے اللہ کو ناراض نہ کرنا اس کا نام اللہ کی یاد ہے۔ اور اس میں رسوخ حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے کہ ایک لمحہ کو اللہ سے غافل نہ ہو۔ اللہ کی راستہ کے مجاہدات اور تقویٰ کا غم یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا غم اٹھانے سے قلب کو ایک مزاج سالمیت عطا ہوتا ہے، مزاج میں سلامتی آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کی راہوں سے ایک ذرہ خوشی لینا وہ اپنی ایمانی غیرت کے خلاف سمجھتا ہے۔ اگر غیر شعوری طور پر بھی کسی شکل سے حرام نمک کے مزہ کا ایک ذرہ آجائے تو اس کے قلب کے تھرمامیٹر میں آجاتا ہے۔ جیسے بجلی کہیں شارٹ ہو رہی ہو تو میٹر میں بجلی جل جاتی ہے جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں سے بجلی ضائع ہو رہی ہے۔ اسی طرح جب ایمان ضائع ہونے کا نقطہ آغاز اور زیرو پوائنٹ شروع ہوتا ہے تو فوراً اس کے قلب کا میٹر بتا دیتا ہے کہ یہاں سے کوئی حرام لذت، اللہ کی نافرمانی کی راہ سے کوئی خوشی آرہی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ تنبیہ عطا فرماتے ہیں۔ پھر وہ سالک کہتا ہے کہ اے اللہ آپ کی ناخوشی کی راہ

سے اگر ایک اعشاریہ خوشی بھی ہمارے دل میں آگئی تو ہم ندامت کے ساتھ آپ سے معافی چاہتے ہیں کیونکہ آپ کو ناخوش کر کے ہم خوشی حاصل کریں یہ ہماری بندگی، آداب بندگی، حقوق بندگی اور شرافت بندگی کے خلاف ہے۔

لہذا ایر پورٹ پر ہو، یا ہوائی جہاز پر ہو، یا بازار میں ہو، کہیں بھی ہو اگر کوئی ایسی شکل سامنے آجائے جس سے دل ذرا سا بھی خوش ہو جائے تو سمجھ لو یہ فرحت مومن کے لئے زہر قاتل ہے، اللہ کی دوستی کے حصول کے لئے سخت مضر ہے۔ اللہ کو ناخوش کر کے ایک ذرہ خوشی دل میں لانا اس کو معمولی گناہ مت سمجھو۔ اس سے دل کا قبلہ ہی بدل جاتا ہے جو قلب نوے ڈگری اللہ کی طرف متوجہ تھا اس کو ایسا نقصان پہنچتا ہے کہ اللہ سے اس کا ایک سو اسی ڈگری انحراف ہوتا ہے کہ دل کا رخ اس حسین کی طرف اور پشت اللہ کی طرف ہو جاتی ہے۔ العیاذ باللہ، اور ایمان کی تازگی اور اللہ کی لذتِ قرب کے باغ میں آگ لگ جاتی ہے کیونکہ بد نظری گناہِ کبیرہ ہے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سال دو سال کسی پودے کو کھاد پانی دو یہاں تک کہ وہ لہلہانے لگے اور پھر وہیں اس کے قریب اگر کسی نے آگ لگادی تو سال دو سال کی محنت ضائع ہو جائے گی اور اس پودے کے پھول پتے سب مرجھا جائیں گے۔ اسی طرح گناہِ کبیرہ سے نسبت مع اللہ کو اتنا ہی نقصان پہنچتا ہے۔ ذکر و

تہجد و تلاوت اور شیخ کی محبت سے اللہ کے تعلق کا جو باغ لگا ہوتا ہے گناہ کبیرہ یعنی بد نظری وغیرہ سے ایمان کا وہ ہرا بھرا پودا جل جاتا ہے۔ پھر ایک عرصہ لگے گا تب جا کر دوبارہ یہ ہریالی آئے گی۔ اس لئے قلب کی سلامتی کی علامت یہی ہے کہ حرام خوشی کے اسباب کو دیکھ کر وہ مست نہیں ہوتا بلکہ نادم ہو کر مستغفر ہو جاتا ہے اور جو صاحب نسبت نہیں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ سے تعلق خاص نصیب نہیں ہے وہ مست ہو جاتا ہے، وجد کرنے لگتا ہے، اس کے نفس کا سانپ بھومنے لگتا ہے کہ آہا کیسی پیاری شکل آرہی ہے، اب خوب دیکھیں گے تو سمجھ لو کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے قرب ولایت سے محروم ہے، اس کے مزاج میں ابھی دوزخی مزاج شامل ہے، اعمال دوزخ سے اس کی مناسبت ابھی ختم نہیں ہوئی، اللہ کے دئے ہوئے رزق سے طاقت حاصل کر کے ان طاقتوں کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شخص اہل اللہ کے مقام صدق اور مقام وفا سے بہت دور ہے، یہ اللہ کے راستہ میں انتہائی بے وفا اور غدار ہے کہ اللہ کی روٹیاں کھا کر نفس و شیطان کی بات مان رہا ہے اور جو صاحب نسبت ہے، صاحب ولایت ہے، صاحب قسمت ہے اور صاحب دولت قرب ہے حسینوں کو دیکھ کر اس کے قلب میں لرزیدگی آئے گی، وہ کانپنے لگے گا کہ یا اللہ بچا اور میرے حال پر رحم فرما، میں آپ کو ناراض کر کے اپنے دل کو خوش نہیں کرنا چاہتا۔ جب یہ جذبہ نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ آج

اس کو اللہ کی دوستی نصیب ہو گئی، اللہ سے اس کا تعلق قوی ہو گیا اور نفس سے تعلق کمزور ہو گیا، یہ دشمن کی گود سے نکل گیا اور دوست کی گود میں آ گیا، اللہ کی آغوشِ رحمت میں یہ شخص مقبول ہو گیا۔

لہذا ہم سب اللہ سے اللہ کی ایسی محبت مانگیں کہ ایک لمحہ اس مالک کو ناخوش کر کے اپنے دل میں حرام خوشیاں نہ لائیں کیونکہ اس نمک حرامی میں انسانیت کا زوال ہے، عروج نہیں ہے خروج ہے۔ ایسی خوشیاں ذکر اللہ کے منافی ہیں اور اطمینانِ قلب کا مدار ذکر پر ہے۔ تو جب قلب ذکر سے محروم ہو گیا تو اطمینان سے بھی محروم ہو جائے گا، نہایت بے اطمینانی اور بے چینی کی زندگی رہے گی۔ بتائیے قرآن پاک کی یہ آیت کیا دلالت کرتی ہے کہ غیر اللہ سے چین اور خوشیاں لینے والا اطمینان پائے گا یا بے چینی پائے گا؟ ارے اللہ سے دور ہو کر چین کا خواب بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ لہذا اللہ سے دوری ہم سب کو اتنی نا پسندیدہ ہو جائے جیسے مچھلی کو پانی سے دوری میں بے چینی شروع ہو جاتی ہے اور پانی سے دور ہوتے ہی مچھلی تڑپ کر دریا میں جاتی ہے، آہستہ نہیں جاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ﴾

ہماری یہ آیت دلیل ہے کہ تمہاری جانیں مچھلی ہیں اور ہمارا دریائے قرب تمہارے لئے حیات ہے۔ اگر تم نے ہم کو ناراض کر کے حرام

خوشی در آمد کی تو جیسے مچھلی پانی کے باہر تڑپتی ہے تم بھی تڑپتے رہو گے لہذا میری طرف آہستہ آہستہ مت آنا، توبہ میں دیر مت کرو، غلط ماحول کو آہستہ آہستہ مت چھوڑو بلکہ جلدی تڑپ کر میرے پاس آ جاؤ ففروا الی اللہ ای عما سوی اللہ غیر اللہ سے فرار اختیار کرو اور فرار کے معنی ہیں کہ فوراً بھاگو، خراب حالت میں ایک لمحہ قرار مت پکڑو، ایک لمحہ کسی نامحرم کے چہرے اور گالوں اور بالوں پر نظر نہ ٹھہراؤ، قرار چاہے ایک سیکنڈ کا ہو یا دس گھنٹہ کا، قرار تو ہے اور فرار کے خلاف ہے۔ ففروا کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم فوراً غیر اللہ سے فرار اختیار کریں، ایک لمحہ کو قرار نہ پکڑیں، ایک سیکنڈ کو کسی حسین پر نظر نہ ڈالیں۔ ایک فرانسیسی ایر ہو سٹس ہوائی جہاز پر میر صاحب سے تعویذ لینا چاہتی تھی، اسے کچھ پریشانی تھی، وہ سیٹ کے قریب زمین پر بیٹھ کر با ادب ان سے پوچھ رہی تھی اور میر صاحب نظریں نیچی کر کے اسے بتا رہے تھے۔ اگر یہ صحبت یافتہ نہ ہوتے تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آئی سی آئی سی (I see, I see) کرتے اور آئی سی سی سے ان کی سی سی حرام لذت سے بھر جاتی۔ اس لئے اللہ کے راستہ میں اللہ کی ناخوشی کی راہوں سے زیادہ نہیں صرف ایک ذرہ خوشی کی بد مستیوں سے جھوم کر آہا آہا کرنے سے کام نہیں چلے گا، آہ سے کام چلے گا، آہا آہا نہیں چاہئے، آہ آہ چاہئے۔ اللہ کے راستہ کا غم اٹھالو لیکن ایک ذرہ حرام خوشی سے اپنا دل خوش نہ کرو اور دعا کرو

کہ اے اللہ ہماری زندگی آپ کے لئے وقف ہو جائے۔ آپ ہی نے ہم کو زندگی دی ہے اور اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے تو پھر کس کا حق ہے جس پر ہم اپنی زندگی کو وقف کریں۔ جب اللہ ہی نے ہمیں حیات دی ہے تو اللہ کے لئے ہی ہماری حیات وقف ہونی چاہئے لیکن ہم اپنے اجزاء تو وقف اللہ کرتے ہیں مثلاً کتاب دے دی، پیسہ دے دیا، غلہ دے دیا اور مہتمم سے کہہ دیا کہ یہ وقف اللہ ہے مگر ذرا اپنی ذات کو بھی تو وقف اللہ کرو۔ خیرات تو وقف اللہ کرتے ہو، حیات کو بھی تو وقف اللہ کر کے دیکھو، ایسا بے مثل مزہ پاؤ گے کہ بھول جاؤ گے ساری بدمستیاں اور مردہ خوریاں اور جسم کے گراؤنڈ فلور کی گندگیاں، جب پا جاؤ گے ایمان اور تقویٰ کی ہتھکیاں۔

چراغِ مُردہ کجا شمع آفتاب کجا

کہاں یہ حُسنِ مجازی کے بجھے ہوئے چراغ اور کہاں اللہ تعالیٰ کے قرب کا آفتاب۔ اللہ کے قرب کی لذت جس نے پالی اس نے سلطنتِ بیچ دی بلکہ بیچنا کہاں مفت میں خیرات کر دی۔ لہذا میں کہتا ہوں کہ مزہ کی نیت ہی سے تقویٰ کا راستہ اختیار کر لو کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا مزہ بے مثل ہے، دائمی ہے، بے مثل پاکیزگی کا حامل ہے، دونوں جہان کی عزت و راحت، سکونِ دل اور طمانینتِ قلب و روح کا ضامن ہے، اس کے مزہ کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

بوئے آں دلبر چو سراں می شود

ایں زباں ہا جملہ حیراں می شود

جب اللہ کی خوشبو اڑ کر میرے قلب میں آتی ہے تو کوئی زبان اللہ کی اس لذتِ قرب کو بیان نہیں کر سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی لذت غیر محدود ہے، غیر فانی ہے اور ہماری زبان و لغت فانی ہے اور محدود ہے۔ لہذا غیر فانی اور غیر محدود لذت کو ہماری فانی اور محدود لغت کیسے تعبیر کر سکتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مزہ چھوڑو بلکہ کہتا ہوں کہ مزہ لینے کے لئے اللہ کی طرف دوڑو، مزہ لینے کے لئے آؤ، دائمی مزہ، پاکیزہ لذت، بے مثل، غیر فانی اور غیر محدود لذت۔

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے

مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

یہ کیا ہے کہ اُلو کی طرح دیکھ کر جھوم رہے ہیں اور جب وہی اُسی برس کی ہو جائے گی تو بھاگو گے گدھے کی طرح

﴿ حُمْرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴾

یہ بھاگنا اہل اللہ کا بھاگنا نہیں ہے، اس وقت تو کافر بھی بھاگ جاتا ہے۔ جب حسینوں پر بڑھاپا آ جاتا ہے تو کیا یہودی اور عیسائی ان کی طرف دیکھتا ہے؟ اگر بڑھاپے کے بعد بھاگے تو کیا کمال کیا۔ عین عالم

شباب میں جب کہ شبابِ حسن لہلہا رہا ہو اس وقت نظر بچا کر اپنی ولایت اور اللہ کی دوستی کا ثبوت پیش کرو تب معلوم ہوگا کہ آپ کے اندر کچھ ہے اور بڑھاپے کی فنایت اور زوالِ حسن پر آپ کی نظر ہے اور یہی دلیل ہے کہ آپ کو دولتِ لازوال حاصل ہے۔ جو بندہ معرضِ زوال لذتوں سے بچ جائے تو یہی دلیل ہے کہ اس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ لازوال سے نوازا ہے۔

یہ مضامین اولیاء اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سامعین کی خاطر عطا فرماتے ہیں کتنے محدثین اور علماء اس وقت یہاں بیٹھے ہیں اور یہ لوگ کتنی تکلیفیں اٹھا کر مختلف ممالک سے ہزاروں میل سے آئے ہیں تو ان کی قسمت سے دسترخوان پر تقویٰ اور قربِ الہی کی عمدہ بریانی نہیں آئے گی؟ یہی ایک مضمون جو اس وقت بیان ہوا اگر ہم اس پر عمل کر لیں تو اولیاء صدیقین کی خطِ انتہا تک ان شاء اللہ پہنچ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے ہم لوگ اس مقام کو مانگیں کہ یا اللہ ہم تو نااہل ہیں، نالائق ہیں لیکن آپ کریم ہیں جو نالائقوں کو بھی اپنے کرم سے محروم نہیں فرماتے۔ اس لئے محض اپنے کرم سے بدون استحقاق ہم کو اولیاء صدیقین کی آخری سرحد تک پہنچا دیجئے۔

بر کریمیاں کار ہا دشوار نیست

چوں عنایات شود با ما مقیم
کے بود بیمے ازاں دزدے لنیم

اے خدا اگر آپ کی عنایت اور محبت اور آپ کی رحمت اور مدد ہمارے ساتھ مقیم ہو جائے۔ مقیم کا لفظ کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ آپ کی رحمت مستقلاً ہمارے ساتھ ہو جائے۔ یہ نہیں کہ کبھی رحمت آجائے اور کبھی ہماری نالائقی کے سبب اللہ اپنی رحمت ہٹالے۔ اگر اللہ کی رحمت ہمیشہ ہمارے ساتھ نہ ہو تو ہم پھر خراب ہو جائیں گے۔ مثلاً ملتزم پر رحمت ہمارے ساتھ مقیم ہوئی تو مستغفر و تائب ہو گئے اور اپنے ملکوں میں آتے ہی پھر سارے گناہ شروع کر دئے، رمضان میں تو ولی اللہ ہو گئے اور عید کا چاند دیکھتے ہی شیطان بن گئے اور تقویٰ کا لبادہ اتار کر پھینک دیا۔ یہ دلیل ہے کہ ہماری شامت اعمال کے سبب دوام عنایت حق ابھی ہمیں حاصل نہیں اسی لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَافِیَةَ وَ دَوَامَ
الْعَافِیَةِ وَ الشُّکْرَ عَلٰی الْعَافِیَةِ

اے اللہ میں آپ سے عافیت مانگتا ہوں اور دوام عافیت مانگتا ہوں اور عافیت پر شکر کی توفیق مانگتا ہوں۔ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ المسمیٰ بالمرقاۃ میں عافیت کے یہ معنی لکھے ہیں اَلسَّلَامَةُ فِی الدِّیْنِ مِنَ الْفِتْنَةِ

وَالسَّلَامَةُ فِي الْبَدَنِ مِنْ سَيِّئِي الْأَسْقَامِ وَالْبَحْثَةُ لِعَيْنِي دِينَ سَلَامَتِ رَهْ
 گناہوں سے اور بدن سلامت رہے بُرے بُرے امراض سے اور محنت
 شاقہ سے ۔ معلوم ہوا کہ دوامِ عافیت و دوامِ عنایتِ حق مطلوب ہے
 کہ اس سے ہی ہمارا دین اور ہماری دنیا سلامت رہ سکتی ہے اور شکر سے
 نعمت میں ترقی ہوتی ہے اور حقیقی شکر تقویٰ ہے کما قال تعالیٰ :

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ
 أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم نہایت کمزور تھے پس تم
 تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ ۔ پس جو چاہے کہ
 اللہ تعالیٰ کی عنایات دائماً اس کے ساتھ مقیم ہو جائیں تو اس کا طریقہ
 تقویٰ ہے ۔

تو مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ اگر آپ کی عنایت و مہربانی و
 رحمت ساتھ مقیم ہو جائے یعنی دائماً ہمارے ساتھ رہے ، دوامِ عنایت
 نصیب ہو جائے ایک لمحہ بھی ہم آپ کی عنایت سے محروم نہ ہوں تو
 پھر اس چور اور کینے نفس و شیطان سے ہمیں کوئی خوف نہیں ، پھر یہ
 ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے اور
 جس کو اللہ نہ رکھے ساری دنیا اس کو چکھے ۔ یہ آخری جملہ اس محاورہ
 میں احقر کا اضافہ ہے ۔

آبِ خوش را صورت آتش مدہ اندر آتش صورت آبی منہ

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ پانی کو ہمیں آگ نہ دکھائیے یعنی گناہوں کی وجہ سے آپ دلوں کو اور آنکھوں کو بدل دیتے ہیں جس سے خلاف حقیقت نظر آنے لگتا ہے لہذا ہمیں ایسے عذاب سے بچائیے کہ آپ کا راستہ اور آپ کے اولیاء کا راستہ جو پانی کی طرح صاف شفاف اور حیات بخش ہے ہمیں آگ کی طرح خوفناک اور خراب معلوم ہونے لگے اور آگ میں ہمیں پانی نہ دکھائیے یعنی نافرمانی اور گناہوں کا راستہ جو جہنم کی آگ کا راستہ ہے اس کو ہمیں لذیذ اور راحت انگیز نہ دکھائیے، ایسا نہ ہو کہ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہم تقلیب البصار کے امتحان میں مبتلا ہو جائیں اور گناہوں کی لذت کے فریب میں آجائیں کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ

حُبِّبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ ----- الخ

کہ جہنم کی آگ کو شہوات اور لذات نفسانیہ کے پردہ سے چھپا دیا گیا ہے جو اس پردہ کو چاک کرے گا جہنم میں جا گرے گا لہذا گناہوں کے اعمال میں ہم کو لذت اور مستیاں نہ دکھائیے ورنہ ہم برباد ہو جائیں گے کیونکہ گناہوں کی وجہ سے عقل خراب کر دی جاتی ہے، پھر گناہ اس کو نہایت لذیذ معلوم ہونے لگتے ہیں اور اس لذت کے اندر جو

کلفت چھپی ہوئی ہے اس کا احساس نہیں رہتا۔ یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ گناہوں سے عقل میں فتور آجاتا ہے اور نیکیوں سے اور تقویٰ سے عقل میں نور آتا ہے جس کی وجہ سے نیک اعمال اس کو لذیذ معلوم ہوتے ہیں اور اللہ کے راستہ کی تکلیفوں میں اس کو مزہ آتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ

حُجِّبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ

جنت تکلیفوں سے ڈھانپ دی گئی ہے۔

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیجئے اور تقلیبِ ابصار کے عذاب سے ہمیں محفوظ فرمائیے۔ حق کو حق اور باطل کو باطل دکھائیے رب لا تجعلنی بدعاءك شقیبا و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔



مجلس درس مثنوی

۱۸ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۹۸ء بروز ہفت
بعد نماز فجر بر مقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

قطرۂ دانش کہ بخشیدی ز پیش متصل گرداں بہ دریا ہائے خویش

ارشاد فرمایا کہ دانش دانستن سے ہے جس کے
معنی ہیں جاننا، اس کا مضارع ہوتا ہے داند پھر داند کا دال گرا کر شین
بڑھانے سے حاصل مصدر بن گیا۔

حضرت جلال الدین رومی ارشاد فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ نے
اپنے کرم سے علم و دانش کا ایک قطرہ جو مجھے بخشا ہے اسے اپنے غیر
محدود دریائے علم سے متصل فرمادیجئے۔ جس کے قطرۂ علم کا اتصال
حق تعالیٰ کے غیر محدود دریائے علم سے ہو گیا پھر سوچ لو کہ اس کا علم
کیسا ہوگا۔ اس کا علم کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس لئے اللہ والے علماء کے علم
کو علماء ظاہر نہیں پاسکتے۔ جن کا قطرۂ علم کتب بینی سے متعلق ہے اور
جن کا قطرۂ علم اللہ تعالیٰ کے دریائے غیر محدود سے متصل ہے

دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کنواں کھودا اور اس میں باہر سے پانی بھر دیا یہ پانی ایک دن ختم ہو جائے گا۔ یہ مثال ہے علماء غیر صاحب نسبت کے علم کی جنہوں نے کتب بینی سے علم کے حروف اور نقوش تو حاصل کئے لیکن کسی ولی اللہ کی صحبت میں رہ کر علم کی روح حاصل نہیں کی جس کے متعلق ایک محدث کا شعر ہے جو میرے خلیفہ بھی ہیں اور جن کو حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پڑھانے کے لئے جنوبی افریقہ بھیجا تھا، ان کا یہ شعر بہت عمدہ ہے۔

اگر ملی نہ غلامی کسی خدا کے ولی کی
تو علم درسِ نظامی کو علم ہی نہیں کہتے

اور عالم صاحب نسبت کے علم کی مثال یہ ہے کہ جیسے کنواں کھودا اور اتنا کھودا کہ گہرائی میں پانی کے چشمہ تک پہنچ گئے اور زمین کے اندر سے سوتہ پھوٹ گیا اب اس کنویں کا پانی کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو عالم اللہ اللہ کرتا ہے، کسی اللہ والے سے اللہ کے لئے دل و جان سے محبت کرتا ہے اور اس سے اپنے نفس کی اصلاح کراتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے، گناہوں سے بچنے کا غم اٹھاتا ہے، اس اللہ والے کی برکت سے اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اس کے قطرۂ علم کا اتصال اللہ تعالیٰ کے غیر محدود دریائے علم سے ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا علم ختم

نہیں ہوتا اور اس کو ایسے ایسے علوم عطا ہوتے ہیں کہ علماء ظاہر انگشت
بدنداں رہ جاتے ہیں کہ یہ علوم اس کو کہاں سے آرہے ہیں جو کتابوں
میں نہیں ملتے ۔

بنی اندر خود علوم انبیاء

بے کتاب و بے معید و اوستا

اپنے اندر علوم انبیاء کا فیضان دیکھتا ہے بغیر کتاب و استاد کے ۔ اگلے
شعر میں مولانا اس کی وجہ بیان کرتے ہیں ۔

خم کہ از دریا در او راہے شود

پیش او جیحون ہا زانو زند

جس مکے کو سمندر سے خفیہ رابطہ ہو جائے تو اس کے سامنے بڑے
بڑے دریائے جیحون اور دریائے فرات زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں
کیونکہ ان دریاؤں کا پانی خشک ہو سکتا ہے لیکن اس مکے کا پانی خشک نہیں
ہو سکتا کیونکہ اس میں خفیہ راستہ سے سمندر سے پانی آرہا ہے ۔ یہی وجہ
ہے بڑے بڑے علماء ظاہر جب کسی صاحب نسبت کی خدمت میں گئے
تو حیران رہ گئے کہ یا اللہ یہ کیا علوم ہیں جن کی ہمیں ہوا بھی نہیں
لگی ۔ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا علم معمولی نہیں تھا، شرق اوسط
تک ان کے علم کا غافلہ تھا لیکن شروع میں یہ تصوف کے قائل نہیں

تھے۔ حضرت کے بھانجے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے مراسم تھے۔ ایک دفعہ مولانا نے ان کو مثنوی کا ایک شعر لکھ کر بھیج دیا جس سے سید صاحب کے دل پر چوٹ لگ گئی وہ کیا شعر تھا۔

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

قال کو چھوڑو اور صاحبِ حال بنو اور کیسے بنو گے؟ کسی مردِ خدا صاحبِ نسبت کے سامنے اپنے نفس کو مٹا دو۔ سید صاحب تھانہ بھون پہنچ گئے اور حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ہی مجلس سے اتنے متاثر ہوئے کہ مجلس کے بعد خانقاہ کی چوکھٹ پکڑ کر رونے لگے اور فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ میں بہت بڑا عالم ہوں لیکن آج معلوم ہوا کہ مجھے تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی، علم تو اس بوڑھے بوریہ نشین کے پاس ہے اور پھر یہ شعر فرمائے۔

جانے کس انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شبہ باطل ہوا
آج ہی پایا مزہ قرآن میں
جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا
چھوڑ کر تدریس و درس و مدرسہ
شیخ بھی رندوں میں اب شامل ہوا

اس آخری شعر میں بظاہر درس و تدریس و مدرسہ کی توہین معلوم ہوتی ہے لیکن توہین نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ پہلے منطق و فلسفہ اور علوم ظاہرہ کا غلبہ تھا، اب عشق الہی کا غلبہ ہو گیا، علم درجہ ثانوی ہو گیا اور مولیٰ درجہ اولیٰ ہو گیا یعنی جو علم مدرسوں میں عالم منزل مولیٰ کرتا ہے پہلے اسی کو کافی سمجھتے تھے اور اللہ والوں کی صحبت سے جو دردِ محبت اور آہ و فغاں اور ان علوم پر عمل کی توفیق ملتی ہے جو ہمیں بالغ منزل مولیٰ کرتی ہے اس کی دل میں اہمیت نہ تھی۔ اب زاویہ نگاہ بدل گیا اور یقین آگیا کہ مولیٰ افضل ہے علم مولیٰ سے لیکن علم مولیٰ بھی ضروری ہے ورنہ مولیٰ کا راستہ کیسے معلوم ہوگا اس لئے درس و تدریس بھی ضروری ہے، کچھ علماء ایسے ہونے چاہئیں جن کا علم زبردست ہو لیکن ان کے علم پر اللہ کی محبت غالب ہو پھر ایسا عالم نور علی نور ہوتا ہے، جس کے علم پر اللہ کی محبت غالب ہو گئی اس کے علم میں چاشنی بڑھ جاتی ہے اور ایک عالم اس سے سیراب ہوتا ہے لہذا اس شعر سے مراد مدرسہ چھوڑنا نہیں ہے بلکہ مدرسہ کے علوم پر اللہ کی محبت کو غالب رکھنا ہے تاکہ عالم منزل بالغ منزل ہو جائے اور یہ نعمت خافقاہوں سے، اہل دل کے سینوں سے ملتی ہے۔

اس کے بعد سید صاحب نے حضرت حکیم الامت سے بیعت کی درخواست کی لیکن واہ رے حکیم الامت۔ حضرت نے ان کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ میں ابھی آپ کو بیعت نہیں کروں گا۔ آپ کی

فلاں فلاں تصنیف میں فلاں فلاں غلطی ہے جو ہمارے اکابر اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہے لہذا العلانیۃ بالعلانیۃ کے تحت اپنے رسالہ میں ان اغلاط سے اپنا رجوع شائع کریں تو پھر آپ کو بیعت کروں گا۔ یہ سید صاحب کا بہت بڑا امتحان تھا کیونکہ اتنے بڑے عالم کو اپنی علمی کوتاہیوں کے اعلان میں جاہ مانع ہوتی ہے لیکن سید صاحب کے چوٹ لگ چکی تھی۔ گئے اور اپنے دارالمصنفین کے رسالہ المعارف میں اعلان شائع کیا اور رسالہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خوش ہو گئے اور فرمایا ۔

از سلیمان گیر اخلاص عمل

اگر اخلاص سیکھنا ہے تو سید سلیمان ندوی سے سیکھو اور سید صاحب کو بیعت کر لیا۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب کوئی غیر عالم کسی اللہ والے سے بیعت ہو کر اللہ اللہ کرتا ہے تو صاحب نور ہوتا ہے لیکن جب کوئی عالم سلسلہ میں داخل ہوتا ہے اور اللہ اللہ کرتا ہے تو نور علی نور ہو جاتا ہے ایک علم کا نور دوسرے ذکر کا نور۔ سید صاحب نے جب اللہ اللہ کیا اور اللہ کی محبت کا مزہ ملا، نسبت عطا ہوئی اس وقت کے ان کے اشعار عجیب و غریب ہیں۔ فرماتے ہیں ۔

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیر دور جام ہے

اور نمازِ تہجد کے بارے میں فرمایا ۔

وعدہ آنے کا شبِ آخر میں ہے
صبح سے ہی انتظارِ شام ہے

حضرت حکیم الامت سے تعلق کے بعد سید صاحب کے حالات بدل گئے اور حضرت نے خلافت بھی عطا فرمائی اور شیخ کی محبت میں ان کے یہ اشعار بہت درد بھرے ہیں ۔

جی بھر کے دیکھ لو یہ جمالِ جہاں فروز
پھر یہ جمالِ نور دکھایا نہ جائے گا
چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
جلتا رہے گا یوں ہی بجھایا نہ جائے گا

جس کو جو ملا ہے شیخ کی غلامی ہی سے ملا ہے ورنہ عالم کے علم پر اس کے نفس کے اندھیرے چھائے رہتے ہیں ، اپنے علم پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی اور اگر عمل ہوتا ہے تو اخلاص نہیں ہوتا ، علم کی کیمت تو ہوتی ہے کیفیت نہیں ہوتی ۔ حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص بغیر صحبت اہل اللہ کے مل ہی نہیں سکتا ۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ غیر صحبت یافتہ عالم کے علم و عمل میں فاصلے ہوں گے ۔ علم اس کے لئے شہرت و جاہ اور تن پروری کا ذریعہ ہوتا ہے ۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

علم را برتن زنی مارے بود علم گر بردل زنی یارے بود

علم کو اگر تن پروری اور شہرت و جاہ و مال کے لئے استعمال کرو تو یہ علم تمہارے لئے سانپ ہے جو تمہیں ہلاک کر دے گا لیکن اگر علم کو دل پروری کا ذریعہ بناؤ کہ دل بن جائے، دل اللہ والا ہو جائے، اللہ کی رضا حاصل ہو جائے تو یہ علم تمہارا بہترین دوست ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں ہے، ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ :

مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
حَتَّى يَرْجِعَ (باب فضل طلب العلم ص ۹۳ ج ۲)

جو اللہ کی رضا کے لئے علم کی طلب میں گھر سے نکلا اس کے لئے اس مجاہد کا ثواب ہے جو جہاد کے لئے نکلا ہے یہاں تک کہ وہ گھر لوٹ آئے کیونکہ دین کو زندہ کرنے میں اور شیطان کو ذلیل کرنے میں اور نفس پر مشقت اٹھانے میں وہ مجاہد ہی کی طرح ہے۔ اسی طرح علماء سوء کے لئے جو علم کو دنیا داری، تن پروری اور اپنی عزت و جاہ کے لئے آلہ کار بناتے ہیں احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ
السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وَجْهَهُ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ
(ترمذی باب ما جاء في من يطلب بعلمه الدنيا ص ۹۴ ج ۲)

یعنی جو اس نیت سے علم حاصل کرے کہ علماء سے فخر کرے یا بے وقوفوں اور جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کو اس کے ذریعہ اپنی طرف متوجہ کرے تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں، مراد یہ ہے کہ علم سے اس کی غرض طلب دنیا، شہرت و مال و جاہ وغیرہ ہو اس کے لئے جہنم کی وعید ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے :

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُتَنَغَّى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ لَا يَتَعَلَّمُهُ
إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفًا لِحَقِّهِ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْنَى رِيحَتُهَا (ابن ماجہ باب الانتفاع بالعلم والعمل
بہ ص ۲۲ - ابو داؤد کتاب العلم ، باب فی طلب العلم بغیر اللہ)

یعنی قرآن و حدیث کا جو علم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سیکھا جاتا ہے اس علم کو اگر کوئی اس لئے سیکھتا ہے کہ دنیا کا مال و متاع حاصل کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

اس لئے تحصیل علوم دینیہ کے لئے تصحیح نیت اور اخلاص انتہائی ضروری ہے۔ اگر یہ حاصل نہیں تو علم اس کے لئے وبال ہے اور اخلاص بغیر اللہ والوں کی صحبت کے نہیں ملتا۔ بڑے سے بڑا علامہ بھی اگر اللہ والوں سے مستغنی ہوگا تو اس کا علم اس کو نفس کی قید سے آزاد نہیں کرا سکتا۔ اس کے نورِ علم پر نفس کے اندھیرے ہوں گے جس

سے اس کا علم نہ خود اس کے لئے مفید ہوگا نہ اُمت کے لئے مفید ہوگا۔ اس لئے مولانا رومی دعا کرتے ہیں کہ ۔

قطرۂ علم است اندر جان من
وا رہانش از هوا و ز خاک تن

اے اللہ علم کا جو قطرہ آپ کا بھٹیہ اور عطا فرمودہ میری جان میں موجود ہے اس قطرۂ علم پر میری خواہشات نفس کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں اور وہ قطرۂ علم میری خاک تن یعنی میرے عناصر اربعہ (آگ مٹی پانی اور ہوا) کے گندے تقاضوں میں چھپا ہوا ہے آپ اپنے کرم سے اے نفس کی قید سے رہائی دلا دیجئے اور اپنے دریائے نور سے میرے اس قطرۂ علم کو متصل فرمادیجئے کیونکہ آپ کے نور کے سامنے ہوائے نفس کے اندھیروں کی کیا مجال ہے جو ٹھہر سکیں ۔
مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

کہ گریزد ضدہا از ضدہا
شب گریزد چوں بر افروزد ضیا

ہر ضد اپنی ضد سے بھاگتی ہے جس طرح رات کی تاریکی بھاگ جاتی ہے جیسے ہی صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے ۔

انسان کی تخلیق عناصر اربعہ سے ہوئی ہے یعنی آگ پانی مٹی اور

ہوا سے اور یہ چاروں چیزیں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ان کو روح روکے ہوئے ہے لہذا جب روح نکل جاتی ہے تو چاروں عنصر اپنے اپنے مراکز اور مستقر کی طرف چلے جاتے ہیں۔ آگ آگ میں، پانی پانی میں، مٹی مٹی میں اور ہوا ہوا میں مل جاتی ہے چنانچہ چھ ماہ بعد اگر قبر کھود کے دیکھو تو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے روح جتنی زیادہ قوی ہوگی اتنے ہی عناصر اربعہ مغلوب اور تابع رہیں گے کیونکہ جب مرکز قوی ہوتا ہے تو حزب اختلاف یعنی اپوزیشن دبی رہتی ہے اور اگر مرکز کمزور ہو گیا تو حکومت اپوزیشن کی ریشہ دوانیوں سے پریشان رہتی ہے اور صوبوں میں انتشار، کشمکش اور بغاوت شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح روح میں طاقت اللہ کی عبادت، فرماں برداری اور نور تقویٰ سے آتی ہے لہذا جسم کے عناصر متضادہ پر روح کی گرفت اور کنٹرول صحیح رہتا ہے اور یہ عناصر سکون سے رہتے ہیں اور گناہ روح کو کمزور کرتا ہے۔ لہذا بد نظری عشق مجازی اور غیر اللہ سے عشق بازی میں پریشانی بڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے روح کمزور ہو گئی اور اس کے اپنے عناصر اربعہ متضادہ پر اس کا کنٹرول کمزور ہو گیا اور دوسرے بد نظری کر کے اور کسی معشوق کو دل دے کر اس معشوق کے چار عناصر متضادہ کا بوجھ بھی اس نے اپنے سر لے لیا اس طرح اب آٹھ عناصر کا بوجھ پڑ گیا، چار اپنے عناصر متضادہ کا بوجھ اور چار اس معشوق مجازی کے عناصر کا بوجھ۔ نافرمانی سے روح تو کمزور ہو گئی اور عناصر

متضادہ کا بوجھ دوگنا ہو گیا گویا مرکز کمزور ہو گیا اور اپوزیشن قوی ہو گئی لہذا صوبوں میں کشمکش، انتشار اور بغاوت شروع ہو جاتی ہے، آنکھوں کے صوبہ میں بغاوت ہوتی ہے کہ اس معشوق کو دیکھ کر حرام لذت حاصل کرتی ہیں، کانوں کا صوبہ بھی بغاوت کرتا ہے اور اس معشوق کی باتوں سے حرام لذت در آمد کرتا ہے، اسی طرح ہاتھ پاؤں کان ناک سب اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس سے روح معذب اور بے چین ہو جاتی ہے کہ ایک پل کو سکون نہیں پاتی اسی لئے اکثر ایسے لوگ آخر میں یا پاگل ہو جاتے ہیں یا خود کشی کر لیتے ہیں اور تاریخ میں ایک مثال نہیں مل سکتی کہ کسی اللہ والے نے خود کشی کی ہو یا پاگل اور مجنوں ہو گیا ہو۔ میرا شعر ہے ۔

خدا کی سرکشی سے خود کشی ہے مل و دولت میں
کبھی اللہ والوں سے نہیں ایسا سنا جاتا
بتوں کے عشق سے دنیا میں ہر عاشق ہوا پاگل
گناہوں سے سکوں پاتا تو کیوں پاگل کہا جاتا

عشق مجازی کی یہ تقریر فلسفیانہ اور منطقیانہ ہے، نہ میں نے کہیں سنی نہ پڑھی اور شاید آپ نے بھی کہیں نہ سنی ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے میرے دل کو یہ مضمون عطا فرمایا فالحمد للہ رب العالمین ۔

تو دار ہانش از ہوا و ز خاک تن میں ہوا سے مراد ہوائے نفس ہے

یعنی نفس کی بُری بُری خواہشات ، گناہوں کے گندے تقاضے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ کہ میرے خاص بندے بُری خواہش کو روکتے ہیں یہ اہل جنت کا راستہ ہے۔ اس آیت کی ترتیب میں غور کیجئے تو یہ بات سمجھ میں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ النّٰحِ﴾

جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا ہو یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوال اعمال اور حساب کتاب سے اتنا ڈرے جس کا ثمرہ یہ مرتب ہو کہ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ اپنے نفس کو بُری خواہش سے روک دے فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ایسے لوگوں ہی کا ٹھکانہ جنت ہے۔ معلوم ہوا کہ اتنا خوف مطلوب ہے جو نفس کو بُری خواہش سے روک دے یہ اہل جنت کا راستہ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان سے کبھی خطا ہی نہیں ہوتی اگر کبھی احیاناً خطا ہو جائے تو استغفار و توبہ سے اس کا تدارک کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے نفس کو بُری خواہش سے نہ روک سکے ، نافرمانی کو مسلسل اپنی غذا بنالے اس کا خوف اہل جنت کا خوف نہیں ہے۔ ابھی اس کا خوف بالغ نہیں ہوا، ثمر آور اور نتیجہ خیز نہیں ہوا ورنہ یہ اپنے نفس پر قابو پا جاتا، ابھی یہ شخص اہل جنت کے راستہ پر نہیں ہے۔

مولانا رومی اس لئے یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ بعض وقت

علم ہوتا ہے لیکن نفس کے شر کی وجہ سے عمل کی توفیق نہیں ہوتی اس لئے عناصر اربعہ اور تقاضائے نفسانیہ کے غلبہ سے مجھے نجات عطا فرمائیے تاکہ میں اپنے علم پر عمل کر سکوں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یہ دعا سکھائی اَللّٰهُمَّ اَلْهِنِّیْ رُشْدِیْ اے اللہ رشد و ہدایت کی باتوں کو میرے دل میں الہام فرماتے رہئے لیکن بعض وقت الہام رُشد ہو جاتا ہے، لیکن نفس کے شر کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا مثلاً جانتا ہے کہ اس حسین کو دیکھنا صحیح نہیں، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے لیکن نفس کی شرارت سے دیکھتا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الہام رُشد مانگ کر فوراً یہ مانگا وَ اَعِزِّنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچائیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہدایت کا علم ہونے کے باوجود نفس کی شرارت سے مغلوب ہو کر میں اس پر عمل نہ کروں۔

اسی طاقت کو حاصل کرنے کے لئے خائفوں میں اہل اللہ کی صحبتوں میں رہا جاتا ہے کہ اتنا خوف حاصل ہو جائے کہ ہم اپنے نفس کی بُری خواہشوں کو روک سکیں جس کو مولانا رومی نے اس شعر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عطا فرمودہ قطرۂ علم ہمارے عناصر اربعہ یعنی خواہشات نفسانیہ کی قید سے آزاد ہو جائے۔ لہذا شیخ کے ساتھ سفر و حضر میں یہی نیت رکھو کہ ہمیں تقویٰ حاصل ہو جائے اور اللہ ہمیں مل جائے ورنہ شیطان و نفس نیت میں غیر اللہ کی ملاوٹ کر کے عمل کو

ضائع کر دیتے ہیں مثلاً یہ کہ شیخ کے ساتھ دسترخوان پر طرح طرح کی غذائیں ملیں گی ، طرح طرح کے شہر اور ملک دیکھیں گے ، طرح طرح کے نمکین چہرے دیکھ کر حرام لذت اینٹھیں گے وغیرہ یہ نفس کی چوریاں ہیں کہ اگر ان سے ہشیار نہ رہے تو شیخ کی صحبت میں رہتے ہوئے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نفس کے مکائد کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس زمانہ میں سب سے بڑا اللہ باطل اور نفس و شیطان کا سب سے بڑا جال یہ حسین شکلیں ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ بد نظری سے حفاظت کی توفیق عطا فرمادے تو سمجھ لو اس پر عظیم الشان انعام نازل ہو گیا اور سمجھ لو کہ بس وہ مولیٰ والا بننے والا ہے اور جو یہ کہے کہ ارے دیکھنے سے کیا ہوتا ہے ، نہ لیا نہ دیا فقط دیکھ لیا تو یہ انتہائی احمق اور گدھا ہے اور کبھی اللہ کو نہیں پاسکتا کہ نظر بازی کو معمولی گناہ سمجھ رہا ہے۔ اگر یہ معمولی گناہ ہوتا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو آنکھوں کا زنا نہ فرماتے۔ آج اسی سے لوگ کولہو کے نیل کی طرح ترقی سے محروم ہیں اور یہ کوئی معمولی نقصان نہیں ہے ، بد نظری کرنے والا اولیاء صدیقین کی خطِ انتہا تک نہیں پہنچ سکتا اور جب موت آئے گی تب اس کو حسرت ہوگی کہ جن پر مرے تھے آج انہوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور قبر میں جنازہ تنہا اُتر رہا ہے۔ کاش ہم تقویٰ اختیار کرتے تو ہمیں مولیٰ مل جاتا اور ہم اولیاء صدیقین کی آخری سرحد تک

پہنچ جاتے۔

لیکن اس وقت پہنچتے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ جیتے جی ان لیلیاؤں کو چھوڑ دو، حرام لذتوں سے توبہ کر لو، نگاہوں کی حفاظت کر لو تو ان لیلیاؤں کا اور تمام لذتوں کا حاصل دل میں اللہ تعالیٰ دینے پر قادر ہے۔ علماء حضرات اس کی دلیل مانگیں گے کیونکہ مولوی آں باشد کہ بدون دلیل خاموش نہ شود مولوی وہ ہے جو بلا دلیل کے خاموش نہ رہے۔ تو اس کی اتنی پیاری دلیل ہے کہ مزہ آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿الْيَسَّ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾

کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں۔ بولے کیا اس میں تذکرہ ہے کہ اگر لیلیٰ نہ ملی تو مولیٰ تمہیں کافی نہ ہوگا اور تمہاری زندگی کیسے گزرے گی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا مولیٰ تمہارے لئے ہر حال میں کافی ہے۔ جو لیلیاؤں کو نمک دے سکتا ہے وہ بغیر لیلیاؤں کے تمہارے قلب و جاں میں دنیا بھر کی تمام لذتوں کا حاصل اور سرور داخل کر سکتا ہے۔ بس ذرا محبت سے اللہ کا نام لے کر تو دیکھو، اللہ کے لئے حرام لذتوں کو ترک کر کے تو دیکھو کہ کیا ملتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ ہم مٹی کے ہیں اور ہر جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اور یہ اس کا فطری تقاضا ہے۔ پس ہماری مٹی مٹی پر مٹی ہو کر مٹی ہونا چاہتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم اپنی مٹی کی فطرت کے خلاف

میری طرف پرواز کرو تب تمہاری قیمت بڑھے گی۔ جن چیزوں کی فطرت میں پرواز ہے ان کا اڑنا کیا کمال ہے، کمال یہ ہے کہ جن کو مٹی سے ہم نے پیدا کیا ان کو پرواز حاصل ہو۔ جیسے ہوائی جہاز کے جتنے اجزاء ہیں سب مٹی کے ہیں، اس کا لوہا، اس کا تانبہ اس کا تمام مادہ اور میٹیریل زمین سے ہے اس لئے اپنی فطرت کے مطابق تمام جہاز زمین پر رکھے ہوئے ہیں مگر یہی جہاز اپنی فطرت کے خلاف کب پرواز کرتا ہے؟ جب کوئی پائلٹ ہو اور جہاز میں پٹرول ہو تب اسے پرواز عطا ہوتی ہے۔ ہوائی جہاز کا ٹیک آف کرنا تین ”پ“ پر موقوف ہے۔ ایک پائلٹ جو اس کو صحیح رخ اور صحیح منزل کی طرف لے جائے دوسرے پٹرول جو جہاز کو اڑانے کا ایندھن ہے۔ معلوم ہوا کہ پائلٹ اور پٹرول پرواز کی ضمانت دیتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے جسم کی مٹی کو اللہ کی طرف پرواز کرانے کا پائلٹ کون ہے؟ شیخ ہے اور پٹرول اور اسٹیم کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے لیکن یہ اسٹیم کیسے بنتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نفس کی جو خواہشات ہیں ان کو روکنے کا غم اٹھانے سے یہ اسٹیم بنتی ہے اور جو جتنا زیادہ غم اٹھاتا ہے اتنی ہی زیادہ تیز یہ اسٹیم بنتی ہے اور جس طرح جہاز کو اس کی فطرت کے خلاف زمین سے اڑانے کے لئے بہت زیادہ پٹرول چاہئے اسی طرح ہمارا جسم جو مٹی کا ہے اور مٹی کی چیزوں پر، مٹی کی شکلوں پر فدا ہونا چاہتا ہے اس کو اللہ کی طرف

پرواز کرانے کے لئے محبت کا پٹرول بہت زیادہ چاہئے اور یہ پٹرول نفس کی حرام خواہشات کی مخالفت یعنی گناہ اور اسباب گناہ سے مبادعت سے بنتا ہے۔ اگر یہ پٹرول نصیب ہو گیا تو ہماری روح کا جہاز ہمارے جسم کو لے کر اللہ کی طرف اُڑ جائے گا۔ اسی کو مولانا نے فرمایا کہ جو علم اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا ہمیں عطا فرمایا ہے وہ ان خواہشات نفسانیہ سے مغلوب ہے اس لئے ہم اللہ تک نہیں پہنچ رہے ہیں جب خواہشات نفس کو مغلوب کر لو گے تو علم پر عمل کی توفیق ہو جائے گی اور ایک دم اللہ کی طرف اُڑ جاؤ گے۔

جسم کو اپنا سا کر کے لے چلی افلاک پر
اللہ اللہ یہ کمال روح جولاں دیکھئے

جلد اللہ والا بننے کا یہ بہترین نسخہ ہے۔

اور جو شخص اللہ کے راستہ کا غم نہیں اٹھائے گا، حسینوں سے نظر نہیں بچائے گا، اپنے نفس کا غلام رہے گا، بُری تمنائوں کا خون نہیں کرے گا اس کو محبت کا یہ پٹرول کبھی عطا نہیں ہوگا جو اس کو اُڑا کر اولیاء صدیقین کی آخری سرحد تک پہنچا دے۔ لہذا یہ زندگی ایک ہی بار ملی ہے دوبارہ نہیں ملے گی ہم سب جان کی بازی لگا کر اللہ کی محبت کی یہ اسٹیم حاصل کر لیں تاکہ دائمی خوشی اور دائمی راحت پا جائیں۔ اَللّٰهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

مجلس درس مثنوی

۱۹ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۹۸ء بروز اتوار بعد نماز فجر
بوقت ساڑھے چھ بجے بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

دست ما چوپائے مارا می خورد
بے امان تو کسے جاں کے برد

ارشاد فرمایا گنگ آہ کیا درد بھرا شعر ہے ۔ مولانا
جلال الدین رومی کا مقام ان کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنا بڑا
شخص ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے اللہ میرا ہی ہاتھ میرے پیر کو کھا رہا
ہے ، دوسرا ہم کو نقصان نہیں پہنچا رہا ہے ، میں خود اپنے ہاتھوں سے
گناہ کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہوں لہذا بغیر آپ کے کرم اور
آپ کی حفاظت اور آپ کی پناہ اور تحفظ کے کون اپنی جان کو سلامتی
سے لے جاسکتا ہے۔ کیا عاجزی ہے اور کیا درخواست ہے ، کیا پیارا
مضمون ہے اور کتنا نور ہے اس شعر میں ۔ اور کس پیارے انداز سے
مولانا گناہوں سے تحفظ اور پناہ کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہے

ہیں کہ اے اللہ آپ ہمیں اپنی امان میں لے لیجئے تب ہی ہم گناہوں سے بچ سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے تو گناہوں کے ہزاروں جال قدموں پر آجائیں تو بھی آدمی ان سے بچ جاتا ہے مثلاً گناہ خود اس کے پاس پہنچ جائے تو جس کو اللہ تعالیٰ بچانا چاہتے ہیں تو اول نظر پڑتے ہی گناہ کی آخری منزل کی غلاظت اس کے سامنے آجاتی ہے جس کو میں کہتا ہوں کہ ناف کے اوپر فرسٹ فلور ہے اور ناف کے نیچے گراؤنڈ فلور ہے تو جس پر اللہ کا کرم ہوتا ہے تو فرسٹ فلور پر نظر پڑتے ہی اس کو گراؤنڈ فلور کی گندگی کا ایکسرے سامنے آجاتا ہے کہ یہ چہرہ اور آنکھیں اور یہ گال اور بال تم کو گراؤنڈ فلور کی گٹر لائنوں میں لے جائیں گے اور تمہاری تقدس مآبی کو شیطانیت میں تبدیل کر دیں گے۔ یہ میں درس اور سبق نہیں دے رہا ہوں تصوف اور سلوک کی جان پیش کر رہا ہوں اور دردِ دل سے پیش کر رہا ہوں کہ کسی کے فرسٹ فلور سے دھوکہ نہ کھاؤ ورنہ زندگی تباہ ہو جائے گی کیونکہ عشق مجازی کی تمام منزلیں گناہ پر ختم ہوتی ہیں۔ اس پر میرا شعر ہے۔

عشقِ بتاں کی منزلیں ختم ہیں سب گناہ پر
جس کی ہو ابتدا غلط کیسے صحیح ہو انتہا

اور گناہ سے تم اللہ سے کوسوں دور ہو جاؤ گے اور پھر مرنے کے بعد

ہاتھ ملو گے لیکن اس وقت کچھ نہ بن پڑے گی کیونکہ وہ دارالجزاء ہے ،
دارالعمل ختم ہو گیا۔ ہاتھ ملنے سے وہاں پھر کچھ نہیں ہوگا۔ جس پر اللہ
کا فضل ہوتا ہے وہی بد نظری سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ اس کو یقین
ہوتا ہے کہ بد نظری سے میں اللہ کی رحمت سے دور ہو جاؤں گا اور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا

لَعْنَةُ اللَّهِ النَّاطِرِ وَالْمَنْظُورِ إِلَيْهِ

کا مستحق ہو جاؤں گا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو
بد نظری کرتا ہے اے خدا تو اس پر لعنت فرما اور اپنے کو دکھانے والے
پر بھی یعنی ناظر پر بھی لعنت اور منظور پر بھی لعنت۔ محدث عظیم ملا
علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہاں
متعلقات نظر کا تذکرہ نہیں ہے ، نہ لڑکانہ لڑکی کسی کا تذکرہ نہیں یعنی
کسی متعلق کو مخصوص نہیں کیا تاکہ حکم عام رہے اور ہر وہ نظر جو اللہ
کی مرضی کے خلاف ہے اس میں شامل ہو جائے۔ یہ کلام نبوت کا
کمال بلاغت ہے۔

بس گناہ سے بچنے کی ہمت کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی
کرے کیونکہ جیسا کہ مولانا رومی نے فرمایا کہ بغیر فضل کے کام نہیں
بنتا۔ میرا شعر ہے ۔

کام بنتا ہے فضل سے اختر
فضل کا آسرا لگائے ہیں

مرکب توبہ عجائب مرکب است تا فلک تا زد بیک لحظہ ز پست

ارشادِ شریفِ پاک کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ توبہ کی سواری عجیب سواری ہے کہ گنہگار بندہ کو پستی سے اٹھا کر ایک لمحہ میں آسمان تک پہنچا دیتی ہے، فرشی کو ایک لمحہ میں عرشی بنا دیتی ہے، گناہوں کی دوری توبہ کی برکت سے حضوری میں تبدیل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الشَّوَّابِينَ﴾

اے میرے گنہگار بندو کیوں مایوس ہوتے ہو۔ اگر تم گناہ کر کے مجھ سے دور ہو گئے تو توبہ کی سواری میں بیٹھ کر میرے پاس آ جاؤ۔ دنیا میں کوئی جہاز کوئی راکٹ ایسا ایجاد نہیں ہوا جو تمہیں مجھ تک پہنچا دے۔ تم توبہ کر لو میں توبہ کرنے والوں کو صرف معاف ہی نہیں کرتا اپنا محبوب بھی بنا لیتا ہوں۔ تو امین کو بوقت توبہ اور بہ برکت قبولیت توبہ ہم خلعتِ محبوبیت سے نواز دیتے ہیں اور یہی نہیں کہ ایک ہی دفعہ معاف کریں گے اگر آئندہ بھی خطا ہو جائے گی تو آئندہ بھی ہم تمہیں معاف کر دیں گے اسی لئے مضارع سے نازل فرمایا جو حامل حال بھی ہوتا ہے اور حامل استقبال بھی ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال اور مستقبل دونوں کے تحفظ کی ضمانت دے رہے

ہیں کہ اگر بر بنائے بشریت تم سے خطائیں ہوں گی لیکن اگر تم توبہ کرتے رہو گے تو حالاً اور استقبلاً ہم تم سے پیار کریں گے ، توبہ کی برکت سے ہم اپنے دائرۂ محبوبیت سے تمہارا خروج نہیں ہونے دیں گے ۔ تم گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہو ہم معاف کرتے کرتے نہیں تھک سکتے جیسے بچہ ماں کی چھاتی پر پاخانہ پھر دیتا ہے تو کیا ماں بچہ کی محبت سے پھر جاتی ہے ؟ یا اس کو نہلا دھلا کر ، عمدہ کپڑے پہنا کر گود میں اٹھا کر پھر پیار کرتی ہے اور یقین سے جانتی ہے کہ یہ دوبارہ پاخانہ کرے گا لیکن ارادہ رکھتی ہے کہ میں دھوتی رہوں گی تو کیا اللہ تعالیٰ کی محبت ماؤں کی محبت سے کم ہے ؟ ارے ماں کیا جانتی محبت کرنا ! ماؤں کو محبت کرنا انہوں نے ہی تو سکھایا ہے اسی لئے یُحِبُّ نازل فرما کر نواہین کو امید دلادی کہ مایوس نہ ہونا ۔ توبہ کی برکت سے ہم تمہیں اپنے دائرۂ محبوبیت سے خارج نہیں ہونے دیں گے بلکہ اللہ کی رحمت توبہ کرنے والوں کو قرب سابق سے زیادہ قرب لاحق عطا فرماتی ہے کیونکہ قرب سابق اس کی عبادت کے سبب تھا اور قرب لاحق جو عطا ہو رہا ہے اس میں قرب عبادت کے ساتھ قرب ندامت مستزاد ہے اور ندامت کے سبب ہی اس کو لباس محبوبیت عطا ہو رہا ہے ۔ اسی لئے ہمیں حکم دے دیا اِسْتَغْفِرُوا رَبَّکُمْ اپنے رب سے معافی مانگتے رہو ۔ جب کوئی باپ بیٹے سے کہے کہ معافی مانگو تو یہ دلیل ہے کہ وہ معاف ہی کرنا چاہتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا اِسْتَغْفِرُوا کا حکم دینا دلیل ہے کہ

وہ ہم کو معاف کرنا چاہتے ہیں اور آگے اِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا فرما کر اور ترغیب دے دی کہ میں بہت بخشش والا ہوں لہذا ظالمو مجھ سے کیوں معافی نہیں مانگتے اور اِسْتَغْفِرُوا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم سے خطائیں ہوں گی ورنہ معافی مانگنے کا حکم کیوں دیتے لہذا جو بندہ معافی مانگتا رہتا ہے یہ علامت ہے کہ یہ حال میں بھی اللہ کا محبوب ہے اور مستقبل میں بھی محبوب رہے گا اس لئے خطاؤں سے مایوس نہ ہو۔ گناہوں پر جری تو نہ ہو بلکہ کوشش کرو، جان کی بازی لگا دو کہ کوئی خطا نہ ہو لیکن اگر کبھی پھسل جاؤ تو گرے نہ پڑے رہو اٹھ کھڑے ہو، توبہ کر کے پھر ان کے دامن محبوبیت میں آ جاؤ۔

ہم نے طے کیں اس طرح سے منزلیں
گر پڑے گر کر اٹھے اٹھ کر چلے

اور اگر شیطان ڈرائے کہ تمہاری توبہ بھی کوئی توبہ ہے جو ٹوٹتی رہتی ہے، ابھی توبہ کر رہے ہو پھر یہی خطا کرو گے تو کہہ دو کہ میں پھر توبہ کر لوں گا۔ ان کی چوکھٹ موجود ہے اور میرا سر باقی ہے، میری جھولی موجود ہے اور ان کا دست کرم باقی ہے، میرا یہ سر سلامت رہے جو ان کی چوکھٹ پر پڑا رہے اور میرا دست سوال باقی رہے کہ میری جھولی بھرتی رہے۔

توبہ کی قبولیت کے لئے اتنا کافی ہے کہ توبہ کرتے وقت توبہ

توڑنے کا ارادہ نہ ہو، پکا عزم ہو کہ آئندہ ہرگز یہ گناہ نہ کروں گا اور اگر دوسوہ آئے کہ تم پھر گناہ کرو گے تو یہ دوسوہ ہے ارادہ نہیں۔ دوسوہ کچھ مضر نہیں، یہ خوفِ شکستِ توبہ عزمِ شکستِ توبہ نہیں ہے بلکہ یہ خوفِ تو عین بندگی ہے، اپنے ضعف اور شکستگی کا اظہار ہے کہ یا اللہ مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہیں آپ ہی کا بھروسہ ہے کہ آپ مجھے گناہ سے بچائیں گے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ بوقتِ توبہ ارادہٴ شکستِ توبہ نہ ہو تو یہ توبہ قبول ہے۔ اگر بالفرض آئندہ توبہ ٹوٹ گئی تو اس سے پہلی توبہ باطل نہیں ہوتی وہ ان شاء اللہ قبول ہے۔ یہ بات مستحضر رہے تو اس کو شیطان کبھی مایوس نہیں کر سکتا۔ میرا شعر ہے۔

یہی ہے راستہ اپنے گناہوں کی تلافی کا
تری سرکار میں بندوں کا ہر دم چشم تر رہنا

امام غزالی کے استاد علامہ اسفرائینی نے تیس سال تک دعا کی کہ یا اللہ مجھے گناہوں سے عصمت عطا فرمادے۔ ایک دن دل میں دوسوہ آیا کہ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں پھر بھی میری دعا قبول نہ ہوئی کہ مجھ سے خطائیں ہو جاتی ہیں۔ الہام ہوا کہ اے اسفرائینی میں نے اپنے ملنے کے دو راستے رکھے ہیں، ایک تقویٰ کا دوسرے توبہ کا۔ تو تقویٰ ہی کے راستہ سے کیوں آنا چاہتا ہے، جب تقویٰ کا راستہ تجھے نہیں مل رہا ہے تو توبہ کے راستہ سے آجا۔ میرا شعر ہے۔

مایوس نہ ہوں اہلِ زمیں اپنی خطا سے
تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دعا سے

احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ دورانِ درسِ مثنوی حضرت والا
نے بیان فرمایا کہ بزرگوں نے کس طرح اپنے شیخ سے محبت اور اس کا
ادب کیا ہے اور اس پر ایک صاحبِ دل کا یہ شعر پڑھا کہ ۔

نسبت خود بہ سکتِ کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

میں نے آپ کی گلی کے کتے کی طرف اپنی نسبت کر دی اے میرے
شیخ! میں شرمندہ ہوں کہ مجھ سے سخت بے ادبی ہو گئی کیونکہ میں اس
قابل بھی نہیں تھا کہ آپ کی گلی کے کتے کی طرف اپنی نسبت کروں
اور پھر حضرت والا نے حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ
شعر پڑھا ۔

آں سگے کو گشت در کولیش مقیم
خاک پایش بہ ز شیران عظیم

اں نشانِ فسادِ پایا کک مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ہیں کہ جو کتا میرے محبوب مرشد کی گلی میں رہتا ہے اس کے پیر کی
خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے اور اگلے شعر میں فرماتے ہیں ۔

آں سگے کو باشد اندر کوئے او
من بہ شیراں کے دہم یک موئے او

میرے شمس الدین تبریزی کی گلی میں جو کتا رہتا ہے میں شیروں کو اس کا ایک بال بھی نہیں دے سکتا۔

اے کہ شیراں مر سگانش را غلام
گفتن امکاں نیست خامش والسلام

اے دنیا والو! بڑے بڑے شیر اللہ والوں کے کتوں کے غلام بن گئے، اب اس سے زیادہ میں حقاء زمانہ کو نہیں سمجھا سکتا، بلکہ عوام الناس کو بھی نہیں سمجھا سکتا کیونکہ عقول متوسطہ کے ادراک سے مافوق جلال الدین کی یہ گفتگو ہے۔ اللہ کی محبت کی اب اس سے زیادہ وضاحت میں نہیں کر سکتا ورنہ لوگ الزام لگائیں گے کہ جلال الدین پیر پرستی کر رہا ہے لہذا اب میں خاموش ہوتا ہوں اور ان لوگوں کو سلام بھی کرتا ہوں۔

شیخ کے ذریعہ سے کیونکہ اللہ ملتا ہے اس لئے مرشد کی ہر چیز سے مرید کو محبت ہوتی ہے، اس کے وطن سے، اس کے گھر سے، اس کی گلی سے، اس کی گلی کے کتے سے، جس چیز کو بھی شیخ سے ادنیٰ نسبت ہوتی ہے مرید کو اس سے محبت ہو جاتی ہے لیکن جو اس راہ سے

نا آشنا ہیں ان کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں ، ان کو کیا کہیں سوائے اس کے کہ ۔

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کج بخت تو نے پی ہی نہیں

اب اس پر ایک واقعہ سناتا ہوں ۔ تھانہ بھون کا ایک بھنگی ، جھاڑو لگانے والا ہندو مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نانوتہ پہنچا ۔ مولانا نے پوچھا کہاں سے آئے ہو ؟ کہا کہ میں آپ کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب کے قصبہ تھانہ بھون سے آیا ہوں ۔ مولانا نے فوراً فرمایا کہ اس کے لئے چارپائی لاؤ ، درہی بچھاؤ اور جلدی سے اس کے لئے آلو پوری کا ناشتہ منگوا لیا ۔ کسی طالب علم نے کہا کہ حضرت یہ تو ہندو بھنگی ہے ۔ حضرت نے فرمایا کہ تیری نظر تو بھنگی پر ہے اور میری نظر اس پر ہے کہ یہ میرے شیخ کے وطن سے آیا ہے ۔ تو سمجھتا ہے کہ میں کافر کا اکرام کر رہا ہوں حالانکہ میں نے کافر کا نہیں تھانہ بھون کا اکرام کیا ہے ، اپنے شیخ کا اکرام کیا ہے ۔ آہ محبت سمجھنے کے لئے محبت بھرا دل ہونا چاہئے ، عقل میں نور ہونا چاہئے ۔ جن کی عقل میں فتور ہوتا ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتے ۔ شیخ کی محبت سیکھنی ہے تو مولانا رومی سے سیکھو ۔ فرماتے ہیں ۔

من نحویم زیں سپس راہ اشیر

پیر جویم پیر جویم پیر پیر

جب مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کا راستہ بدون سایہ رہبر نہیں ملتا تو میں تنہا اللہ کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کروں گا بلکہ اللہ کو پانے کے لئے میں پیر ڈھونڈوں گا، پیر ڈھونڈوں گا پیر تلاش کروں گا، پیر تلاش کروں گا۔ آہ پیر کے نام ہی سے مست ہو گئے اور پیر پیر کی رٹ لگادی۔ کسی نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ حضرت شمس الدین تبریزی کا نام آتے ہی مولانا رومی مست ہو جاتے ہیں اور صفحے کے صفحے ان کی تعریف میں لکھ جاتے ہیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ اگر مولانا رومی پچاسوں برس عبادت کرتے تو ان کو وہ عظیم الشان قرب نصیب نہ ہوتا جو شمس الدین تبریزی کی چند دن کی صحبت سے نصیب ہو گیا۔ آدمی جس کی کھاتا ہے اس کی گاتا ہے۔ یعنی جس سے نعمت ملتی ہے اس پر فدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شمس الدین تبریزی کا نام آتے ہی مولانا بے خود ہو جاتے ہیں۔

ایک بار حضرت شمس الدین تبریزی قونیہ سے اچانک غائب ہو گئے، مولانا رومی تڑپ گئے اور اونٹنی پر بیٹھ کر تلاش کرتے کرتے ملکِ شام کے قریب پہنچے اور کسی سے پوچھا کہ کیا تم نے کہیں میرے

پیر حضرت شمس الدین تبریزی کو دیکھا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے ان کو شام میں دیکھا ہے تو فرمایا کہ آہ جس شام میں میرا شمس الدین رہتا ہے اس شام کی صبح کیسی ہوگی۔ پھر تبریز پہنچ کر اپنی اونٹنی سے فرمایا۔

ابرکی یا ناقتی طاب الامور
ان تبریزاً لنا ذات الصدور

اے میری اونٹنی ٹھہر جا میرے تو سب کام بن گئے۔ دیکھو یہ ہے محبتِ شیخ، کیا حسن ظن تھا اپنے شیخ کے ساتھ اور کیسی شدید محبت تھی کہ اونٹنی سے فرما رہے ہیں کہ ٹھہر جا، میرے پیر کا شہر آگیا، میرے سب کام بن گئے۔ شہر تبریز میرے سینہ کے رازوں کا شہر ہے، اسرارِ محبت کا شہر ہے، محبت کے بھیدوں کا شہر ہے، اللہ کی محبت کے بھید شمس الدین تبریزی کے سینہ کے ذریعہ مجھے یہیں سے ملے ہیں۔ آہ بتاؤ کیا یہ محبت نہیں ہے؟ پھر فرمایا۔

اسرعی یا ناقتی حول الریاض
ان تبریزاً لنا نعم المفاض

اے میری اونٹنی شہر تبریز کے باغات کے گرد جلدی جلدی گھاس چر لے۔ شہر تبریز ہمارے لئے بڑے فیض کی جگہ ہے، میرا فیض انوار و تجلیاتِ الہیہ ہیں اور تیرا فیض یہاں کی اچھی اچھی مبارک گھاس ہے۔

آگے فرماتے ہیں ۔

ہر زماں از فوج روح انگیز جاں
از فراز عرش بر تبریزیاں

اے خدا ہر لمحہ ہر وقت تبریز والوں پر عرشِ اعظم سے اپنی رحمت اور محبت و معرفت اور فیض کی زبردست بارش فرما۔ بتائیے یہ کیا بات ہے کہ صرف شیخ ہی کے لئے نہیں پورے شہر تبریز کے لئے دعا ہو رہی ہے ۔ کیا کہیں محبتِ قسمت والوں کو عطا ہوتی ہے اور محبت کو سمجھنے کے لئے سمجھ بھی قسمت والوں کو عطا ہوتی ہے ۔

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نعمہ ہے جو ہر ساز پر چھیڑا نہیں جاتا

اچھا بس آج کا مضمون ختم ہو گیا لیکن کیسی درد بھری داستان آج سنا دی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہوں ، سارے عالم کی خانقاہوں میں جاؤ پھر سب کی باتیں سن کر میری بات کا توازن کرو تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اختر کی زبان سے اس زمانہ میں کیا کام لے رہا ہے ولا فخر یاربی یہ سب میرے بزرگوں کی جوتیوں کا فیض ہے ۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی محبت نصیب فرمائے اور سب سے پہلے یہ کہ اللہ ہم سب کو ہمارے شیخ کی محبت نصیب فرما اور اپنی محبت کو غالب فرما اور نفس و شیطان کی غلامی سے نکال کر اپنی سو فیصد فرماں

بررداری کی حیات نصیب فرما، اپنا دردِ محبت عطا فرما، اے خدا ہماری خاک کو اجسامِ خاکی پر خاک ہونے سے بچالے۔ آپ نے جس مقصد کے لئے ہم کو پیدا کیا اے خدا اسی مقصد پر ہمیں جان دینے کی توفیق نصیب فرما۔ اے خدا ہمارے باپ دادا نے سلطنتِ بلخ آپ پر فدا کی ان کے صدقہ میں ہم سب کو حبِ جاہ اور حبِ مال سے پاک فرما کر سراپا محبت بنا کر اپنے اولیاء صدیقین کی خطِ انتہا تک پہنچا دے۔ مجھے بھی اور میری اولاد اور ذریات کو بھی اور میرے احباب کو بھی، احبابِ حاضرین کو بھی اور احبابِ غائبین کو بھی اور ان کی اولاد و ذریات کو بھی اور ان کے رشتہ داروں اور احباب کو سب کو اللہ والا بنادے اور سب کو اولیاء صدیقین میں شامل فرمادے آمین یا رب العالمین بحرمة سید المرسلین محمد و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔



مجلس درس مثنوی

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۹۸ء بروز
دوشنبہ بعد فجر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ککشن اقبال بلاک ۲ کراچی

تازگی ہر گلستان جمیل ہست بر باران پنهانی دلیل

ارشدانِ قدس! آپا کھ صبح دم جب باغوں کے پتے ہرے
ہرے نظر آئیں اور ان کا منہ دھلا ہوا دکھائی دے تو سمجھ لو کہ رات
میں بارش ہوئی ہے۔ پتوں کی یہ تازگی رات کی پوشیدہ بارش کی دلیل
ہے۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جس طرح سے ہر باغ کا ہرا بھرا
ہونا اور پتوں کا دھلا ہوا ہونا دلیل ہے کہ رات کو بارش ہوئی ہے ایسے
ہی اللہ والوں کے کلام میں جو علوم و معارف بیان ہوتے ہیں یہی دلیل
ہے کہ ان کے قلب پر رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہوئی
تھی۔ ان کے الفاظ و مضامین علوم غیبیہ اور الہام من اللہ کے غماز

ہوتے ہیں۔

چوں او خواہد عین غم شادی شود
عین بند پائے آزادی شود

اگر شادی فرمایا کہ جب اللہ چاہتا ہے تو غم کی ذات کو خوشی بنادیتا ہے۔ سائنس داں تو پہلے غم کے اسباب کو ہٹائیں گے اور خوشی کے اسباب کو لائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کو اسباب غم کو ہٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ غم کی ذات ہی کو مکن فیکون سے خوشی میں بدل دیتے ہیں۔ اللہ میاں کو غم ہٹانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ غم کی عینیت مصطلح کو خوشی میں تبدیل کر دیتے ہیں یعنی اسی غم کو خوشی بنادیتے ہیں اور جس چیز کو آدمی سمجھتا ہے کہ میرے پیر کی بیڑی اور قید ہے اسی قید اور بیڑی کو اللہ تعالیٰ آزادی بنا سکتا ہے۔ دنیا کے لوگ تو قیدی کے پاؤں کی بیڑی کھولیں گے تب جا کے وہ آزادی دیتے ہیں لیکن مولانا رومی اللہ کی قدرت کا کرشمہ دکھاتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ فیصلہ کر لے تو قیدی کے پاؤں کی زنجیر اور بیڑی ہی کو آزادی بنادیتا ہے، قید ہی کو آزادی میں تبدیل کر دیتا ہے۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل
و اندروں قہر خدائے عز و جل

ارشاد فرمایا کہ کافر بادشاہوں کی قبروں پر خوب سنگ مرمر لگائے جا رہے ہیں اور گلاب جل یعنی عرق گلاب اور پھول برسائے جا رہے ہیں اور دوسرے ملکوں کے بادشاہ پھولوں کی چادر چڑھا رہے ہیں لیکن اندر خدا کا قبر ہو رہا ہے۔ تو فرمایا کہ بعضے لوگ لباس بڑے قیمتی پہنتے ہیں مرسیڈیز پر چلتے ہیں مگر اللہ کی نافرمانی مثلاً شراب اور زنا اور بد معاشی اور وی سی آر کی نحوست سے ان کے دل پر عذاب ہوتا رہتا ہے۔ منہ میں کباب دل پر عذاب لہذا ظاہری ٹھاٹھ باٹ کی فکر مت کرو مالک کو راضی رکھو تو چٹائیوں اور بور یوں پر سوکھی روٹیوں میں سلطنت اور بریانی کا مزہ دیں گے۔

ظاہر ش را پشہ آرد بہ چرخ

باطن ش باشد محیط ہفت چرخ

ارشاد فرمایا کہ اللہ والوں کا ظاہر اتنا کمزور ہو سکتا ہے کہ اگر ایک مچھر بھی کاٹ لے تو وہ ناچ جائیں یعنی تکلیف سے بے قرار ہو جائیں لیکن ان کا باطن ساتوں آسمان کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ لہذا اہل اللہ کے باطن کی قوت اور وسعت کا تم اندازہ نہیں کر سکتے کیونکہ ۔

ظل او اندر زمیں چوں کوہ قاف

روح او سیمرغ بس عالی طواف

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کا جسم مثل کوہ قاف کے زمین پر دھرا نظر آتا ہے لیکن ان کی روح ہمہ وقت عرشِ اعظم کا طواف کرتی ہے۔ مرتبہ جسم میں تو وہ مخلوق کے ساتھ ہیں لیکن مرتبہ روح میں وہ ہر وقت مقرب بارگاہِ حق ہیں پھر ان کی روح مقرب ہفت آسمان پر محیط کیوں نہ ہوگی اسی کو مولانا نے دوسری جگہ بیان فرمایا۔

در فراخ عرصہ آں پاک جاں

تنگ آید وسعت ہفت آسمان

لیکن مقربانِ بارگاہِ حق کے مقامات و احوال و کیفیات کو عقولِ متوسطہ احاطہ نہیں کر سکتیں۔

تو ندیدی گہے سلیمان را

چہ شناسی زبان مرغان را

اے شخص تو نے تو کبھی سلیمان علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں پس تو پرندوں کی زبان کو کیسے سمجھ سکتا ہے؟ منشا یہ ہے کہ اہل اللہ کے مقامات قرب کو ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا تا وقتیکہ ان کی صحبت میں رہ کر اللہ کی محبت سیکھے اور سلوک طے کرے یعنی کسی شیخِ کامل

کے مشورہ سے ادا امر الہیہ پر عمل اور نواہی سے اجتناب اور سنت کی اتباع سے وہ مقاماتِ قرب نصیب ہوں گے جو ابھی گوشہ و ہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو نصیب فرماویں اور یہ دولت باطنی صرف مومنین کاملین کو نصیب ہوتی ہے کسی کافر یا فاسق کو نہیں ملتی کیونکہ مومن اللہ کا غلام ہوتا ہے اور کافر طبیعت کا غلام ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن فاسق یعنی گنہگار مومن بھی اس نعمتِ قرب خاص سے محروم رہتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ کافر تو بالکل ہی محروم ہے کیونکہ اس کے اندر ایمان ہی نہیں اور گنہگار مومن کے دل میں ایمان تو ہے لیکن اتنا کمزور ٹٹماتا ہوا ایمان ہے جس سے گناہ کے تقاضے کے وقت وہ طبیعت کا غلام ہو جاتا ہے اور گناہوں میں ملوث ہو جاتا ہے، اس وقت وہ اللہ کی نظر کو فراموش کر دیتا ہے کہ اللہ کی نظر میری نظر کو دیکھ رہی ہے۔ مثلاً کوئی حسین شکل جس پر جوانی چڑھی ہوئی ہے سامنے آگئی تو اپنی طبیعت سے پاگل ہو کر وہ اس کو بری نظر سے دیکھے گا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر گناہ کبیرہ کی کوشش کرے گا، اس وقت خدا کا خوف تو کیا انجامِ حسن سے بھی وہ غافل ہوتا ہے، اس وقت اسے یہ بھی خیال نہیں آتا کہ ایک دن اس کا حسن غائب ہو جائے گا بڑھاپا آجائے گا گال چپک جائیں گے، آنکھوں پر پونے گیارہ نمبر کا چشمہ لگ جائے گا دانت باہر آجائیں گے کمر جھک جائے گی۔ یہ طبیعت کے غلام اپنی طبیعت سے مجازی حسن پر

مرتے ہیں اور جب حسن زائل ہو جاتا ہے تو اپنی طبیعت سے بھاگتے ہیں، اللہ کے خوف سے نہیں بھاگتے اس لئے محروم رہتے ہیں اور اللہ کے قرب کی ان کو ہوا بھی نہیں لگتی اور اہل اللہ کی کیا شان ہوتی ہے کہ حسن کے عین عالم شباب میں جبکہ ان کی طبیعت میں بھی تقاضا شدید ہوتا ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ لوں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنی نظر کی حفاظت کر کے غم اٹھاتے ہیں۔ اسی غم کی راہ سے انہیں خدا ملتا ہے اور یہ بھی ایک دن کا نہیں ساری زندگی اللہ کے لئے غم اٹھاتے ہیں اور اس غم میں اللہ ان کو وہ لذت دیتا ہے جس کو اہل مزہ اور اہل عیش نہیں جان سکتے۔ اور کیونکہ ان کا مجاہدہ مسلسل متواتر ہے تو ان کے قلب پر تجلیات قرب الہیہ بھی متواترہ مسلسلہ وافرہ اور بازغہ نازل ہوتی ہیں۔ پس جس کا دل حق تعالیٰ کی تجلیات خاصہ سے متجلی ہو اس کے سامنے وسعت ہفت آسمان کیوں تنگ نہ ہو جائے گی۔ کہاں اللہ اور کہاں مخلوق۔ اسی کو مولانا نے ایک اور شعر میں فرمایا کہ ۔

چرخ در گردش اسیر ہوش ماست
بادہ در جوشش گدائے جوش ماست

آسمان اپنی گردش میں میرے ہوش کا قیدی ہے اور شراب اپنی مستی میں میرے کیف و مستی کی گدا ہے۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریان اوست
اے ہمایوں دل کہ آں بریان اوست

ارشدان فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مبارک ہیں وہ آنکھیں جو اللہ کی یاد میں رو رہی ہیں کہ اے میرے مولیٰ تو مجھے کہاں ملے گا۔ مولانا رومی ان آنکھوں کو مبارکباد دے رہے ہیں جو اللہ کی یاد میں رو رہی ہیں۔ مولانا نے دو ہی قسم کے لوگوں کو مبارکباد دی ہے ایک ان آنکھوں کو جو اللہ کی یاد میں رونے والی ہیں اور ایک اس دل کو جو اللہ کے عشق میں جل رہا ہے۔ اور آنکھوں کا رونا یہ بھی ہے کہ جب کوئی نامحرم حسین شکل سامنے آجائے تو اس سے نظر ہٹا کر نابینا بن جائے۔ میرا شعر ہے ۔

جب آگئے وہ سامنے نابینا بن گئے

جب ہٹ گئے وہ سامنے سے بینا بن گئے

جب وہ حسین شکل سامنے آگئی تو نظر ہٹا کر نابینا بن گئے اور جب وہ شکل واجب الاحیاط ہٹ گئی تو ہم بینا بن گئے اور اللہ تو دیکھتا ہے کہ میرے بندے کی آنکھ میں روشنی موجود تھی لیکن پھر بھی میرے خوف سے اور میرے حکم سے یہ نابینا بن گیا، میرا بندہ کس قدر پاس کر رہا ہے میرے حکم کا جبکہ یہ بھی سینے میں دل رکھتا ہے اور دل بھی

عاشقانہ رکھتا ہے مگر میرے بندے کا قلب عاشقانہ تو ہے مگر مزاج فاسقانہ نہیں ہے، اپنے مزاج عاشقی کو میری بندگی کے دائرے میں رکھتا ہے فاسقی کے دائرہ میں داخل نہیں ہونے دیتا تو کیا اس ادائے بندگی پر عطاءے خواجگی نہیں ہوگی یعنی جب ہماری طرف سے ادائے بندگی ہوگی تو اللہ کی طرف سے عطاءے خواجگی ہوگی اور دل کو حلاوتِ ایمانی کی، اپنے قرب کی وہ لذت عطا فرمائیں گے کہ تمام لیلائیں اور جملہ لذاتِ کائنات نگاہوں سے گر جائیں گی۔ اس کے برعکس بہت سی آنکھیں کسی معشوق کی یاد میں رو رہی ہیں۔ یہ آنسو گدھے کے پیشاب سے زیادہ بے قیمت ہیں کیونکہ ان آنسوؤں کا تعلق غیر اللہ سے ہے، مرنے والی لاشوں سے ہے۔ ان آنسوؤں کی ریل کا آخری اسٹیشن گناہ ہے۔ اسی کے متعلق میرا شعر ہے ۔

عشق بتاں کی منزلیں ختم ہیں سب گناہ پر
جس کی ہو انتہا غلط کیسے صحیح ہو ابتداء

ان آنسوؤں کی کچھ قیمت نہیں ہے بلکہ اس کو سزا ملے گی کیوں کہ اس نے آنسوؤں کو گناہوں کے گندے مقامات حاصل کرنے کے لئے بہایا ہے۔ جو آنسو اللہ کی یاد میں نکلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتا ہے اور جو آنسو غیر اللہ کے لئے بہتے ہیں ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور دنیا ہی میں اس کا دل بے چین کر دیا جاتا ہے۔ بہت منحوس ہیں وہ آنکھیں جو غیر اللہ کے لئے رو رہی ہیں

اور بہت مبارک ہیں وہ آنکھیں جو اللہ کی یاد میں اشکبار ہیں اور دوسرے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں ۔

اے ہمایوں دل کہ آں بریان اوست

بہت مبارک ہے وہ دل جو اللہ کے عشق میں جل رہا ہے ، اپنے مالک کی تلاش میں ہے کہ اے اللہ آپ کیسے ملیں گے اور کہاں ملیں گے۔ اس دنیا میں کوئی صدارت کے عشق میں جل رہا ہے ، کوئی وزارت کے عشق میں جل رہا ہے ، کوئی حسینوں پر مر اجا رہا ہے ، کوئی مال و دولت کے پیچھے بھاگا جا رہا ہے اور اسی دنیا میں ایسے بندے بھی ہیں جن کے دل اللہ کی محبت میں بریاں ہو رہے ہیں ۔ وہ زمین و آسمان سورج اور چاند کو دیکھ کر اللہ کو تلاش کرتے ہیں کہ وہ میرا مولیٰ کہاں ملے گا۔

اپنے ملنے کا پتہ کوئی نشان

تو بتادے مجھ کو اے رب جہاں

جو اس کائنات کو دیکھ کر اور اس کائنات میں بندوں کی پرورش کے انتظامات اور نعمتوں کی فراوانی دیکھ کر بھی اپنے مالک کو تلاش نہیں کرتا وہ انتہائی غیر شریف ہے جس اللہ نے ہمارے رہنے کے لئے زمین بنائی ، جس اللہ نے سورج چاند اور ستاروں سے انسان کو فیض پہنچایا ، جس اللہ نے سورج کی شعاعوں کے ذریعہ سمندروں سے بادل بنا کر پانی برسایا ، جس مالک نے غلہ اگایا جس مالک نے ہم کو پالا، ایسے پالنے

والے کو تلاش نہ کرنے والا گدھا ہے انسان نہیں۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آسمانی علم دیکھو کہ حضرت نے سمجھانے کے لئے کیا عمدہ تمثیل پیش کی کہ ایک تھکا ماندہ بھوکا پیاسا مسافر بھوک اور پیاس سے مر رہا تھا کہ اچانک جنگل میں ایک مکان نظر آیا، وہاں جا کر دیکھا تو مکان میں ٹھنڈا پانی اور فریج بھی ہے، انڈے اور آملٹ بھی ہیں اور طرح طرح کی نعمتیں رکھی ہوئی ہیں، سموسے بھی رکھے ہیں، کباب بھی ہے، بریانی بھی ہے۔ اس نے جلدی جلدی سب کچھ کھایا اور نرم نرم گدوں پر سو گیا۔ جب اٹھا تو چوکیداروں سے پوچھا کہ بھئی یہ کس کا مکان ہے، کون ایسا کریم اور مہربان ہے جس نے یہ انتظامات کئے ہیں۔ تو یہ آدمی شریف ہے کیونکہ محسن کو تلاش کرنا شرافت کا تقاضا ہے اور ایک آدمی خوب کھاپی کر نعمتیں اڑا کر آرام اٹھا کر سو جائے اور اٹھ کر پوچھے بغیر چلا جائے کہ کون ایسا کریم ہے جس نے یہ انتظام کیا ہے تو بتائیے کہ وہ جانور ہے یا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا عین فطرت، عین شرافت اور عین عقل کا تقاضا ہے کہ جس نے یہ زمین بنائی ہمیں سورج اور چاند دیا آسمان کا شامیانہ لگا دیا اور شامیانہ بھی کتنا پیارا کہ جس پر سورج چاند ستاروں کا ڈیکوریشن لگا دیا اور ڈیکوریشن کا بل بھی نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کے یہ انتظامات ربوبیت کو دیکھ کر اللہ کو تلاش کرنا اور اللہ پر ایمان لانا عقلاً فرض ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان چاند سورج سمندر پہاڑ دیکھ کر اور ان نعمتوں سے استفادہ کر کے بھی اللہ کو تلاش نہیں کرتا وہ

انتہائی کمینہ غیر شریف اور جانور سے بدتر ہے۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں کہ بہت مبارک وہ دل ہے جو اللہ کی محبت میں بریاں ہو رہا ہو اور بریاں ہونے کے کیا معنی ہیں یعنی جس کو حسینوں سے نظر بچانے کی ہمت اور توفیق حاصل ہے، جس کو اللہ پر مرنا نصیب ہے اس کو جینے کا مزہ ہے وہ کیا جانے جو مرتا نہیں اللہ پر وہ تو جانور ہے۔ جانور بھی پیٹ بھر لیتا ہے اور بگ لیتا ہے تمہارے ایکسپورٹ سے اس جانور کا ایکسپورٹ بھی زیادہ ہے، تمہارے امپورٹ سے اس کا امپورٹ بھی زیادہ ہے۔ کھانے پینے کا نام زندگی نہیں ہے۔ کھاپی کر مالک پر فدا ہونے کا نام زندگی ہے، جس نے کھلایا پلایا اس پر فدا ہو جاؤ یہ اصل زندگی ہے اور ایک عقلی دلیل اللہ نے میرے قلب کو عطا فرمائی کہ اگر حیات نہ ہو تو کیا دنیا میں کوئی مزہ لے سکتا ہے؟ کیا کھانے کا پینے کا شادی بیاہ کا مردے کو مزہ آسکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ حیات جو ہے یہ ذریعہ حصول لذات کائنات ہے۔ تو پھر جو حیات خالق حیات اور خالق لذات کائنات پر فدا ہوتی ہے تو کیا وہ خالق حیات اس حیات کو لذت حیات نہ عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ساری لذات کائنات کا حاصل اور جو س پلا دیتے ہیں ورنہ اگر یہ نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ ان کو نعم البدل اور عظیم الشان نعمت نہ عطا فرماتے تو اولیاء اللہ فروخت ہو جاتے لیکن جن کے دل اللہ کی محبت سے بریاں ہیں وہ دنیا کی کسی نعمت سے نہیں بکتے۔ یہی دلیل ہے کہ ان کے قلب کو کوئی ایسی بڑی نعمت حاصل ہے جس سے تمام نعمائے کائنات ان کی نگاہوں میں بے قدر

ہو گئیں۔ یہ اللہ کی محبت کا انعام ہے اسی لئے مولانا نے ایسے دلوں کو مبارکباد دی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا جلا بھنا دل کیسے نصیب ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنی حیات کو خدا تعالیٰ پر فدا کر رہے ہیں جب ہماری حیات ان اللہ والوں کی حیات کے ساتھ گزرے گی جو اللہ پر ہر وقت فدا ہو رہے ہیں تو ہم کو آپ کو فدا کاری کی اداکاری نصیب ہو جائے گی یعنی اللہ تعالیٰ پر فدا ہونا آجائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ لاتا ہے۔ جب ایک بے جان چیز میں یہ اثر ہے کہ اس کی صحبت دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے تو کیا اللہ والوں کی صحبت میں یہ اثر نہ ہوگا کہ بے وفا، وفا دار ہو جائیں اور محروم جانیں اللہ کی محبت کے درد سے آشنا ہو جائیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان الطباع تسرق من طباع اخری یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طبیعتوں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے اخلاق کو چراتی ہیں جیسی صحبت ہوگی ویسا ہی اس کا اثر ہوتا ہے۔ ایک بے نمازی نمازیوں کی صحبت میں رہ کر نمازی بن جاتا ہے اسی طرح اس کا عکس ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے، اللہ اپنا درد محبت ہم سب کو نصیب فرمادے اور مرنے والی اور فنا ہونے والی حسین لاشوں کے ڈمپیر اور رنگ و روغن سے ہمارے قلب و جان کو پاک فرما کر اپنی محبت ہم سب کو نصیب فرمادے آمین و صلی اللہ علی النبی الکریم۔



مجلس درس مثنوی

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۹۸ء بروز منگل
مسجد اشرف در احاطہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

بگذراں از جان ما سوء القضا

وامبر مارا ز اخوان الصفا

اگر نشانِ فرمایا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں اے خدا
جتنے آپ کے فیصلے ہمارے لئے نقصان دہ اور مضر ہیں ان کو مفید
فیصلوں سے تبدیل فرما دیجئے، اے خدا اگر میری نالائقیوں کی وجہ سے
آپ نے مجھے جہنمی لکھا ہوا ہے تو اس فیصلہ کو کاٹ کر آپ مجھے جنتی
لکھ دیجئے۔ یہ مطلب ہے اس کا یعنی آپ کا فیصلہ آپ پر حکومت
نہیں کر سکتا آپ کی قضا اور آپ کا فیصلہ آپ پر حاکم نہیں ہے آپ کا
محکوم ہے لہذا حضور ﷺ نے اپنی امت کو سکھایا کہ اللہ تعالیٰ سے
فیصلے بدلواؤ، تقدیریں بدلواؤ۔ تقدیر مخلوق نہیں بدل سکتی مگر خالق
اپنے فیصلے کو بدل سکتا ہے بس اللہ ہی سے فریاد کرو کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَ ذَرْكَ
الشَّقَاۗءِ وَ سُوءِ الْقَضَاۗءِ وَ شَمَاتَةِ الْاَعْدَاۗءِ

اس حدیث پاک میں سوء قضا سے پناہ مانگی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ اگر میری تقدیر میں کوئی شقاوت، بد بختی اور سوء قضا یعنی وہ فیصلے جو میرے حق میں بُرے ہیں لکھ دئے گئے ہیں تو آپ ان کو اچھے فیصلوں سے تبدیل فرمادیجئے، شقاوت کو سعادت سے اور سوء قضا کو حسن قضا سے تبدیل فرمادیجئے۔ یہاں سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقتضی کی طرف ہے یعنی بُرائی کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا کوئی فیصلہ بُرا نہیں ہو سکتا لیکن جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے اس کے حق میں بُرا ہے جیسے جج کسی مجرم کو پھانسی کی سزا دیتا ہے تو جج کا فیصلہ بُرا نہیں، یہاں بُرائی کی نسبت جج کی طرف نہیں کی جائے گی کیونکہ اس نے تو انصاف کیا ہے لیکن جس مجرم کے خلاف یہ فیصلہ ہوا ہے اس کے حق میں بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، وہ خالق خیر و شر ہے جس طرح تخلیق خیر حکمت سے خالی نہیں اسی طرح تخلیق شر بھی حکمت سے خالی نہیں مثلاً ظلمت سے نور کی، کفر سے ایمان کی معرفت ہوتی ہے وغیرہ لہذا اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی طرف سوء کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است چوں بما نسبت کنی کفر آفت است

کفر کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی عین حکمت ہے لیکن جب کفر کی نسبت بندہ کی طرف ہوتی ہے اور بندہ اس کو اختیار کرتا ہے تو کفر اس کے لئے آفت و بد نصیبی و شقاوت ہے۔ معلوم ہوا کہ جزا و سزا کسب پر ہے۔ جو ایمان کو کسب کرتا ہے اچھی جزا پاتا ہے اور جو کفر کا مرتکب ہوتا ہے سزا پاتا ہے۔ اس کی مثال میرے شیخ شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے عجیب دی کہ جیسے حکومت نے بجلی بنائی اور بتا دیا کہ فلاں فلاں سوچ کو دبانا لیکن فلاں سوچ کو نہ دبانا۔ پھر اگر کوئی ممنوعہ سوچ کو دباتا ہے تو پکڑا جاتا ہے کہ تم نے وہ سوچ دبایا کیوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ خالق خیر و شر ہیں اور حکم دے دیا کہ خیر کو اختیار کرو اور شر سے بچو پھر اگر کوئی شر اختیار کرتا ہے تو اسی پر مواخذہ اور پکڑ ہے کہ جب ہم نے منع کر دیا تھا تو تم نے اسے کیوں اختیار کیا۔ اسی کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقتضی کی طرف ہے۔

اور حدیث پاک میں سوء قضا سے پناہ کی درخواست سے معلوم ہوا کہ اگر سوء قضا کا حسن قضا سے تبدیل ہونا محال ہوتا یا منشاء الہی کے خلاف ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمت کو یہ دعا نہ سکھاتے۔ آپ کا سوء قضا سے پناہ مانگنا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سوء قضا کو حسن قضا

سے مبدل فرمادیتے ہیں اور یہ درخواست عین منشاء الہی کے مطابق ہے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کو کوئی نہیں بدل سکتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق نہیں بدل سکتی، اللہ اپنے فیصلہ کو بدل سکتا ہے۔ اللہ کے فیصلوں کو اللہ پر بالادستی حاصل نہیں، اللہ کو اپنے فیصلوں پر بالادستی حاصل ہے اسی کو مولانا رومی نے فرمایا کہ اے اللہ قضا آپ کی محکوم ہے آپ پر حاکم نہیں لہذا سوء قضا کو حسن قضا سے تبدیل فرمادیجئے۔

اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ فرمایا کہ قیامت کے دن میری حیثیت قاضی اور جج کی نہیں ہوگی کہ وہ تو قانون مملکت کے پابند ہوتے ہیں، قانون کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، کسی مجرم کو قانون کے خلاف رہا نہیں کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں مالک ہوں قیامت کے دن کا، میں قاضی اور جج کی طرح پابندِ قانون نہ ہوں گا۔ جو گنہگار قانون کی رو سے جہنم کا مستحق ہوگا تو میں قانون سے مجبور نہ ہوں گا کہ اسے جہنم ہی میں ڈال دوں جس کو چاہوں گا اپنے مراحم خسروانہ سے، اپنی رحمتِ شاہانہ سے بخش دوں گا۔

مثنوی رومی در حقیقت قرآن پاک و حدیث پاک کا درس عاشقانہ ہے جیسا کہ مولانا کا یہ مصرع حدیث پاک کی مذکورہ دعا سے مقنن ہے۔ دوسرے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں ۔

وامبر مارا زاخوان الصفا

سوء قضا سے پناہ مانگ کر مولانا بارگاہ حق میں فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ ہم کو اپنے عباد صالحین مقبولین سے خارج نہ فرمائیے کہ جو ان سے قلباً اور اعتقاداً الگ ہوا اس کو میدان محشر میں

﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ﴾

کا خطاب سننا پڑے گا اور اس خطاب کے بعد مجرمین کو صالحین سے الگ صف بنانی پڑے گی العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ سوء قضا سے حفاظت کی دعا کے بعد مولانا بُعد عن الصالحین سے پناہ کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس لئے کہ نیک بندوں کی رفاقت و معیت اور ان سے اللہ کے لئے محبت سوء قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ ان کی رفاقت فی الدنیا رفاقت فی الجنة میں ان شاء اللہ تعالیٰ تبدیل ہو جائے گی۔ اس کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ دلائل سے ثابت کروں گا۔ بخاری شریف کی حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَحَدَّ بِهِنَّ حُلَاوَةُ الْإِيمَانِ الْخ کہ تین باتیں جس کے اندر ہوں گی وہ ان کے سبب ایمان کی حلاوت پالے گا۔ ان تین باتوں میں ایک یہ ہے مَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ جو شخص کسی بندے سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے اس کو حلاوت ایمانی عطا ہوگی اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاة میں اس حدیث

کی شرح میں فرماتے ہیں وَ قَدْ وَرَدَ أَنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ إِذَا دَخَلَتْ قَلْبًا لَا تَخْرُجُ مِنْهُ أَبَدًا اور وارد ہے کہ حلاوت ایمان جس قلب میں داخل ہوتی ہے پھر کبھی اس قلب سے نہیں نکلتی ففیہ اشارۃ الیٰ بشارۃ حسن الخاتمة اور اس میں اشارہ ہے حسن خاتمہ کی بشارت کا (مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۷۴) کیونکہ جب ایمان دل سے کبھی نہیں نکلے گا تو خاتمہ ایمان پر ہوگا اور حسن خاتمہ جنت کی ضمانت ہے ۔

اب اگر کوئی اشکال کرے کہ اس حدیث میں حسن خاتمہ اور دخول جنت کی بشارت ہے لیکن اہل اللہ کی رفاقت و معیت فی الجنۃ کا تو ثبوت نہیں تو بخاری و مسلم کی حدیث ہے ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جو آدمی کسی قوم سے (یعنی علماء و صلحاء) سے محبت رکھتا ہے لیکن اعمال نافلہ اور مجاہدات شاقہ میں ان کا ساتھ نہ دے سکا تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے ۔ ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ای یحشر مع محبوبہ و یکون رفیقاً لمطلوبہ کما قال تعالیٰ :

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَ الرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ
مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَ الصَّادِقِينَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِينَ﴾

یعنی محبت کی یہ عظیم الشان کرامت ہے کہ اس محبت کی برکت سے اس محب کا حشر اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا اور اسی کا رفیق ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا وہ انہیں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے میری جان سے زیادہ اور میری اولاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کو یاد کرتا ہوں تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا دیدار کر لیتا ہوں لیکن آخرت میں آپ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اعلیٰ درجہ میں ہوں گے اور ہم جنت میں اونٹنی درجہ میں ہوں گے تو آپ کو کیسے پائیں گے اور کیسے آپ کا دیدار کریں گے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ومن یطع اللہ و الرسول الخ۔ (روح المعانی پ ۵ ص ۷۵)۔

اور تفسیر خازن میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے۔ اس نے عرض کیا

کہ میں نے تیاری تو کچھ نہیں کی إِلَّا إِنِّي أَحْبَبْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مگر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی۔ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۷۶)

مفسرین و محدثین نے ان آیات و احادیث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معیت سے مراد یہ نہیں ہے کہ سب ایک درجہ میں جمع ہو جائیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک دوسرے کی ملاقات و دیدار ہر وقت ممکن ہوگا۔ اعلیٰ درجہ والے جنتی ادنیٰ درجہ والے جنتیوں کے پاس آسکیں گے اور ادنیٰ درجہ والے اعلیٰ درجہ والوں کے پاس جاسکیں گے۔

میرے بزرگوں کی کرامت اور ان کی جوتیوں کا صدقہ ہے کہ اس شعر کی عجیب و غریب اور کتنی مدلل شرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے کرادی کہ اگر مولانا رومی بھی سنتے تو میرا گمان ہے کہ وجد میں آجاتے اور مجھے سینہ سے لگا لیتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جنت میں مولانا مجھے سینہ سے لگالیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں اور جنت میں دخول اولیں ہم سب کو نصیب فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کے صدقے میں ہم سب کو ولی

اللہ بنادے اور اپنے دوستوں کی صورت بھی دے دے اور دوستوں کی سیرت بھی دے دے اور اپنے اولیاء کے اخلاق بھی عطا فرمائے اور ہم سب کی اصلاح فرمادے۔ اے اللہ ایسا ایمان و یقین عطا فرما کہ زندگی کی ہر سانس آپ پر فدا ہو ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض کر کے حرام لذتوں کو امپورٹ نہ کریں استيراد نہ کریں در آمد نہ کریں و صلی اللہ علی النبی الکریم۔

اَلرَّشَادُ لِرُحَايَاكَ ۝ مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

شد صغیر باز جاں در مرج دیں
نعرہ ہائے لا اُحِبُّ الْاَفْلِسِ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول لَا أُحِبُّ الْاَفْلِسِ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نازل فرمایا کہ ہم فنا ہونے والوں سے محبت نہیں کرتے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جو باز ہر وقت بادشاہ کی کلائی پر رہتا ہے تو اس قرب شاہی کے سبب بادشاہ کے فیضانِ نظر سے اس کا حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ وہ جنگل میں بجز شیرِ نر کے کسی اور جانور کا شکار کرنا اپنی توہین سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس کرگس یعنی گدھ کی غذا مُردار لاشیں ہیں۔ شیر تو بڑی چیز ہے گدھ تو کسی زندہ جانور کے شکار کا حوصلہ بھی نہیں رکھتا۔ آپ جنگل میں دیکھیں گے کہ جہاں کہیں مُردہ بھینس یا گائے پڑی ہوگی وہاں گدھ ہی گدھ نظر آئیں گے اور باز شاہی

صرف زندہ شیر کا شکار کرتا ہے۔ احقر کا شعر ہے ۔

می نگیرد باز شہ جز شیر ز
کرگساں بر مردگاں بکشادہ پر

باز شاہی سوائے شیر ز کے کسی جانور کا شکار نہیں کرتا اور گدھ پر پھیلائے ہوئے مُردہ لاشوں سے چپے ہوئے ہیں۔ مُردہ سڑی ہوئی لاش ان کو پلاؤ قورمہ معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح جو دنیائے فانی کے عاشق ہیں ان کا حوصلہ اتنا پست اور ذلیل ہو جاتا ہے کہ دنیائے مُردار اور فنا ہونے والی صورتیں ان کو نہایت مہتمم بالشان نظر آتی ہیں اور کرگسوں کی طرح مُردہ لاشوں سے لذت کشی ان کا شعار اور مقصد حیات بن جاتا ہے۔ مولانا اس شعر میں فرماتے ہیں کہ جو بندہ مقرب باللہ ہو جاتا ہے اس کی روح جو شہباز معنوی ہے دین کی شکار گاہ میں مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام لَا أَحِبُّ الْآفَلِیْنِ کا نعرہ بلند کرتی ہے اور بجز اللہ کے کسی ماسویٰ کی طرف رُخ نہیں کرتی اور بجز رضائے الہی کے کسی چیز کو محبوب نہیں رکھتی۔ اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ذرا سی حسین شکل سامنے آگئی تو یہ اللہ کو چھوڑ کر اس فانی صورت پر مرنے لگے۔ مومن طبیعت کا غلام نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس کافر اور مومن فاسق طبیعت کے غلام ہوتے ہیں جو شکل اچھی لگی اس پر فدا ہونے لگے اور جب وہی شکل بگڑ گئی سب

کھیل ختم ہو گیا حسن کے شامیانے اُڑ گئے تو یہ عاشق صاحب بھی
بگڑ گئے اور جس پر مر رہے تھے اس سے بچھڑ گئے اور ایسے بھاگے جیسے
گدھا شیر سے بھاگتا ہے۔

﴿حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾

آہ پھر کیا فرق ہوا مومن میں اور کافر میں۔ حسن بگڑنے کے بعد تو
کافر بھی بھاگتا ہے اگر اس وقت مومن گنہگار بھی بھاگا تو کیا کمال کیا
کیونکہ نفس کے کہنے سے اس کا قرار تھا نفس کے کہنے سے فرار ہوا۔
مومن کامل صاحب نسبت اور ولی اللہ کی شان یہ ہے کہ عین عالم
شباب حسن میں وہ اللہ کے خوف سے نظر بچاتا ہے، اس کا نفس بھی
کہتا ہے کہ ایک نظر دیکھ لوں لیکن اللہ کے خوف سے وہاں سے بھاگتا ہے

﴿فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ﴾

پر عمل کرتا ہے اس کا فِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ لَوْجہ اللّٰہ ہے اس لئے یہ عارف
باللہ ہے اور جو نفس کے کہنے سے حسن پر فدا ہوا اور نفس کے کہنے
سے بگڑے ہوئے حسن سے بھاگا یہ باگڑ بلا تو ہو سکتا ہے عارف باللہ
نہیں ہو سکتا۔ اس کا فرار باگڑ بلا کا فرار ہے عارف باللہ کا فرار نہیں۔
عارف باللہ کا فرار اور ہے باگڑ بلا کا فرار اور ہے۔ طبیعت و نفس کے
حکم سے بھاگنا اور ہے اور اللہ کے حکم سے بھاگنا اور ہے۔

جب میرا پہلا سفر ری یونین کا ہوا تھا جو فرانس کے ماتحت ایک
جزیرہ ہے تو فرانس ریڈیو نے اعلان کیا کہ فلاں روز سمندر کے کنارے

برہنہ لڑکیاں اور برہنہ لڑکے نہائیں گے۔ بعض مسلمان نوجوانوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا صاحب نفس میں بہت لالچ لگ رہی ہے کیا کریں، نفس ادھر کھینچتا ہے اور اللہ کا خوف روکتا ہے۔ میں نے کہا کہ ایک مراقبہ چند منٹ کرو کہ یہ لڑکیاں جو کل نہائیں گی سب نوے سال کی ہو گئیں، گال پتکے ہوئے ہیں، دانت باہر ہیں، چھاتیاں ایک ایک فٹ نیچے لٹکی ہوئی ہیں، سفید بال بڑھے گدھے کی دم کی طرح جھڑ گئے، رعشہ سے گردنیں ہل رہی ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر فرانس ریڈیو اعلان کرے کہ کل سب نوے سال کی بڑھیاں نکلی نہائیں گی تو پھر کیا دیکھنے جاؤ گے۔ لہذا جس حسن پر کل بڑھاپا آنے والا ہے اس سے تم آج ہی بھاگو تو اجر و ثواب اور اللہ کا قرب ملے گا ورنہ بھاگو گے تو کل بھی لیکن پھر کوئی ثواب نہیں ملے گا، اللہ کی رضا نہیں ملے گی۔ نوجوانوں نے کہا کہ اس مراقبہ سے ہمیں بہت نفع ہوا۔

یہ تو زندگی کا حال ہے اور مرنے کے بعد جب لاش پھٹ جاتی ہے، کیڑے رینگنے لگتے ہیں بدبو کا بھپکا اٹھتا ہے اس وقت ذرا ان پر مر کر دکھاؤ۔ عراق پر جب بمباری ہوئی تو دس ہزار نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی لاشیں سڑ گئیں تو اخباری رپورٹر بھی وہاں نہ جاسکے اتنی سخت بدبو تھی۔ آہ کیا ایسی بدبودار چیزوں پر مرنے کے لئے اللہ نے ہمیں زندگی دی ہے، کیا سڑنے والی لاشوں پر مرنے کے لئے اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے؟ آہ !

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

اللہ نے تو ہمیں اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا تھا اور ہم مرنے والوں پر مر رہے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

بہر ایں آورد ما یزداں بروں

ما خلقت الانس الا یعبدوں

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح سے اس عالم ناسوت میں ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت و عبادت کی راہ سے اللہ کی معرفت حاصل کریں۔

تو مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا کی فانی چیزوں سے دل نہ لگاؤ اور مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لایحب الالفین کہو کہ ہم ان مٹنے والی چیزوں سے محبت نہیں کرتے۔ اسی مضمون کو مولانا دیوان شمس تبریز میں فرماتے ہیں۔

خلیل آسا در ملک یقین زن

نوائے لَا أُحِبُّ الْآفِلِینَ زن

فرماتے ہیں مثل حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تم بھی ملک یقین میں قدم رکھو یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات یقینی ہے ان کے وعدے یقینی ہیں۔ جو چیزیں نظر آرہی ہیں فانی ہیں، اللہ باقی ہے لہذا تم بھی کہو کہ ہم فنا ہونے والوں سے محبت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔